Editor —

Mohammad Ali Raunaq.

Annual Subscription Rs. 3/- Single Copy Annas 4.

جنوری فروری ۱۹۳۳ء بسم اللہ الرحمٰن الرحیم رمضان و شوال ۱۳۵۱ھ

القریش امرتسر

جلد ۱۵ نمبر ۱ و ۲

تحفۂ نوروز

(نتیجہ فکر جناب شیخ غلام حسین صاحب شاکر صدیقی)

آفریں بر ہمت عالی مرزبانِ القریش
داشتی در نامساعد حال شانِ القریش

ایں قدر پاک است اندازِ بیانِ القریش
شستۂ از کوثر و زمزم زبانِ القریش

وائے بر بزمے کہ از غفلت شعاری ہائے خویش
نغمۂ دانست ہر آہ و فغانِ القریش

از مسیحائی خود واقف اگر بودے دمے
از تمِ خود زندہ تر کردے جہانِ القریش

از منِ بیچارہ با او ہم نوا پیغام دہ
بائدت فکرِ حیاتِ جاودانِ القریش

اشک ہا از چشمِ رونق می چکد در حلقِ او
من چہ گویم با تو جز ایں داستانِ القریش

پا شکستہ۔ جادہ سنگیں۔ دور منزل۔ اے خدا
یک نگاہِ رحمتے بر کاروانِ القریش

از دلِ رونق بخیزد چوں عمل را دعوتے
اے خدا لبیک گویند کافرانِ القریش

خواستم چوں بہرِ سالِ نو زِ شاکر تحفۂ
فکر او آورد پیشم ارمغانِ القریش
۱۹۳۳

(شاکر صدیقی)

دُعا

تیری مرضی ای خدا مسرور کر رنجور کر
ماسوا کے داغ لیکن میرے دل سے دور کر

وادیٔ سینا میں ظلمت ہو رہی ہے خیمہ زن
رختِ باطل پھونکنے کو پھر فروزاں طور کر

قصۂ دار و رسن میں آج وہ گرمی نہیں
خاکِ اُفتادہ سے پیدا پھر کوئی منصور کر

تشنۂ پیغام ہے فطرت کا حسن لازوال
ساز ہستی کو نوائے عشق سے معمور کر!

میری ساری عمر کا حاصل یہی آنسو ہے ایک
بے بضاعت ہوں الٰہی! نذر یہ منظور کر!

نغمہ رازِ زندگی ہے اسی آوازِ شکست
ٹوٹ جانیکا مرے دل کو عطا مقدور کر!

کھائے جاتا ہے مجھے ہر دم خیال اندمال
زخم دل میرا الٰہی آج سے ناسور کر!

حسنِ عریاں کی ہیں سب رنگینیاں مثلِ سراب
خود فروزاں دلِ مرا اے جلوۂ مستور کر!

کیفیت کچھ ساغر و صہبا و مینا میں نہیں
اپنے رندوں کو مئے توحید سے مخمور کر!

تیرہ تر صیہونیت کی گرد سی ہے رنگ شام
اختر مسلم سے پھر پیدا سحر کا نور کر!

ہو رضا جوئی تری ہی انتہائے آرزو
بے نیاز دو جہاں میرا دلِ غیور کر!

فتنۂ الحاد ہے۔ اسلام ہے شیطان ہے
ملّتِ بیضا کو اس پیکار میں منصور کر

قلبِ اُشا ہے کرشمتِ گل ہے۔ جلوۂ برقِ عمل
پھر اُسے مستِ نویدِ سعیکم مشکور کر

حق بحقدار رسید

آزادیٔ برار

برار اور تاریخ اجارہ برار پر ایک مبسوط و رہن مضمون اسی اشاعت میں کسی دوسری جگہ درج ہو چکا ہے۔ قارئین کرام اس کے مطالعہ سے اس حقیقت سے خوب واقف ہو سکتے ہیں۔ کہ برار کیونکر برطانیہ کے قبضہ و اقتدار میں آیا۔ اور اس کے متعلق کسقدر اور کتنے معاہدے معرض تحریر میں لائے گئے۔ القریش "نظام نمبر" میں حضور آصفجاہ ہفتم میر سر عثمان علی خاں فرمانروائے دکن ادام اللہ سلطنتہ و حشمتہ کے روابط دوستی و ضوابط یگانگی کا بالتفصیل تذکرہ موجود ہے۔ جو حضور نظام عالی مقام نے حکومت برطانیہ سے برا‌ڑے وقتا میں روا رکھے۔ اور اس کے ساتھ ہی ان مساعی کا تذکرہ بھی کر دیا گیا تھا۔ جو برار کو واپس لینے کے لئے حکومت آصفیہ عالیہ کی طرف سے کی گئی یا کی جا رہی ہیں۔ برار حکومت آصفیہ کا ایک جزو خاص تھا۔ اور یہ اس کا حق تھا۔ جس کا مطالبہ تواتر و تسلسل کے ساتھ اب تک جاری و ساری رہا۔ اگرچہ اس حق کے مطالبہ میں کئی قسم کی پیچیدگیاں اور الجھنیں پیدا کر دی گئیں۔ لیکن حکومت آصفیہ کے پائے استقلال کو لغزش نہ ہوئی۔ قدرت ہمیشہ حق و صداقت کی حامی و معاون رہی ہے۔ اور یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ آج ہم یہ نوید جانفزا سن رہے ہیں۔ کہ استرداد برار کا مسئلہ طے ہو گیا۔ حضور نظام کا حق انہیں دیدینے کا قطعی اور حتمی فیصلہ ہو چکا۔ دنیائے اسلام میں یہ خبر بے حد مسرت و شادکامی کے ساتھ سنی گئی۔ اور وہ حق بحقدار رسید کے لئے سراپا سپاس ہیں۔ ہاں شرائط کا سوال ایک ایسا سوال ہے۔ جس نے عوام کو پھر شک و شبہ میں ڈال دیا ہے۔ کیونکہ جب حق دار کو حق دینے میں یا یوں سمجھئے کہ وہ چیز جو کسی سے عاریتاً لی گئی تھی۔ واپس کرنے کا موقع آئے تو شرائط کا دخل کیوں ہو۔ وہی تو اس کا اصل مالک ہے۔ جو اسے حاصل کر رہا ہے۔ حق تو یہ ہے کہ حکومت برطانیہ کی طرف سے صاف و صریح الفاظ میں برار کی واپسی کا اعلان ہو جانا چاہیئے۔ اور اس اعلان میں تفصیلات و جزئیات کے تصفیہ کو اعلیٰ حضرت حضور نظام پر چھوڑ کر کھلے لفظوں میں یہ تصریح کر دینی چاہیئے۔ کہ لارڈ کرزن کا دوامی پٹہ ابداً و قطعاً منسوخ قرار دیا گیا۔ دہلی کی تازہ اطلاع مظہر ہے۔ کہ دو ہفتہ کے اندر اندر تمام تفصیلات طے پا جائینگی۔ اور اس کے بعد استرداد برار کا اعلان کر دیا جائیگا۔ لیکن انصاف کا تقاضا یہ ہے۔ کہ تفصیلات طے کرنے کی نوبت ہی نہ آنی چاہیئے۔ باقی رہا یہ کہ آئندہ کے نظام حکومت میں برار کی دستوری تشکیل کیا ہوگی۔ اس کے متعلق خسرو عالی تبار اپنے مختلف فرامین میں ظاہر فرما چکے ہیں۔ اور ۱۹۲۳ء کے فرمانِ خسروی کے بعد کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی۔ عالم پناہ فرماتے ہیں:۔

"میں بے چین ہوں۔ کہ میری برار کی رعایا اپنی قسمتوں کی صورت گری اپنے ہاتھوں میں لے لے۔ اور اسی بنا پر میں استرداد صوبہ برار کے بعد انہیں نظم و نسق صوبہ میں ایسے وسیع پیمانہ پر اشتراک عمل دینا چاہتا ہوں

جو برطانوی ہند میں اسوقت کسی صوبہ کی رعایا کو حاصل نہیں ہے۔ اسی مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے اعلان کرتا ہوں۔ کہ میں اپنے صوبہ کو واپس لینے میں کامیاب ہو جاؤں۔ تو میں "وثیقہ استرداد" یا کسی اور ریاستی دستاویز میں جو لکھی جائے گی۔ برادیوں کو ایسی ذمہ دار حکومت کے دستور عطا کئے جانے کے متعلق معین دفعات درج کرونگا۔ جس کی رو سے ایک آئینی گورنر کے تحت جو میرے جانب سے میرے نمائندے کی حیثیت سے مقرر ہوگا۔ معاملات داخلہ اور نظم ونسق میں کامل انتظامی اختیارات کے لئے اقتدار عام مطلقہ حاصل ہو جائے گا۔ باستثنائے اس معاملہ کے جو حکومت برطانیہ اور میرے محکمہ افواج کے متعلق ہو۔"

اس صاف وصریح اور واضح اعلان کے بعد بھی اگر شکوک ہوں۔ اور مخالفین استرداد کے مکروہ پراپیگنڈا سے متاثر ہو کر حق یہ صداقت کی حمایت نہ کی جائے۔ تو باشندگان برار کی قسمت۔

حضور نظام کی روشن ضمیری۔ بیدار مغزی۔ عدل گستری۔ رواداری۔ رعایا نوازی اور حق پژوہی کا نتیجہ ہے۔ کہ مملکت حیدرآباد علمی، اخلاقی، تمدنی اور اقتصادی ترقیات میں ضرب المثل ہے۔ اور رعایا علیٰ حالہ شادکام و فائز المرام ہے۔ اور اسی طرح برار گوناگوں ترقیات حاصل کر سکتا ہے۔ گذشتہ چند سال کے اندر حکومت آصفیہ عالیہ نے نظام حکومت میں جو جو اصلاحات کی ہیں۔ وہ روز روشن کی طرح ظاہر ہیں۔ ہر شعبہ نہایت خوش اسلوبی کے ساتھ اپنے فرائض انجام دے رہا ہے۔ ہر خیال اور ہر تجویز عملی جامہ پہن چکی ہے۔ عدالتی اور انتظامی انتظامات کی علیحدگی کے علاوہ مملکت کی ترقی اور رعایا کی خوش حالی و فارغ البالی کی تدابیر پر عملاً غور کیا جاتا ہے۔ ادہر جامعہ عثمانیہ کے علاوہ نظام کالج، انجینئرنگ کالج، زنانہ کالج قائم کئے گئے۔ غرض کوئی ایسی بات نہیں۔ جو فلمرو کی بہتری اور رعایا کی ترقی و خوشحالی کے لئے ہو۔ اور عمل میں نہ لائی جاتی ہو۔ پھر کوئی وجہ نہیں۔ کہ ایسے ہمدرد اور نصفت شعار عادل حکمران کے زیر سایہ برار کیوں اوج عروج پر نہ پہونچ جائے گا۔

لہذا مناسب و موزوں ترین صورت یہ ہے۔ کہ برار حکومت آصفیہ کو غیر مشروط واپس ہو۔ اور مخالفین استرداد ریشہ دوانیوں سے باز رہکر حق وصداقت کی مخالفت نہ کریں۔

استرداد برار کے متعلق مختلف روایات ہیں۔ عام خواہش ہے کہ برار غیر مشروط واپس ہو۔ اور دہلی کی بعض اطلاعات مظہر ہیں۔ کہ کچھ شرائط ضرور ہونگی۔ چنانچہ ایک اطلاع کے مطابق برار مملکت آصفیہ کا ایک جزو و ماتحت صوبہ ہوگا۔ اس کا نظام اساسی بالکل ایسا ہی ہوگا۔ جیسا برطانوی ہند کے کسی دوسرے صوبہ کا رکھا جائے گا۔ صوبہ کو مختار آزاد حکومت عطا کر دی جائے گی۔ گورنر کا تقرر اعلیٰ حضرت کے ہاتھ میں ہوگا۔ اور ٹھیک اسی طرح جس طرح وائسرائے برطانوی ہند کے خود مختار صوبوں کا ذمہ دار ہوگا اعلیٰ حضرت اس کے ذمہ دار ہوں گے۔ اور ولیعہد مملکت آصفیہ کو شہزادہ برار کا منصب عطا کیا جائے گا۔ بہرحال نتیجہ کا انتظار ہے۔

دولت آصفیہ کی رعایا نوازی

حضور آصفجاہ ہفتم فرمانفرمائے دولت آصفیہ دکن کی حکومت نے کسانوں اور چھوٹے چھوٹے زمینداروں کو قرضوں کی لعنت سے بچانے اور سود در سود کے چکر سے نجات دلانے کے لئے قانون وضع کرنے کی تجویز کی ہے۔ چنانچہ اعلیحضرت کے ایک فرمان خصوصی میں اس قانون کا مسودہ شائع ہو چکا ہے۔ فرمان ذی شان میں اس تلخ حقیقت کا اعتراف کیا گیا ہے۔ کہ گذشتہ چند سال سے یہ بات عام طور پر مشاہدہ کی جا رہی ہے کہ کاشتکاروں اور زمینداروں کی زمین سود اور سود در سود کے بڑھے ہوئے نرخوں کے معاوضہ میں ساہوکاروں کے ہاتھوں بک رہی ہیں۔ اور ساہوکار کسانوں کی جہالت سے ناجائز فائدہ اٹھا کر ان کی جائدادیں ہتیا رہے ہیں۔ گذشتہ دو سال سے یہ کیفیت اور بھی عبرت انگیز شکل اختیار کر چکی ہے۔ لہٰذا اعلیٰ حضرت حضور نظام اپنی رعایا کو موجودہ اقتصادی مشکلات سے بچانے کے لئے کسی تدبیر کا اختیار کیا جانا ضروری خیال فرماتے ہیں۔ اور دو سال کے لئے قانون ارتفاع مقروضیت مزارعین و امتناع سود در سود کے اجراء کا حکم صادر فرماتے ہیں۔ یہ قانون دو سال تک رائج رکھنے کی تجویز کی گئی ہے۔ اعلیحضرت کی منشائے مبارک یہ ہے کہ اس کے عملدرآمد سے حاصل شدہ تجربات سے فائدہ اٹھا کر مناسب ترمیمات کے بعد اس ہنگامی قانون کو مستقل شکل دیدی جائے۔ اور اس بات پر غور کیا جائے۔ کہ آیا ایسے قوانین کا عام اطلاق حضور نظام کی رعایا کے تمام طبقات پر مفید ہوگا یا نہیں۔

حکومت بمبئی کا منصفانہ فیصلہ

حکومت بمبئی کا یہ فیصلہ ہندوستان کے بیدار حلقوں میں اطمینان کے احساسات کے ساتھ دیکھا جائے گا۔ کہ اس نے پنج اقوام کی ان محرومیوں کو سرکاری طور پر تسلیم کرنے سے انکار کر دیا ہے۔ جو انہیں عام مالیہ سے چلنے والے رفاہی امور کے متعلق لاحق تھیں۔

حکومت بمبئی نے فیصلہ کیا ہے۔ کہ ان تعمیرات سے جو سرکاری روپیہ سے رفاہ عامہ کے لئے بنائی گئی ہوں یا سرکاری روپیہ سے جاری ہوں۔ کسی کو اس وجہ سے فائدہ اٹھانے سے محروم نہ رکھا جائے گا۔ کہ وہ کسی خاص طبقہ سے تعلق رکھتا ہے۔

سڑکوں۔ کنوؤں۔ تالابوں۔ نہروں۔ ہسپتالوں۔ سکولوں اور سرکاری امداد لینے والے دہرم سالوں کے استعمال کا حق اچھوتوں کو بھی ویسا ہی حاصل ہوگا۔ جیسا دوسروں کو حاصل ہے۔ حکومت بمبئی نے اس مطلب کی گشتی چٹھیاں جاری کر دی ہیں۔ اور ڈسٹرکٹ بورڈوں کو ہدایت کر دی ہے۔ کہ وہ ہر ایسی تعمیر پر اس مطلب کے نوٹس لگا دیں۔ کہ اس جگہ سے تمتع حاصل کرنے کے لئے ہر شخص برابر کا حقدار ہے۔

ہز مجسٹی حضور نظام

معاصر "رہبر" دکن حیدرآباد رقمطراز ہے۔ کہ مدراس میں حیدرآبادیوں کی طرف سے محمد عبدالحکیم صاحب بی اے بی ایل نے وائسرائے کو بدیں مضمون تار ارسال کیا ہے۔ کہ (۱) عراق۔ مصر نیپال اور افغانستان کے حکمرانوں کی طرح حضور نظام کے لئے بھی "ہز مجسٹی" کا خطاب نہایت ضروری ہے۔ (۲) حیدرآباد دکن کا تعلیم یافتہ قوم پرست طبقہ ریاست کی حقیقی بہبودی اور ترقی کے لئے برطانوی استعماری افسروں کی واپسی کو نہائت اہم خیال کرتا ہے۔

حضور نظام کے تعلقات کو دیکھتے ہوئے حکومت کو پہلی فرصت میں چاہیئے کہ اپنی توجہ اس طرف مبذول کرے اور اپنے ایک رفیق دالی ملک جس نے درمے سخنے بہر وقت میں حکومت ہند کا ساتھ دیا ہے۔ اسکو ہز مجسٹی کے خطاب سے سرفراز کر کے تمام مسلمانان ہند کے شکریہ کی مستحق ہو۔

ہم کو امید ہے کہ حکومت ہند کے مدبرین "مسئلہ برار" اور ہز مجسٹی کے خطاب پر کافی توجہ کریں گے۔ اور ہندوستان کے ایک مخصوص طبقہ کی خوشنودی حاصل کرنے میں کبھی دریغ نہ کریں گے۔

حضور نظام اور صوبہ برار

برار درصل حکومت نظام کا علاقہ ہے۔ کنٹنجنٹ نامی فوج کے اخراجات کے سلسلہ میں اس کا پٹہ حکومت ہند نے حاصل کر لیا تھا۔ اس پٹہ کی ابتدا سنہ ۱۸۵۳ء نے برار کے اضلاع ریذیڈنٹ کی نگرانی میں اس بنا پر کر دیئے کہ فوج کے اخراجات برار کی آمدنی سے پورے کر لیا کریں۔ سنہ ۱۸۶۰ء میں ایک اور معاہدہ کے روسے برار کی فاضل آمدنی حکومت نظام کو واپس ملنے لگی۔ سنہ ۱۹۰۲ء میں ایک اور معاہدہ نے یہ طے کیا۔ کہ فاضل آمدنی کی بجائے جو کم و بیش ہوتی رہتی ہے۔ حکومت ہند ۲۵ لاکھ روپیہ سالانہ کی مقررہ رقم حکومت نظام کو دیا کرے گی۔ دوامی پٹہ حکومت ہند کے نام رہے گا۔ البتہ برار پر بادشاہی حقوق حضور نظام ہی کے رہیں گے۔ اور حضور نظام کی سالگرہ کے دن حکومت آصفیہ کا جھنڈا سرکاری طور پر برار میں بلند کیا جائے گا۔ کیا متذکرہ صدر حالات سے صاف ثابت نہیں ہوتا۔ کہ برار حضور نظام ہی کا ملک ہے۔ جو مختلف معاہدوں کے بعد ان سے لیا جاتا رہا ہے۔ اور چونکہ برار پر حضور نظام کے بادشاہی حقوق قائم ہیں۔ اور حضور نظام اس صوبہ کو آزاد صوبہ بھی بنانا چاہتے ہیں اس لئے انصاف کا تقاضا یہ ہے کہ یہ ملک حضور نظام ہی کو واپس ملنا چاہیئے۔

وزیر ہند کے خیالات

نئی دہلی ۱۳ر جنوری۔ حضور نظام کو برار دیئے جانے کے متعلق تفصیلات پر ابھی گفت و شنید ہو رہی ہے۔ لیکن وزیر ہند نے حیدرآبادی ضیافت کے موقعہ پر اس امر کا اظہار کیا ہے۔ کہ برار سرکار نظام کا ملک ہے۔ اس لئے برار کے مرتبہ کے متعلق ایسی بنیادی تبدیلیوں کو اختیار کیا جائیگا جس سے علیحدگی مسئلہ پر اہل برار میں استصواب رائے عامہ کا ہیجان پیدا نہ ہو۔ برما کے مسئلہ استصواب نے رجعت پسندوں میں اضطراب کی ایک لہر دوڑا دی تھی۔ جبکہ ان کو یہ توقع ہوگئی۔ کہ رائے شماری کے معاملات پر سرکاری منشا کی متابعت کی جائے گی۔ یہ تجربہ خواہ کسی قدر جائز اور ضروری کیوں نہ ہو۔ لیکن ایک دوسرے صوبہ کی علیحدگی کے مسئلہ میں اسکو استعمال کر کے خطرات مول نہیں لئے جائیں گے۔ معلوم ہوا ہے۔ کہ اقرار نامہ میں مندرجہ ذیل شرائط بھی شامل ہوں گی۔

(۱) برار میں ایک چھوٹے صوبہ مثلاً سندھ کی طرح عملدرآمد کیا جائے گا۔ اور فیڈرل مجلس قانون ساز میں اس کو نمائندگی کا حق حاصل ہوگا
(۲) لیکن جغرافی طور پر برار حکومت نظام سے ملحق ہوگا۔ اور گورنر کے ماتحت سرکار نظام کے فرمان کے ذریعہ حکومت کی جائیگی۔
(۳) گورنمنٹ ہاؤس پر سرکار نظام کا پرچم لہرائے گا۔ اور نظام کے پوسٹل اسٹامپ اور عالی سکہ (روپیہ) کو برار میں وہی مراعات حاصل ہونگی جو سرکار نظام کی باقیماندہ سلطنت کو حاصل ہیں۔
(۴) سرکار نظام کے ولیعہد پرنس برار کہلائیں گے۔ اور ان کو ہز ہائینس کا ذاتی امتیازی اعزاز دیا جائے گا۔ برار کے شروط الحاق کے موافقت میں رائے عامہ پیدا کی جارہی ہے۔ اور اب تک نیم سرکاری حلقوں کی ملاقاتوں اور بیانات میں سرکار نظام کی خواہش کی تائید کی گئی ہے۔

قدس میں اسلامی یونیورسٹی

الجامعۃ الاسلامیہ یافا کو قدس سے برقی پیغام کے ذریعہ اطلاع ملی ہے۔ کہ موتمر اسلامی کے ممتاز کارکن اسلامی یونیورسٹی کے قیام کے سلسلہ میں باہم مشوروں میں مشغول ہیں۔ فراہمی سرمایہ کے مسئلہ پر اولیں توجہ صرف کی جارہی ہے۔ ایک جلسہ میں یہ طے کیا گیا ہے۔ کہ دیہاتی آبادی کے شریف احساسات کا لحاظ کرتے ہوئے دیہات ہی کو حلقۂ عمل بنایا جائے۔ اس مقصد کیلئے تین کمیٹیاں بنادی گئی ہیں۔ جو دیہاتی علاقوں کا دورہ کرکے عوام کو اسلامی یونیورسٹی کے قیام کی تجویز سے آگاہ کرینگی۔ فراہمی سرمایہ کا کام بھی انہی جماعتوں کو سپرد کیا گیا ہے۔ یہ امر مسرت بخش ہے۔ کہ فلسطین کے عوام اس تعلیمی مرکز کے قیام سے غائت درجہ دلچسپی لے رہے ہیں۔ اس کی وجہ سے کارکنوں کی ہمتیں بہت بلند ہوگئی ہیں۔

بلغاریہ میں جمعیتہ اسلامیہ کا قیام

آجکل یورپ کے مسلمانوں میں جو روح حیات کام کررہی ہے۔ وہ اب ایک منظم صورت میں دنیا کے سامنے آرہی ہے۔ بلغاریہ کی اطلاع مظہر ہے کہ وہاں کے مسلمانوں نے وائنا میں ایک اسلامی جمعیت قائم کی ہے۔ یہ جمعیت یورپ کے سامنے اسلامی محاسن کی نشرواشاعت کا انتظام کرے گی۔ اور مستشرقین کے اعتراضات کا استدلال کے ساتھ جواب دے گی۔

جمعیتہ اسلامیہ بلغاریہ کے قیام کے بعد اس کے فاضل صدر نے محاسن اسلام پر اپنے لیکچروں کا سلسلہ شروع کردیا ہے۔ لیکچر جرمنی زبان میں دیئے جاتے ہیں۔ اور ان سے اعلیٰ طبقے کے یورپین افراد متاثر ہورہے ہیں۔ حال ہی میں متعدد حضرات کے قبول اسلام کی اطلاع شائع ہوئی ہے۔ اور اس کو جمعیتہ کے قیام کا بہترین ثمرہ خیال کیا جاتا ہے۔

سرکاری مدارس میں مذہبی تعلیم کی ضرورت

پچھلے دنوں مولانا غلام مرشد صاحب پروفیسر اشاعت اسلام کالج انجمن حمایت اسلام اور مولانا احمد علی صاحب ناظم انجمن خدام الدین لاہور نے ایک یادداشت پنجاب یونیورسٹی کی تحقیقاتی کمیٹی کی خدمت میں بھیجی تھی۔ جس کا مفاد بالفاظ معاصر انقلاب یہ ہے۔

چونکہ مسلمان کے نزدیک اخلاق عالیہ فضائل اور خوف خدا پیدا کرنے کا طریقہ صرف یہ ہے۔ کہ وہ قرآن سے تمسک کرے۔ اس لئے لازم ہے کہ سرکاری مدارس میں مسلمان بچوں کی قرآنی تعلیم کا خاص اہتمام کیا جائے۔ تاکہ ان کے اخلاق آغاز عمر ہی سے درست ہو جائیں۔ اور تعلیم کا حقیقی منشا پورا ہو جائے۔ بیشمار مسلمان والدین ایسے ہیں۔ جو اپنے بچوں کو چھوٹی عمر میں سرکاری مدارس میں بھیجنے سے

کتراتے ہیں۔ اور جب تک بچہ قرآن ختم نہیں کر لیتا۔ اسے دنیاوی تعلیم کے لئے نہیں بھیجتے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے۔ کہ اس کی عمر زیادہ ہو جاتی ہے اور وہ دنیاوی تعلیم کا نصاب جلد ختم نہیں کر سکتا۔ اسی مشکل سے متاثر ہو کر ۱۹۲۹ء میں ہارٹوگ کمیٹی نے تجویز پیش کی تھی۔ کہ مسلمانوں کے لئے سرکاری مدارس میں تعلیم مذہبی کا انتظام کر دیا جائے۔ تاکہ ایک طرف بچوں کے اخلاق کی مناسب ترتیب ہو جائے۔ اور دوسری طرف مدارس سرکاری میں طلب کی تعداد رہ جائے۔

مولانا غلام مرشد اور مولانا احمد علی نے انہی امور کو مدنظر رکھ کر اس قسم کی تجاویز پیش کی ہیں۔ کہ پنجاب کے تمام سرکاری اور امدادی مدارس میں اخلاقی و مذہبی تقسیم کا مناسب انتظام کر دیا جائے۔ پرائیویٹ مذہبی مدارس کو سرکاری امداد دی جائے۔ اور مسلمانوں کے مکاتب مدارس کے لئے محکمہ تعلیم کا ایک خاص نگران افسر مقرر کیا جائے۔ اس کے علاوہ ان حضرات نے تجویز پیش کی ہے۔ کہ سکولوں اور کالجوں میں مسلمان طلبا کے لئے قرآن پاک کے متن کی تعلیم کو ایک متبادل لازمی مضمون قرار دیا جائے۔ اور ایف اے اور بی اے کے عربی کورس کے ساتھ ساتھ قرآن مجید کی چند سورتیں ضمنی نصاب کے طور پر پڑھائی جائیں۔

ہمیں امید ہے کہ پنجاب یونیورسٹی جلد از جلد مسلمانوں کے ان دو مقتدر علماء کی آواز بغور سنیگی۔ جن کے تمام مسلمانان پنجاب ہم آہنگ ہیں

لندنی غربا نواز انجمنیں

ہمارے ہاں بہت کم ایسے صاحب استطاعت ہیں۔ جو مسلسل و متواتر ایک قاعدہ اور نظام کے ساتھ غریب اور نادار بھائیوں کی امداد کرتے ہوں۔ انگلستان میں مردوں کے علاوہ عورتوں میں بھی اس کی ہمدردانہ تحریکیں پائی جاتی ہیں۔ چنانچہ خاص لنڈن میں حکمران خاندان کے ایک شہزادہ نے اپنے دو مکان مفت دے رکھے ہیں۔ جہاں غریبوں کی امداد کرنے والی انجمن کا دفتر ہے۔ اسی دفتر میں کئی لیڈیاں کلرکی اور سیکری کا کام مفت کرتی ہیں۔ یہ انجمن بیکار اور غریب لوگوں کو موسم سرما میں گرم کپڑوں اور بوٹوں وغیرہ کی امداد دیتی رہتی ہے۔ چنانچہ اس موسم سرما میں بھی یہ امداد برابر جاری ہے۔ اس انجمن کے علاوہ لنڈن میں اور بھی کئی ایسی ہی سوسائٹیاں ہیں جنہوں نے اپنے اپنے امدادی کام بانٹے ہوئے ہیں۔ ہندوستان بیکاری و افلاس کا گہوارہ ہے۔ یہاں فاقہ کشی اور بدن کی برہنگی کی وجہ سے ہر موسم میں موتیں ہوتی اور خودکشی کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں۔ لیکن عورتوں نے تو درکنار کیا ہمارے امراء صاحبان نے بھی کبھی اپنے فاقہ کشوں کا خیال کیا ہے؟

قومی اخبارات کی امداد و اعانت کے طریقے

بالفاظ معاصر کشمیری "مسلمانوں میں تو بہت کم رواج دیکھا جاتا ہے البتہ ہندو اخبارات سے اکثر معلوم ہوتا رہتا ہے۔ کہ شادی بیاہ اور غمی وغیرہ کی تقریبوں پر قومی انسٹی ٹیوشنوں کو بھی کچھ نہ کچھ دیا جاتا ہے۔ اور ان کے علاوہ قومی اخبارات کی بھی امداد کی جاتی ہے چنانچہ فرید کوٹ میں ایک سکھ خاندان کی شادی پر جہاں تین سو روپیہ سکھ انسٹی ٹیوشنز کو دیا گیا۔ وہاں سکھوں کے تین چار اخبارات کو بھی کئی کئی خریداروں کی قیمت بطور امداد دیگئی۔ حال ہی میں اگروال ہتیشی لاہور نے اپنی توسیع اشاعت کیلئے اپنے خریداروں کے پاس اپیل کیا تھا۔ اس اپیل کے جواب میں اخبار مذکور کو اسکا ایک خریدار یوپی سے لکھتا ہے۔ کہ میرے علاقہ میں ہندی زبان کا زیادہ رواج ہے۔ اور نہ اگروالوں کی زیادہ آبادی ہے اسلئے میں پندرہ روپے یا پانچ خریداروں کی قیمت کے حساب میں بھیجتا ہوں۔ آپ میری طرف سے برادری کے نادار صاحبان کے نام اخبار مفت جاری کر دیں مسلمان اپنی شادی غمی کی تقریبوں پر قرضہ اٹھا کر بھی فضول اور تباہ کن رسم کی ادائیگی کیلئے اپنی "ناک" قائم رکھیں گے۔ لیکن قوم کی ضروریات و حاجات کی طرف کوئی خیال

افواج ہند میں سادات و قریش کی حق تلفیاں

اسمبلی اور کونسل کے مسلم ممبران توجہ فرمائیں

کچھ عرصہ سے انڈین آرمی (ہندوستان کی باقاعدہ افواج) میں سادات اور قریش کی بھرتی بند کر دی گئی ہے۔ جس سے انکو اقتصادی پہلو سے ناقابل تلافی صدمہ پہنچ رہا ہے۔ نیز اب چونکہ انڈین آرمی ایک نئے دور سے گذر رہا ہے۔ جس کو انڈیا نائزیشن کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جس کا مقصد یہ ہے کہ ایک مقررہ میعاد کے اندر ہندوستانی افواج کو خالص ہندوستانی بنا دیا جائے۔ یعنی اگر یورپین عنصر اس سے بالکل خارج بھی نہ ہو تو کم از کم اکثریت ہندوستانی کنگز کمیشنڈ آفیسروں کی ہو جائے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے حال ہی میں ایک فوجی کالج ڈیرہ دون میں قائم کیا گیا ہے۔ تاکہ ہندوستانی طلباء کو اعلیٰ فوجی تعلیم کے حصول کے لئے ولائت نہ جانا پڑے۔ اس کالج میں جو طلباء داخل ہوں گے۔ ان کا معتد بہ حصہ انڈین آرمی کے موجودہ رینکس سے لیا جائیگا۔ یہی وجہ ہے کہ آج کل تعلیم یافتہ نوجوان بکثرت فوج میں بھرتی ہو رہے ہیں۔ کیونکہ ایک ہونہار سپاہی کے لئے فوج میں ترقی کا بڑا وسیع میدان ہے۔ بالفاظ دیگر ایک تعلیم یافتہ نوجوان جو کالج میں پچاس ساٹھ روپیہ ماہوار صرف اپنے ذاتی اخراجات کے لئے لیتا رہا ہو۔ آج بخوشی تمام سولہ روپیہ ماہوار پر بزمرہ سپاہی بھرتی ہو رہا ہے۔ کیونکہ وہ جانتا ہے کہ وہ ایک روز فوجی کالج ڈیرہ دون سے لفٹنٹ ہو کر نکلے گا۔ اور پھر اس کو انڈین آرمی میں اعلیٰ سے اعلیٰ عہدہ کے حصول میں کوئی شے مانع نہ ہو گی۔ لیکن اگر سادات اور قریش کے لئے فوج کے دروازے ہی بند ہوں۔ تو اس جماعت کے نوجوانوں کا مستقبل جو باوجود اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے موجودہ کساد بازاری اور سول کے محکمہ جات میں تخفیف شروع ہونے کے باعث بیکار پھر رہے ہیں کسقدر تاریک ہو جاتا ہے۔ مزید براں یہ معلوم کر کے آپ کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہے گی۔ کہ آرمی ہیڈ کوارٹرز سے سادات اور قریش کی بھرتی کے متعلق کوئی امتناعی احکام آج تک جاری نہیں ہوئے۔ اور باوجود اس کے کہ آرمی ہیڈ کوارٹرز ان کو "جنگجو اقوام" میں ہی شمار کرتے ہیں۔ برگیڈ اور یونٹ کمانڈروں نے اپنے مسلمان انڈین افسروں کی غلط بیانی پر کہ وہ سید رنگروٹ سے بوجہ اس کے ذاتی احترام کے کوئی کام نہیں لے سکتے۔ ان کو بھرتی کرنا بند کر دیا ہے۔ حالانکہ آج سے چند سال پیشتر سادات اور قریش کھلے بندوں فوج میں بھرتی ہوتے تھے۔ اور انڈین افسروں اور دوسرے انسٹرکٹروں کو ان سے کام لینے میں کوئی دقت محسوس نہیں ہوتی تھی۔ چنانچہ انڈین آرمی لسٹ میں آج بھی بہت سے سید انڈین افسروں کے نام جو صوبیدار میجر اور آنریری لفٹنٹ اور کپتان کے عہدوں پر فائز ہیں۔ ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

اس ضمن میں یہ معلوم کرنا کہ انڈین آرمی میں کن کن لوگوں کو بھرتی کیا جاتا ہے۔ خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔ اسلام میں تو چونکہ شرعاً "جنگجو" اور "غیر جنگجو" کی کوئی تخصیص نہیں وقت پر ہر مسلمان سپاہی بن سکتا ہے۔ اس لئے کچھ تعجب نہیں کہ ارائیں اور

گوجر جو اکثر معمولی کاشتکار ہوتے ہیں۔ بآسانی فوج میں بھرتی ہو سکتے ہیں۔ اور آرمی ہیڈ کوارٹرز سے ان کی بھرتی کے متعلق صریحاً احکام بھی جاری ہو چکے ہیں۔ (جو غالباً سر فضل حسین اور سر محمد شفیع مرحوم ایسے حضرات کی مساعی جمیلہ کا نتیجہ ہیں) لیکن ہندو اقوام سے جن میں ہندو شاستروں کی رو سے صرف راجپوت ہی فوجی خدمات کے لئے مخصوص ہیں۔ آپ کو یہ معلوم کر کے یقیناً تعجب ہوگا۔ کہ برہمن جن کا فرض شاستروں کی رو سے عبادت اور ویدوں کی تعلیم دینا تھا۔ اور دیش جاٹ، ڈوگرے، اہیر وغیرہ جن کا کام محض زراعت اور تجارت تھا۔ آج انڈین آرمی میں بکثرت موجود ہیں۔ اندریں حالات کسقدر افسوس کا مقام ہے۔ کہ سادات اور قریش جن کی شاندار روایات سے کتب تاریخ بھری پڑی ہیں۔ اور جن کے اسلاف صدیوں تک آدھی دنیا پر حکومت کرتے رہے۔ آج انڈین آرمی میں فوجی خدمات کے قابل نہیں سمجھے جاتے۔ اگر فی الواقع مسلمان انڈین افسروں اور عہدیداروں کے جذبات سید سپاہیوں سے کام لیتے ہوئے مجروح ہوتے ہیں۔ تو سادات پر فوج کے دروازے بند کرنے کیلئے یقیناً یہ کافی وجہ نہیں بلکہ اس سے تو یہ بدرجہا بہتر ہوگا۔ کہ جس طرح آج کل برہمنوں کی جداگانہ کمپنیاں اور سیکشن موجود ہیں۔ جن کے قائم کرنے میں گورنمنٹ کو خاص اہتمام سے کام لینا پڑا (جس کی ایک ادنیٰ مثال یہ ہے۔ کہ حال ہی میں فاؤنٹین آرٹلری (توپخانہ) میں ایک سیکشن برہمنوں کی قائم کرتے وقت بعض اشخاص کو ڈائرکٹ کمیشن دینا پڑا۔ اسی طرح سادات اور قریش کی بھی جداگانہ کمپنیاں اور سیکشن بنا دیئے جائیں۔ جن میں سب عہدیدار اور انڈین آفیسران اُن کے اپنے ہی ہوں۔ ایسا کرنے میں گورنمنٹ کو کوئی خاص اہتمام بھی نہیں کرنا پڑے گا۔ کیونکہ ابھی انڈین آرمی میں بکثرت سید انڈین آفیسر موجود ہیں جن کو بآسانی مذکورہ بالا کمپنیوں اور سیکشنوں میں تبدیل کیا جا سکتا ہے۔

یہاں ذکر کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ انڈین آرمی کا نصف سے زائد حصہ مسلمانوں پر مشتمل ہے۔ اور جہاں تک بھرتی کا تعلق ہے۔ ہر ایک رجمنٹ اپنے رنگروٹ ہندوستان کے کسی صوبہ کے ایک خاص حصہ اور خاص خاص اقوام سے حاصل کرتی ہے مثال کے طور پر انڈین ماؤنٹین آرٹلری کے لئے مسلمان رنگروٹ صرف پنجاب کے ان اضلاع سے لئے جاتے ہیں۔ جو دریائے جہلم کے مغرب میں واقع ہیں یعنی جہلم، راولپنڈی اور کیمبل پور وغیرہ مگر سکھوں کی آبادی کم ہونے کی وجہ سے سکھ رنگروٹ پنجاب کے ہر ایک حصہ سے بلا لحاظ اضلاع لئے جاتے ہیں۔ چونکہ سادات اور قریش تسبیح کے دانوں کی طرح تمام اطراف ملک میں منتشر ہیں۔ لہذا ان کی جو کمپنیاں اور سیکشن وغیرہ قائم کئے جائیں۔ ان میں بھرتی کے لئے کسی خاص حصہ ملک کی تخصیص نہ ہو بلکہ پنجاب، بنگال، یو پی غرضیکہ ہر صوبہ کے سادات و قریش بلا کسی قید کے بھرتی ہو سکیں۔

آخر میں میں آپ کے جریدۂ فریدہ کے ذریعہ اسمبلی اور کونسل آف اسٹیٹ کے مسلم ممبران سے عموماً اور جناب سید حسن امام صاحب و سید عبد الحفیظ (ممبران کونسل آف سٹیٹ) اور سید مرتضیٰ بہادر صاحب ایم۔ ایل اے سے خصوصاً استدعا کروں گا کہ وہ مذکورہ بالا حق تلفی کے تدارک کے لئے اپنے اثر و رسوخ کو کام میں لائیں۔ اسمبلی میں سوالات کریں۔ اور کمانڈر انچیف بہادر افواج ہند کی توجہ وقت کے اس نہایت اہم معاملہ کی جانب مبذول کرائیں۔ کیونکہ مسلمانوں کے لئے سادات اور قریش کے نوجوانوں پر حصول

معیشت کے دروازے محدود کرکے انہیں افراد ملت کے لئے بارِ دوش بنا دینا موجب طمانیت نہیں ہو سکتا۔

چونکہ یہ ایک قومی مطالبہ ہے۔ اس لئے میں مسلم جرائد سے بھی یہ توقع رکھتا ہوں۔ کہ وہ اس موضوع پر اپنا زورِ قلم صرف کرنے میں کوتاہی نہ کریں گے۔

چونکہ میں کوئی ادیب یا مضمون نگار نہیں ہوں۔ اس لئے ناظرین کرام سے باادب التماس ہے۔ کہ وہ اس مضمون کو ادبی نقطۂ نگاہ سے دیکھنے کے بجائے خالص اقتصادی پہلو سے دیکھیں۔ اور جو مخیر بزرگ میدانِ عمل میں آنے کا مبارک قصد رکھتے ہوں۔ اور اس موضوع پر مزید معلومات حاصل کرنا چاہیں۔ تو راقم الحروف سے ذیل کے پتہ پر خط و کتابت کریں۔

الراقم سید اکرام الدین ترمذی۔ مکینیکل انجینئر مکان نمبر ۳۸ محلہ گندھیاں لشپا ورچھاؤنی

نقد و نظر

مسلم راجپوت۔ یہ مسلم راجپوت برادری کا قومی اخبار ہے۔ جو پہلے امرتسر سے شائع ہوتا تھا۔ اور اب انجمن مسلم راجپوتان پنجاب کی سرپرستی میں گڑھ شنکر سے ہفتہ وار شائع ہوتا ہے۔ اس کے مدیر مسٹر افضل ہیں۔ کشتہ ایک ہونہار نوجوان ہیں۔ اور فن صحافت میں تجربہ و درک کامل رکھتے ہیں۔ علم و ادب کا ماہوار گلدستہ "چمن" انہی کے ہاتھوں میں پھلا پھولا۔ چمنستان کی آبیاری انہی ہاتھوں میں ہوئی۔ اور اب "مسلم راجپوت" کو بھی انہی ہاتھوں میں کامیاب ہونے کا فخر حاصل ہوا ہے۔ اخبار کی ترتیب و تکمیل پہلے سے بہتر اور نوجوان مدیر کی محنت و عرقریزی کی شاہد ہے۔ قوم نے دستِ امداد بڑھا دیا ہے۔ امید ہے کہ راجپوت برادری کی حمیّت قومی عملہ ادارت کے حوصلوں کو اور بلند و بالا کر دیگی۔ اور وہ اپنے مقاصد عظمیٰ کی تکمیل میں بوجہ احسن کامیاب ہوں گے۔

گلِ سادات۔ سادات برادری کا ماہوار رسالہ۔ جو حال ہی میں رعدسس ضلع امرتسر سے سید محمد یوسف صاحب آمگر کی نگرانی میں جاری ہوا ہے۔ سرورق پر اکتوبر ۳۲ء اور جنوری ۳۳ء لکھا ہے۔ اسلئے معلوم نہیں کہ یہ اشاعت کس مہینہ کی ہے حجم ۱۶ صفحات تقطیع ۲۰×۲۶/۸ قیمت سالانہ ۸/ فی پرچہ ۲/ مندرجہ پتہ سے طلب کریں۔

کشمیری۔ مکرمی منشی محمد الدین صاحب فوق کا اخبار جو ۲۸ سال کی طویل مدت سے کشمیری برادری کی بہترین خدمات انجام دے رہا ہے۔ اب رشید سہرائی صاحب کی ادارت میں شائع ہوتا ہے۔ جنوری ۳۳ء سے اسکی شکل و صورت بالکل تبدیل کر دیگئی ہے۔ جو ہر لحاظ قابل قدر و لائق داد ہے۔ ترتیب و تزئین مضامین کے لحاظ سے اسکی دلچسپیوں کی شان پہلے سے بہتر و بلند ہے۔ گذشتہ دو اشاعتوں سے مشاہیر کے عکسی فوٹو بھی دیئے جاتے ہیں۔ اب جبکہ مخصوص المقاصد جرائد تواتر اشاعت قائم رکھنے میں عاجز آگئے ہیں کارپردازان کشمیری کی ہمت و جرأت قابل تحسین ہے اگرچہ "سعادتمندی کی سنہری فہرست" جو ہر اشاعت میں بالترتیب شائع کی جاتی ہے۔ اس بات کی مظہر ہے کہ قدردانی کا میدان وسیع ہے۔ لیکن اس پر بھی ضرورت کا اقتضا یہ ہے۔ کہ قوم کی طرف سے کچھ اور فراخدلی کے ساتھ مدد کی جائے۔ تاکہ کارکنان کے حوصلہ بلند و بالا ہوں۔ اور وہ دل کھول کر خدمات انجام دینے کے قابل ہو سکیں۔ پتہ: مینیجر کشمیری

انتشارِ قومِ عرب

قوم عرب دنیا کے عظیم الشان اور باحوصلہ قوموں میں تھی صفحاتِ تاریخ اقوام اس قوم کے کارناموں سے خالی ہیں۔ بعض ماہرین ذہی بابصیرت کا خیال ہے کہ مشرق میں جو کچھ ترقی ہوئی وہ قوم عرب ہی کے طفیل میں ہوئی۔ لیکن آج افسوس کیساتھ کہنا پڑتا ہے کہ یہ عظیم الشان قوم میدان ترقی میں گامزن نظر نہیں آتی۔ بلکہ آج اس باحوصلہ اور شجاع قوم پر خواب غفلت طاری ہے۔ دشمنان قوم ہر طرف سے حملہ کر رہے ہیں۔ اور روز بروز اس کے استیصال کے متعلق تدابیر کیا کرتے ہیں۔

ایک زمانہ میں یہ عظیم الشان قوم تمام عالم پر سایہ فگن تھی۔ اور کم ایسے مقامات تھے جہاں اس قوم کا اثر نہ رہا ہو کسی قوم کا تمام عالم میں منتشر ہو جانا اور اپنے مذہب اور تمدن کا ڈنکا بجانا کوئی معمولی کام نہیں ہے بلکہ یہ امر قوم کے انتہائے کمال و قوت کی دلیل ہے۔

عرب نے جو فتوحات کیں اس کے قومی اغراض حصول سلطنت محض نہ تھی۔ بلکہ یہ فتوحات محض رضائے الہٰی اور ہدایت عالم کے لئے تھے۔ اسی وجہ سے ان کے پاس مثل اور سلاطین کے کثرت سے دولت دنیا جمع نہ ہو سکی۔

اس قوم کی یہ خاص خصلت تھی کہ جب کسی جگہ کو فتح کیا۔ تو محکومین پر نہایت مہربانی کی نظر کی اور ہمیشہ محکومین سے مساوات اور عدل و انصاف سے پیش آئے۔ اور جس مقام پر جو کچھ رزق مل گیا۔ اس پر قناعت کی۔ اس قوم کے انتشار کے ساتھ ہی ساتھ مذہب اسلام بھی پھیلتا گیا۔

قوم عرب میں جو خوبیاں تھیں۔ اسکی مثال سے صفحات تاریخ خالی نظر آتے ہیں۔ سلف صالحین نے خلف میں جو بعض خوبیاں چھوڑی ہیں۔ وہ بھی اپنی آپ نظیر ہیں۔ مثلاً ضیافت مہمانان اور اپنے گھر آئے ہوؤں کی قدر و منزلت کرنا۔ یہ وہ خصلت ہے جس میں یہ قوم آج بھی منفرد ہے۔ باوجودیکہ نہ تو ان میں کوئی تنظیم ہے نہ کوئی اور تمدنی قوت۔ یہ صفت اس امر کی دلیل ہے۔ کہ قوم عرب میں ابھی تک وہ سیاست اور شخصیت پرستی نہیں آئی ہے۔ جو باعثِ ظلم و حبس حقوق مردم ہوتی ہے۔

لیکن اس کا کیا علاج ہے کہ اس قوم پر غفلت کے پردے پڑے ہوئے ہیں۔ اور جہالت میں کسی طرح کمی نہیں آتی۔ اور مغربی اقوام کی یہ حالت ہے کہ وہ بیدار ہیں۔ اور عرب قوم کی استیصال کی ہر طرح تدبیر کر رہے ہیں۔ وہ ہر وقت اس بات سے خائف رہتے ہیں۔ کہ مبادا یہ قوم اپنے قدیم اقتدار کو یاد کرے۔ اور ایک اجتماعی قوت پیدا کر کے پھر سارے عالم کو اپنا تابع بنا لے۔ اجانب ہمیشہ اس بات کے ساعی رہتے ہیں۔ کہ کسی طرح ان میں اجتماع و اتفاق نہ پیدا ہو۔ کیونکہ یہی وہ حربہ ہے۔ جو اس کے اقتدار کا سبب ہوا۔ اس کی قوت کی بڑی دلیل یہ ہے۔ کہ امریکہ جیسے متمدن اور ترقی یافتہ ملک میں جو عرب ہیں۔ انہوں نے اپنے طبعی عادات سے اجانب کا مقابلہ کیا۔ اور اب تک اپنے عادات و اطوار پر بدستور قائم ہیں اپنے مصاحب اور پڑوس کے اخلاق و عادات سے متاثر نہ ہوئے۔ درانحالیکہ یہ عام طور سے دیکھا گیا ہے۔ کہ ضعیف ہمیشہ کمزور میں جذب ہو جاتا ہے۔

ندوۃ القریش

مؤرخہ ۵ فروری ۱۹۳۳ء کو مجلس انتظامیہ نے بالاتفاق حسب ذیل ریزولیوشن منظور کئے۔ (۱) "ندوۃ القریش کا یہ اجلاس حکومت ہند سے بزور استدعا کرتا ہے کہ وہ" یار وفادار سلطنت برطانیہ" اعلیحضرت حضور نظام خلد اللہ ملکہٗ و سلطنتہٗ کے روابط دوستی و ضوابط یگانگی کو ملحوظ رکھتے ہوئے انہیں "ہز مجسٹی" کا خطاب جو اعلیحضرت کے شایانِ شان ہے دیکر اپنی مسلم رعایائے ہند کو عموماً اور ممبران "ندوۃ القریش" کو خصوصاً تشکر و امتنان کا موقعہ دے۔ (۲) "ندوۃ القریش" کا یہ اجلاس حکومت کے اس اقدام کو جو اس نے حق بحقدار رسید پر عمل کرتے ہوئے اعلیحضرت حضور نظام شہریار دکن ادام اللہ برکاتہٗ کو ان کی قلمرو کا جزو خاص یعنے صوبہ برار واپس کرنے میں کیا ہے۔ اس کی دانشوری و حق شناسی پر محمول کرتا ہے۔ اور استدعا کرتا ہے۔ کہ وہ صوبہ مذکور کی واپسی شرائط و قیود سے آزاد رکھتے ہوئے حق پژوہی و نصفت شعاری کا ثبوت دے۔ (۳) "ندوۃ القریش" کا یہ اجلاس باشندگان ریاست کپورتھلہ کی اس استدعا کی پرزور تائید کرتا ہے۔ جو انہوں نے حقوق زراعت کے حصول میں والئے ریاست سے کر رکھی ہے۔ اور فرمانفرمائے ریاست اور ان کے وزیر باتدبیر و نیز ان امرائے ریاست سے جو اس مسئلہ کو طے کرنے کے لئے مقرر ہوئے ہیں۔ خواہش کرتا ہے کہ وہ رعایائے ریاست کے جذبات کی قدر کرتے ہوئے انہیں حقوق زراعت عطا کرکے ان نقصانات عظیمہ سے بچائے جو انہیں بہ حقوق حاصل نہ ہونے کی صورت میں ہو رہے ہیں۔ و نیز دربار کپورتھلہ سے استدعا کرتا ہے۔ کہ اس کے ساتھ ہی قانون انضباط حسابات اور قانون اعانت مزارعین کے اجراء سے غریب زمینداروں کو سودخوار ساہوکاروں کی دراز دستیوں سے بچالے۔

(۴) "ندوۃ القریش" کا یہ اجلاس ہز ایکسیلنسی سر جیفرے ڈی مونٹ مورنسی گورنر پنجاب، آنریبل کیپٹن سکندر حیات خاں ریونیو ممبر اور آنریبل ملک فیروز خاں نون کو سالِ نو کے نئے اعزازی خطابات پر دلی مبارکباد پیش کرتا ہے۔ (۵) "ندوۃ القریش" کا یہ اجلاس چیف سکرٹری گورنمنٹ پنجاب کی توجہ اس کارروائی کی جانب معطوف کراتا ہے۔ جو اضلاع امرتسر، گورداسپور، فیروزپور، حصار، لدھیانہ اور رہتک کے ڈسٹرکٹ شیڈیولڈ کے زراعتی حقوق سے متعلق ہے۔ اور جو "ندوۃ القریش" کے اجلاس عام منعقدہ ۲۹ جون ۱۹۳۰ء کے ایک ریزولیوشن کے سلسلہ میں بذریعہ چٹھی نمبری ۲۶۱۴۳ - آر مورخہ ۲۴ ستمبر ۱۹۳۰ء منجانب جونیر سکرٹری فنانشل کمشنر پنجاب شروع کی گئی تھی۔ اور جس کے لئے اضلاع متعلقہ کے ڈپٹی کمشنر صاحبان سے استصواب رائے کیا گیا تھا۔ چونکہ کارروائی شروع ہوئے زائد از دو سال ہو گئے ہیں۔ اور ندوۃ القریش کو معلوم نہیں ہو سکا۔ کہ معاملہ کس سٹیج پر پہنچا ہے۔ لہذا یہ اجلاس بزور التماس کرتا ہے۔ کہ اس معاملہ میں محکمہ متعلقہ کو فوری توجہ دینے کی ہدایت کی جائے۔

(۶) "ندوۃ القریش کا یہ اجلاس اپنے ریزولیوشن مورخہ ۱۰ جولائی ۱۹۳۲ء کی تجدید و تائید مزید کرتا ہوا الور کے المناک واقعات پر بے حد افسوس کا اظہار کرتا ہے۔ اور حکومت برطانیہ سے مداخلت کی درخواست کرتے ہوئے بزور خواہش کرتا ہے۔ کہ مسلمانان الور کو ریاست کے وحشیانہ سلوک سے بچانے کے لئے فوری تدابیر عمل میں لائی جائیں۔

ترقی و کامیابی کا راز

دنیا محنت اور جفاکشی سے قائم ہے۔ قوموں کا عروج و زوال بھی اسی سے وابستہ ہے۔ حکومتوں کا قیام و اجتماعی انفرادی ترقیوں کا دارومدار بھی اسی پر ہے۔ اسلام نے کوشش و مشقت کے متعلق جسقدر صفائی کے ساتھ احکام دیئے ہیں۔ وہ کسی دوسرے مذہب میں آپ کو نہیں مل سکیں گے۔ قرآن حکیم نے اس خاص مسئلہ پر بہت زور دیا ہے۔ اور ایک ہی جملہ میں اس نے دنیا کی تاریخ کوٹ کر بھر دی ہے۔ فرمایا۔ ان العصر ان الانسان لفی خسر الا الذین امنو وعملو الصلحت۔ زمانہ گواہ ہے کہ انسان ہمیشہ ٹوٹے میں رہا ہے مگر اس ٹوٹے سے وہی لوگ نکل گئے ہیں۔ جنہوں نے ایمان (علم صحیح) کے ساتھ اچھے کاموں کو اختیار کر لیا۔ اور محنت و مشقت میں لگ گئے۔

آج مسلمانوں کے انحطاط اور رجعت کا بڑا سبب یہی ہے۔ کہ وہ تن آسانیوں اور عیش پرستیوں میں مشغول ہو گئے ہیں۔ اور محنت و سعی سے جی چرانے لگے ہیں۔ اسلام میں لفظ جہاد کی حقیقت (جس کے معنی کوشش اور سعی کرنے کے ہیں) صرف یہی نہیں ہے۔ کہ دین کے لئے تلوار لے کر میدان کارزار گرم کر دیا جائے۔ بلکہ اس کے معنی ان تمام کوششوں اور سرگرمیوں پر حاوی ہیں۔ جو زندگی کی بقا کے لئے کی جائیں۔ اگر ایک مسلمان محنت کر کے اپنے بچوں کا پیٹ پالتا ہے۔ تو وہ یقیناً جہاد کرتا ہے۔ اور کوئی جائز مال و دولت جمع کرنے کیلئے سفر کی صعوبتیں برداشت کرتا ہے۔ تو وہ یقیناً مجاہد ہے۔ اس سے آپ اندازہ لگا لیجئے۔ کہ اسلام نے کاہلی اور سستی کے ساتھ کسقدر کھلی جنگ کی ہے اور مسلمانوں کو زندگی کے ہر شعبہ میں سعی و کوشش کرنے کی کس شدت سے تاکید فرمائی ہے۔

معاصر الجمعیۃ دہلی نے اپنی کسی اشاعت میں بتایا تھا۔ کہ مسلمان اپنی بدبختی کی وجہ سے اسلام کی طرف نہیں دیکھتے۔ بلکہ ترقی کیلئے جب کبھی ان کی نظریں اٹھتی ہیں۔ تو ان کو یا تو یورپ کا مادی ارتقا نظر آتا ہے۔ یا بالشویک روس کا نظر فریب نظام ان کے دلوں کو لبھا لیتا ہے بعض تفریح مآب مسلمان کہتے ہیں۔ کہ روس میں مساوات ہے۔ خوشحالی اور انصاف ہے۔ اور سرمایہ کی عادلانہ تقسیم ہے۔ اگر یہ باتیں سچی ہیں۔ تو اس سے صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ بھی اسلامی برسات کا ایک چھینٹا ہے جس سے بالشویک روس نے سیرابی حاصل کی ہے لیکن ان احمقوں سے کوئی پوچھے۔ کہ اسلام نے جب روحانی نعمتوں کے ساتھ مادی برکات کے دروازے تم پر کھول دیئے ہیں۔ اور یہ تمام چیزیں اپنی کامل ترین صورت میں اسلام کے اندر موجود ہیں۔ اور خلافت راشدہ میں ان پر پوری قوت کے ساتھ عمل بھی ہو چکا ہے۔ تو تم ان دروازوں میں کیوں داخل نہیں ہوتے۔ ممکن ہے کہ تم کو روس میں کچھ مادی منافع حاصل ہو جائیں۔ مگر وہاں مذہب و اخلاق کے ساتھ جو کھلی جنگ جاری ہے۔ اور علی الاعلان خدا کے وجود کا اسطرح مضحکہ اڑایا جا رہا ہے۔ اس کو دنیاوی ترقی یا تنزل سے کیا تعلق ؟ وہ نظام تو دہریت پر مبنی ہے۔ جس کا ساتھ اسلام کبھی نہیں دے سکتا۔ اس کے مقابلہ میں اسلام ایک طرف خدا سے رشتہ جوڑتا ہے۔ تو دوسری طرف بنی نوع انسان کے سر پر دنیاوی شرف و اجلال کا تاج بھی رکھ دیتا ہے۔

صحابہ کرام رضؓ جفاکش اور مزدور تھے

دنیا کی تمام ترقیوں کا راز صرف سعی و کوشش میں پنہاں تھا۔ مگر افسوس مسلمانوں کو بہت بڑا حصہ محنت سے گریز کرتا۔ اور مفت خوری کیلئے آمادہ رہتا ہے ایک طرف نام نہاد صوفیا اور گمراہ پیر و فقیر ہیں۔ تو دوسری طرف وہ علماء ہیں۔ جو محنت و مزدوری کو اپنی شان کے خلاف سمجھتے ہیں۔ حالانکہ عہد اول کے بڑے سے بڑے مسلمان محنت و مزدوری کرکے اہل و عیال کی پرورش کرتے تھے۔ صحابہ کرامؓ جو اعلم الناس و افضل الناس تھے۔ وہ اکثر تجارت پیشہ تھے۔ ائمہ کرام نے بھی اکل حلال کیلئے مشقتیں برداشت کیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ آج محنت کو کسر شان سمجھا جاتا ہے۔ اس کے بعد مسلمانوں کی جو کیفیت ہے وہ بیان سے باہر ہے۔ اگر ان میں جفاکشی کی عادت ہوتی۔ اور تن آسانیوں میں مبتلا نہ ہوتے تو آج ان کی حالت ہی کچھ اور ہوتی۔

خیرات وغیرہ پر گذارہ کرنے والے اور کاہل مسلمان ذرا واقعات ذیل غور سے پڑھیں۔ اور ان کے مطابق عمل کرنے کی کوشش کریں۔ پیغمبر خدا صلعم نے فرمایا۔ کہ محنت مزدوری کرنے والا اللہ کا دوست ہے۔ ایک دفعہ ایک شخص بارگاہ نبوی میں سوال کرتا ہوا آیا۔ آپ نے اس کے ملئے کلہاڑا مہیا کر دیا۔ اور حکم دیا۔ کہ جنگل میں جاکر لکڑیاں کاٹ اور بازار میں لاکر فروخت کر۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔ چار ہی مہینہ میں اس کے پاس اتنا روپیہ ہو گیا۔ کہ وہ مستقل تجارت کرنے لگا۔

پیشہ نہ کرنے والا میری نظر سے گر گیا

ایک دفعہ ایک سائل حضرت عمر فاروقؓ کے پاس آیا۔ آپ نے اس کی جھولی کو دیکھا تو وہ آٹے سے بھری ہوئی تھی۔ آپ نے اسکو چھین کر اونٹوں کے آگے ڈال دیا۔ اور کہا جو مانگنا ہو مانگ۔ حضرت امیرالمومنینؓ جس شخص کو ظاہر میں خوشحال اور کھاتا پیتا دیکھتے۔ تو دریافت فرماتے کہ وہ کیا کرتا ہے۔ اور کس پیشہ میں مشغول رہتا ہے۔ جو لوگ کہتے۔ کہ وہ کوئی پیشہ نہیں کرتا۔ تو فرماتے تھے۔ کہ وہ میری نظر سے گر گیا۔

آپ فرماتے تھے کہ ذلیل پیشہ بھی خالی رہنے سے اچھا ہے۔ اس ضمن میں علامہ دردی نے لکھا ہے۔ کہ محتسب کا فرض ہے۔ کہ ایسے لوگوں کو جو کھانے کمانے کے لائق ہوں۔ اور پھر صدقہ خیرات لیتے ہوں۔ تنبیہ اور تادیب کرے۔ علماء اور صوفیا، مشائخ و فقرا، غور کریں۔ اور مفت خوری کی لعنت سے خود بھی بچیں۔ اور دوسروں کو بھی بچائیں۔ ظاہر ہے کہ علماء کے افعال کا اثر عوام پر پڑتا ہے۔ اگر یہ لوگ بھی محنت و مزدوری سے اپنا پیٹ پالا کریں۔ تو عوام پر اس کا اچھا اثر پڑے۔ ورنہ عموماً کاہل اور بیکار رہنے والے لوگ صوفیا و مشائخ کا حوالہ دے کر بری الذمہ ہو جاتے ہیں۔ اور سمجھتے ہیں۔ کہ شاید مفت خوری بھی اسلام کی کوئی خاص شان ہے۔

حضرت عمر فاروق اعظمؓ رضی اللہ عنہٗ نے علماء کو مخاطب کرکے فرمایا تھا۔ لاتکونو اعیناً لا علی المسلمین۔ مسلمانوں پر اپنا بار نہ ڈالو اگر صحابہ کرام کے حالات کا تجسس کیا جائے تو بیشمار مثالیں ایسی مل سکتی ہیں۔ کہ انہوں نے باوجود صاحب علم و فقہ ہونے کے لکڑیاں کاٹیں روئی دھنکی۔ زراعت کی اور کنوؤں سے پانی کھینچا۔ اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پالا۔ یہی لوگ جنگ کے موقع پر سپاہی بن جاتے تھے۔ نماز کے وقت اپنے رب سے راز و نیاز کی باتیں کرتے تھے۔ اور مزدوری کے وقت خون پسینہ ایک کر دیتے تھے۔

وہ لوگ جو دوسروں کی مدد پر زندگی بسر کرتے ہیں۔ وہ اپنے وجود سے مسلمانوں کو بجائے فائدہ کے سخت نقصان پہنچاتے ہیں۔ ان کا وجود اسلام اور مسلمانوں کے لئے عضو معطل سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتا۔ الجمعیۃ

رضا خاں پہلوی

اینگلو پرشین آئل کمپنی اور ایرانی حکومت کے قضیئے کے باعث آجکل ایران اور ایران کے بادشاہ پر تمام نظریں جمی ہوئی ہیں۔ جو شخص کسی زمانہ میں طہران کے شاہی محلات کے دروازوں پر دربانی کے فرائض انجام دے رہا تھا۔ آج شاہ ایران ہے۔ اور ایران پر حکومت کر رہا ہے۔

رضا شاہ نے گذشتہ چھ سات برس کے اندر اندر اس قدیم ملک میں بہت بڑی حد تک زندگی کی روح پھونکدی ہے۔ یہ وہی سرزمین ہے۔ جو سابق شاہوں کے دورِ حکومت میں قومی اعتبار سے بوسیدہ پسماندہ اور قسمت زدہ تھی۔

رضا شاہ بلند قامت بھورے بالوں اور سپاہیانہ انداز کی لانبی مگر خوبصورت اور سخت مونچھوں والا آدمی ہے جسکی آنکھیں اب تک خواب دیکھ رہی ہیں۔ اس کے اخلاق شریفانہ، عادلانہ اور کریمانہ ہیں۔ فنونِ اس کی زندگی کی لازمی دلچسپیاں ہیں۔

رضا شاہ ایران کی کاسک ڈویزن میں ستو سال کی عمر میں بھرتی ہوا۔ اور یہی اسکی تاریخی زندگی کی ابتدا ہے۔ مگر رضا شاہ اسوقت بھی معمولی سپاہی نہ تھا بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ وہ ایک کسان کا بیٹا ہے۔ یہ خبر غلط ہے حقیقت میں اسکا باپ دو شاہوں کی عدالتوں میں وزیر رسوم رہ چکا ہے۔ اور یہ وہ عہدہ ہے۔ جو آج تک کسی معمولی آدمی کو نہیں ملا۔ بہر حال نوجوان سپاہی نے دنیا میں اپنا راستہ خود تعمیر کیا۔ اور اسکی موجودہ زندگی کو اسکے والدین کے اثر سے کوئی امداد نہیں ملی۔ البتہ اس کی قسمت کا ستارہ ہمیشہ چمکتا رہا۔ رضا شاہ کی فطری فوجی خصوصیات نے اُسکو ابتدا میں بے اختیار اور بعد میں با اختیار افسر بنا دیا

فوجی ذہانت کا اس نے وہ ثبوت دیا کہ اس زمانے کے شاہ نے اسکو فیلڈ مارشل اور پھر وزیر جنگ کے عہدے سے سرفراز کیا۔ اور اسی زمانے میں جب وہ اس عہدے پر ممتاز تھا۔ اس نے ایک عربی قوت کے خلاف مہم سر کی۔ جو عرصہ دراز سے حکومت طہران کی نظروں میں کانٹا سی کھٹک رہی تھی۔ اس عظیم الشان مہم میں اس نے مقابل عربی قوت کے شیخ کو بھی گرفتار کیا۔ جو میدان جنگ میں فوج کی کمان کر رہا تھا۔ اور اس فوجی قیدی کو لے کر فاتحانہ انداز میں دار السلطنت واپس آیا۔ اور فاتحانہ جشن ترتیب دیا گیا۔ تو جن سڑکوں سے وہ گذرا ان پر میلوں تک خوبصورت اور قیمتی دریاں بچھی ہوئی تھیں

بہر حال رضا شاہ کی زندگی میں صحیح انقلاب اس وقت ہوا جب ۱۹۱۷ء میں اس نے طہران کی کاسک برگیڈ پر قبضہ کیا۔ اور اس برگیڈ کے افسر اعلیٰ کو برخاست کیا۔ جو اس زمانہ کے شاہ کا چچا یا ماموں تھا تین سال بعد اس نے ایرانی فوج کی باقیات کو جمع کیا۔ جو بیرونی اثرات کی وجہ سے نہایت پریشان حالی کیساتھ تتر بتر ہو گئے تھے۔ اور اسطرح رضا شاہ کو پانچسو کا مزید دستیاب ہو گئے۔ یہ رفیق کار ہر اعتبار سے ہم خیال و یک زبان تھے۔

بالآخر رضا شاہی تاج پہنکر فاتح اعظم نادر کے تخت پر جلوہ افروز ہوا۔ اور اس نے الماس کا تاریخی طرہ زیب سر کیا سچے موتیوں کا تاج پہنا اور نادر کی مشہور تلوار اپنے ہاتھ میں لی۔ خداداد اور انتظامی قابلیت سے ایران کو گہوارۂ امن و ترقی بنا دیا۔ آج ایران کی علمی، اخلاقی اور اقتصادی ترقیاں ضرب المثل ہیں اور رضا شاہ پہلوی کے نام پر تحسین و آفرین کی صدائیں بلند ہوتی ہیں۔ اس جوان بخت حکمران نے دنیا کی مشہور ترین اسلامی سلطنتوں سے روابط دوستی و ضوابط یگانگی قائم کر لئے ہیں۔ اور میدان ترقی میں بڑھا جا رہا ہے۔ اللھم زد فزد۔

مئے باقی

(از ظفر علی خاں)

نو بہار است ساقیا برخیز | مئے باقی بجامِ مسلم ریز
ما سوائے سے سوا ہو کم جس کا | کیف جس کا ہو روحِ برق سے تیز
جس میں ہو نشۂ شرابِ اعجاز | جس کے پینے میں ہو نہ کچھ پرہیز
جس کی مستی میں سامنے آجائیں | مرد و شیراز و مشہد و تبریز
ہو گلِ نو دمیدہ موج اس کی | یا مگر ایک شاہدِ نو خیز

مطرب اک نغمۂ نشاط افروز | ساقی اک جرعۂ سرور انگیز
نائے دلکش بہ نوحۂ فرعون | جامِ بینش بہ کوریٔ چنگیز!

آگئی باغِ مصطفےٰ میں بہار | کیوں نہ میرا قلم بھی ہو گلریز!
عطر میں بس رہی ہے آج نسیم | اور شمال و صبا ہیں عنبر بیز!
کوکبِ صبح جلوہ ریز ہوا | شب نے کی اختیار راہِ گریز!
عرش پر ایک پل میں پہنچوں گا | آج جولاں ہے فکر کا شبدیز!

نامۂ مصطفےٰ ہے اب تک نقش | مٹ گیا نامِ خسرو پرویز!
دین دولھا ہے اور دلہن دنیا | عرش کابین ہے اور فرش جہیز!
قطع جنت کی راہ ہوتی ہے | علم توسن ہے اور عمل مہمیز!
عارضِ والضحیٰ وثیقہ مرا | زلفِ واللیل میری دست آویز!

صلح اسلام سے ہوئی جس کی
اس سے کیا کر سکیگا چرخِ ستیز

تاریخ اسلام کا ایک ورق

فتح مکّہ

(ملک محمد طفیل بی۔اے۔بی۔ٹی (علیگ) ایل۔ایل۔بی)

ارشادِ نبوی پاکر علیؓ اور زبیرؓ نے ہتھیار سنبھال لئے۔ اور اپنے گھوڑوں پر سوار ہو کر مکہ کی طرف چلدیئے۔ ابھی تھوڑا ہی راستہ طے کیا تھا۔ کہ حضرت زبیرؓ نے حضرت علیؓ سے کہا۔ "اگر اجازت ہو تو میں گھوڑے کو سرپٹ کر کے جرادہ کا رستہ روک لوں۔ اور اس سے مکتوب چھین لاؤں"۔ حضرت علیؓ نے اجازت دے دی۔ اور وہ ہوا ہو گئے۔ اور اسے جالیا۔ اور قریب پہنچتے ہی للکار کر کہا۔

"جرادہ، ٹھہر بات سنتی جا"

جب اس نے آواز سنی۔ تو سواری کو بٹھا کر نیچے آئی۔ اور آپ کی طرف بڑھی۔ حضرت زبیرؓ بھی گھوڑے سے اُتر آئے۔ جرادہ نے آپ کو سلام کیا۔ اور آپ کے ہاتھ چومے۔ اور بولی۔

"بھائی کیا مجھ سے کوئی کام ہے"

حضرت زبیرؓ۔ "ہاں"

جرادہ۔ "وہ کیا"

حضرت زبیرؓ جرادہ وہ خط لا جو تجھے حاطب بن بلتعۃ القیسی نے دیا ہے۔

جرادہ: "حضور وہ کون حاطب ہے۔ جس کا آپ ذکر کرتے ہیں۔ میں تو اسے جانتی ہی نہیں۔ اور نہ میں نے کبھی اسے دیکھا ہے۔ آیئے یہ میری سواری ہے اور سب سامان اس پر موجود ہے۔ دیکھ لیجئے"

یہ کہکر وہ پیچھے ہٹ گئی۔ اور حضرت زبیرؓ آگے بڑھے۔ اور سب سامان الٹ پلٹ کرنے لگے۔ لیکن کوئی خط نہیں ملا۔ اب جرادہ نے جانے کا ارادہ کیا۔ لیکن حضرت زبیرؓ نے اسے روک لیا۔

"ٹھہر۔ علیؓ آلیں"

علیؓ کا نام سنتے ہی اس کے ہوش اُڑ گئے۔ اور چہرے کا رنگ بدل گیا۔ ابھی باتیں ہو رہی تھیں۔ کہ علیؓ بھی آگئے۔ جرادہ نے انہیں دیکھتے ہی آگے بڑھ کر سلام کیا۔ اور ان کے ہاتھ اور سینے کو بوسہ دیا۔ آپ نے فرمایا۔

" جرادہ وہ خط جو حاطبؓ نے تجھے دیا تھا۔ لا مجھے دے "!

جرادہ: حضور اس معاملہ کی کچھ اصل نہیں۔ آپ اپنے بھائی زبیرؓ سے پوچھ سکتے ہیں۔

حضرت زبیرؓ (آگے بڑھ کر) ابوالحسن میں نے اس کی سواری کی کافی دیکھ بھال کر لی ہے۔ کوئی خط نہیں ملا"۔

حضرت علیؓ زبیرؓ میرے بھائی محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ کہا ہے۔ جبریلؑ کی زبان سے کہا ہے۔ اور جبریلؑ سوائے خدا کے حکم کے کوئی بات منہ سے نہیں کہتے۔ تم ذرا ہٹ جاؤ۔ تاکہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اور جبریلؑ کی صداقت کو پرکھوں یہ سن کر زبیرؓ ہٹ گئے۔ اور علیؓ جرادہ کی طرف بڑھ کر کہنے لگے۔ " جرادہ کیا تم جانتی ہو میں کون ہوں"

جرادہ: "اللہ کی قسم جانتی ہوں جیسا جاننے کا حق ہے"!

حضرت علیؓ " میں کون ہوں"

جرادہ۔ " آپ صاحب الغو اطف العظام والمنا ئل الکرام امام علی ابن ابی طالب ہیں"

حضرت علیؓ۔ " تو سچ کہتی ہے۔ بہن" چنانچہ آپ نے ذیل کے اشعار کہے ؛۔

جرادہ حلی شعرک لی تمہلی — ولا تنکری شأنی فانی انا علی

(ترجمہ) جرادہ بال کھول کیوں دیر کرتی ہے۔ اور اس بات سے انکار مت کر کیونکہ میں علی ہوں۔

ومنہ اخرجی لی ما یکون مخباء — بامر رسول اللہ حقا اسرلی

(ترجمہ) اور میرے لئے رسول اللہؐ کے سچے حکم سے وہ چیز نکال جو اس میں پوشیدہ ہے۔

کتابا بہ سر لاعدائنا بدا — یخبرھم فیہ بامر لہ جلی

(ترجمہ) وہ ایک خط ہے۔ کہ جس میں ہمارے دشمنوں کے پاس راز کا اظہار ہے حاطب اس میں ان کو ایک بات کی اطلاع دیتا ہے جو اس کے لئے آشکارا ہے۔

ولا تتوانی فالحسام مجرد — فراسک ارمیہ وللنار تصطلی

(ترجمہ) اور تو نہ رک اس لئے کہ تلوار سونتی گئی ہے میں تیرا سر اس سے اڑا دونگا۔ اور تو آگ میں پڑے گی۔

وان تنطقی لی عاجلا شہادۃ — لرب العالمین والمصطفیٰ خیر مرسل

(ترجمہ) اور اگر تو نے جلدی سے میرے سامنے رب العلمین اور مصطفیٰ صلّی اللہ علیہ وسلم کا جو بہتر رسول ہیں کلمہ پڑھ لیا۔

تفوز بجنّات وحور تزیّنت — وولدانہا بالحسن والنور تنجلی

(ترجمہ) تو تو جنّات میں فوز پائے گی۔ جس کو حوروں نے زینت دی ہے۔ اور غلمان اس کے حسن اور نور کا [illegible] دی کا باعث ہیں۔

وتحظی بخیر العالمین محمداً — واصحابہ واہل الوفا والتفضل

(ترجمہ) اور تو حصّہ پائے گی۔ محمد صلّی اللہ علیہ وسلم (جو جہانوں سے بہتر ہے) اور آپ کے اصحاب کی وجہ سے (جو اہل وفا اور فضیلت والے ہیں)

جب جرادہ نے حضرت علیؓ کا یہ کلام سنا۔ تو وہ آپ کی طرف بڑھ کر کہنے لگی: "آپ کو اس بات سے کس نے آگاہ کیا ہے؟"

حضرت علیؓ: "مجھے میرے چچا کے لڑکے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل کی زبان سے بحکم رب العالمین اس سے مطلع فرمایا ہے۔"

جرادہ: "آپ نے سچ کہا یقین کے بعد شک کی گنجائش نہیں۔ اور ایمان کے بعد کفر کو جگہ نہیں۔ ہاتھ بڑھائیے۔ میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ ایک اور بلا شریک ہے۔ اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے رسول ہیں۔ اور آپ خدا کے دوست اور صاحب علم و یقین ہیں۔" اس کے بعد اس نے خط نکال کر اسے بوسہ دیا۔ اور حضرت علی رضؓ کے سپرد کر دیا۔ اور عرض کیا:۔

جس طرح اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کی وساطت اور اپنے فضل و کرم سے راہِ ہدایت کی توفیق دی ہے۔ اسی طرح آپ بھی مجھ پر ایک مہربانی کیجئے گا۔

حضرت علیؓ: "وہ کیا"

جرادہ: "میرا جرم معاف کر دیجئے۔"

حضرت علیؓ: "تجھے خوش خبری ہو۔ تو دنیا اور آخرت میں اللہ اور اس کے رسول کے امان میں ہے۔ لیکن جرادہ میری بھی ایک شرط ہے۔ جو تجھے ماننی پڑے گی۔ وہ یہ کہ تو ان معاملات کے متعلق ایک حرف بھی قریش مکہ اور اپنے کنبہ والوں سے نہ کہے۔ اور اگر تو نے ایسا کیا تو گویا تو نے خدا اور اس کے رسولؐ کی مخالفت کی۔ اور خدا اور اس کے رسول کی مخالفت ایک گناہ عظیم ہے۔"

جرادہ: "حضور یہ شرط مجھے منظور ہے۔"

یہ کہہ کر جرادہ نے حضرت علیؓ کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ آپ نے اس کے حق میں دعا فرمائی۔ اور چلے جانے کا اشارہ کیا۔ چنانچہ اشارہ پاتے ہی وہ چل دی۔ جرادہ کے مکہ کی طرف روانہ ہونے کے بعد حضرت علی رضؓ زبیر رضؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمانے لگے۔

"زبیرؓ تو نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کو کیسا پایا؟"

زبیر رضؓ (حضرت علی رضؓ کے سینہ کو بوسہ دے کر) "بتائیے تو سہی آپ کو اس معاملہ کی کیسے خبر ہوئی؟"

حضرت علیؓ (مسکرا کے) "بھائی تمہیں یہ سب کچھ ابھی معلوم ہو جائے گا۔" اب یہ دونوں شاداں و فرحاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خط پڑھ کر سنایا۔ جسے سنتے ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام غضب آلودہ ہو گئے۔ اور بلالؓ سے "الصلوٰۃ الجامع" کی منادی کے لئے فرمایا۔ منادی سنتے ہی صحابہ کرام جوق در جوق مسجد نبوی میں آ گئے۔ اور مخلوق کا اژدہام اس قدر ہوا۔ کہ تل دھرنے کو جگہ نہ رہی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت نماز پڑھائی۔ اور دعا فرمانے کے بعد منبر پر رونق افروز ہوئے۔ اور حمد و ثنا کے بعد فرمانے لگے۔

ایها المسلمون الحاضرون۔ ایکم کتب هذا الکتاب الی اهل مکة یخبرهم بامر الله تعالیٰ بعد عزمنا علیه من غیر اذن من الله تعالیٰ ولا من رسوله فلیقم طائعاً لله و رسوله حتیٰ اراه و اعرفه والا اقامه جبریل کرها بامر رب العالمین۔

(ترجمہ) مسلمان حاضرین تم میں سے جس نے یہ خط اہل مکہ کو لکھا ہے۔ جس میں انہیں خدا اور اس کے رسولؐ کی اجازت کے بغیر اللہ کے حکم اور ہمارے ارادہ سے مطلع کیا گیا ہے۔ چاہیئے کہ اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کرتے ہوئے کھڑا ہو جائے تاکہ میں اسے دیکھ لوں۔ اور پہچان سکوں۔ ورنہ جبریل علیہ السلام چار و ناچار رب العالمین کے حکم سے اس کا نام بتا دیں گے۔

جب لوگوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد سنا۔ تو ان میں بے چینی پیدا ہو گئی۔ لیکن اسی وقت حاطب بن ملتعۃ القیسی کھڑے ہوئے اور کانپتے ہوئے حضور کے سامنے آئے جس پر آنحضرتؐ اور ان کے درمیان یہ گفتگو ہوئی:۔

حاطبؓ۔ "السلام علیکم یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم"

رسول اللہ "وعلیکم السلام۔ اے شخص تو کون ہے؟"

حاطبؓ "میں حاطب بن بلتعۃ القیسی ہوں"

رسول اللہ "کیا تم نے یہ خط لکھا"

حاطبؓ "جی ہاں"

رسول اللہ "کس بات نے تمہیں اللہ اور اس کے رسولؐ کی مخالفت اور ان کے راز کے افشاء پر مجبور کیا"

حاطبؓ "حضور میری عرض سن لیجئے۔ مجھے ایک دفعہ دوران سفر میں اہل مکہ کے ہاں جانے کا اتفاق ہوا۔ انہوں نے میری آؤ بھگت کی۔ اور مہمانداری میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔ میں اس انتظار میں تھا کہ کوئی موقعہ ملے تو میں ان کی اس تواضع کا بدلہ انہیں دوں۔ میں نے یہ خط اس خیال سے ان کی طرف لکھا۔ کہ کچھ تلافی ہو سکے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے حضور کو اس سے اطلاع دے کر میری فضیحت کی۔ میں حضور کے سامنے حاضر ہوں۔ اور اپنے جرم کا اقرار کرتا ہوں۔ جو سزا اللہ اور اس کا رسولؐ میرے لئے تجویز کرے۔ مجھے اس سے سر مُو انحراف نہیں۔ میں خدا سے اپنے اس گناہ عظیم کے لئے استغفار کرتا ہوں۔ اور توبہ کرتا ہوں۔ حضور میں اس بات کا بھی اظہار کئے دیتا ہوں۔ کہ اسلام لانے کے بعد ہرگز کافر نہیں ہوا۔ اور نہ ہی ایمان لانے کے بعد میں نے منافقت کی ہے"

حاطبؓ یہ الفاظ ختم کرتے ہی اس کثرت سے گریہ وزاری کرنے لگے۔ کہ ان کی گھگی بندھ گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر مبارک اٹھا کر فرمایا:۔

"یہ شخص اپنے گھر جا۔ اپنے جرم کی معافی پر گریہ وزاری کر میں اس وقت حکم ربانی کے بغیر کچھ نہیں کہہ سکتا۔ وہی جو چاہے گا تمہارے متعلق فیصلہ کرے گا۔ کیونکہ وہ بہتر فیصلہ کرنے والا ہے"

پھر آپ کے مہاجرین اور انصار سے ان الفاظ میں خطاب کیا:۔

"جب تک اللہ تعالیٰ اس کے معاملہ میں کوئی فیصلہ صادر نہیں کرتا۔ اس کے ساتھ ملنا۔ جلنا کھانا اور پینا ترک کردو"

ارشاد پاتے ہی حاطبؓ نے گھر کی راہ لی۔ اور روتے چلاتے چلے گئے۔ گھر پہنچے پر بیوی نے رونے کا سبب پوچھا۔ انہوں نے اس سے سب کچھ کہہ سنایا۔ وہ عفیفہ بھی گریہ وزاری میں ان کی حصہ دار ہوئی۔ اور رونے لگی۔ حاطبؓ بہت بے چین ہو گئے۔ اور صبر نہ

کر سکے۔ اور گھوڑے کے باندھنے کا رسہ اٹھا کر اپنے آپ کو درخت کے تنے کے ساتھ جو گھر کے صحن میں اُگا ہوا تھا۔ باندھ دیا۔ اور قسم اٹھائی۔ کہ جب تک اللہ اور اس کے رسولؐ راضی نہیں ہوں گے۔ نہ کچھ کھاؤں گا نہ پیونگا۔ اور نہ ہی سوؤں گا۔ بلکہ اسی طرح اپنے آپ کو بندھا رکھوں گا۔ اس کے بعد گریہ و بکا میں مصروف ہو گئے۔ اور ان کی زوجہ محترمہ اور بچے بھی ان کے ساتھ رونے چلانے لگے۔ اور اللہ تعالیٰ سے ان کی توبہ کی قبولیت کی دعا مانگنے لگے۔

اسی طرح بندھے ہوئے اور گریہ زاری کرتے ہوئے کئی دن گذر گئے۔ یہاں تک کہ نقاہت کے آثار ان کے جسم پر ہویدا ہوئے۔ اور بھوک اور پیاس نے ان کے اوسان خطا کر دیئے۔ آخرکار اللہ تعالیٰ کو ان کی اس حالتِ زبوں پر رحم آیا۔ اور ان کی توبہ قبول کی گئی۔ جبریلؑ کو حکم ہوا۔ کہ جاؤ کہ رحمۃ اللعٰلمین سے میرا سلام کہو۔ اور یہ پیغام پہنچاؤ۔ "اللہ نے حاطب کا جرم معاف کر دیا ہے اور اس کی توبہ اپنے فضل و کرم سے قبول کر لی ہے۔" ارشاد خداوندی پا کر جبریلؑ در دولت نبوی پر حاضر ہوئے۔ اور ان الفاظ میں پیغام ربانی پہنچانے لگے:۔

قل یا عبادی الذین اسرفوا علیٰ انفسھم لا تقنطوا من رحمۃ اللہ۔ ان اللہ یغفر الذنوب جمیعا انہ ھو الغفور الرحیم۔ اعلم۔ ان اللہ تعالیٰ قد جاد بکرمہ و فضلہ و رحمتہ علی عبدہ حاطب بن بلتعۃ القیسی وقبل تضرعہ و بکاءہ وقبل توبتہ وغفر زلتہ اکراماً لک فانہ من اصحابک۔ فارسل الیہ من یبشرہ بالتوبۃ وقبولھا ویحلہ من الشجرۃ ربانی بہ الیک فاستغفر لہ وادع لہ وللمسلمین ط

(ترجمہ) "اے نبی کہدو۔ اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنے نفسوں پر زیادتی کی ہے۔ کہ اللہ کی رحمت سے مایوس مت ہوجیو۔ بے شک اللہ تعالیٰ تمہارے سب گناہ بخش دے گا کیونکہ وہ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے۔ یا رسول اللہ آپ کو معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم اور رحمت سے اپنے بندے حاطب بن بلتعۃ القیسی پر مہربانی کی ہے۔ اور اس کی تضرع۔ گریہ و زاری قبول فرمالی ہے۔ اور اس کی توبہ منظور کر لی ہے۔ اور اس کا جرم اس وجہ سے معاف کر دیا ہے۔ کہ وہ آپ کے اصحاب میں سے ہے۔ پس آپ کسی کو اس کی طرف بھیجئے۔ کہ اس کی توبہ کی قبولیت کے متعلق خوشخبری دے۔ اور درخت سے کھول کر اسے آپ کی خدمت میں لے آئے آپ اس کیلئے استغفار کیجئے۔ اور اس کے اور دیگر مسلمانوں کے حق میں دعا کیجئے۔"

پیغام ربانی سنتے ہی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا چہرہ مبارک خوشی سے دمک اٹھا۔ اور آپ نے اصحاب کو یہ خوشخبری سنا کر حکم دیا۔ کہ فوراً حاطبؓ کو قبولیت توبہ کا مژدہ سناؤ۔ اصحاب حکم پاتے ہی بھاگے ہوئے گئے۔ لیکن دروازہ پر پہنچکر انہوں نے حاطبؓ ان کی زوجہ ان کے بچوں کی گریہ و زاری سنی۔ تو بے ساختہ چلا اٹھے ا۔

ارفق بنفسک وامسک عن البکاء والنوح ولک البشارۃ من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن جبرائیل عن رب العالمین جل وعلا بالتوبۃ و قبولھا و بالمغفرۃ و رضوان وقد جاءک

بجدہٖ وکرمہ نحن اخوانک اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

(ترجمہ) بھائی اپنے نفس پر نرمی کر۔ اور رونے اور نوحہ کرنے سے رک۔ کیونکہ تیرے لئے نبی کی طرف سے بشارت ہے۔ اس بات کی کہ اللہ تعالیٰ نے تیری توبہ قبول کر لی ہے۔ اور تیرا جرم معاف کر دیا ہے۔ اور تجھ سے راضی ہوگیا ہے۔ ہم تیرے بھائی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں۔ جو تجھے یہ مژدہ سنانے کے لئے آئے ہیں۔

ان کی زوجہ محترمہ نے صحابہ کبار کا کلام سنا۔ تو وہ اور ان کے بچے بھاگتے ہوئے دروازے پر آئے۔ کواڑ کھول کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اندر آنے کی اجازت دی۔ حاطبؓ نے صحابہ کو دیکھ کر زور سے چیخ ماری اور غش کھا کر گر پڑے۔ علیؓ نے بڑھ کے ان کے منہ پر پانی چھڑکا اور ہوش میں لائے۔ پھر انہیں قید بند سے کھول کر خوشخبری سنائی۔ اور مصافحہ اور معانقہ کیا۔ اور ان کی بیوی سے پانی لانے کو کہا۔ چنانچہ حاطبؓ نے غسل کر کے پاکیزہ کپڑے پہنے۔ اور رکعت نماز شکرانہ ادا کی۔

درسِ عمل

(از ابو الاقبال حضرت علامہ عیشؔ فیروز پوری)

اے مسلمِ خوابیدہ ہشیار ہو وقت آیا
بیدار زمانہ ہے بیدار ہو وقت آیا

وقت آگیا اے مسلم اب کوشش پیہم کا
بدلا ہوا نقشہ ہے کیا ہستیِ عالم کا

میدانِ عمل میں آ شیدائے عمل بن جا
سرتا بقدم یعنی دنیائے عمل بن جا

مقصد ترے آنے کا دنیا میں تھا کیا مسلم
کچھ یاد بھی ہے تجھ کو یا بھول گیا مسلم

بھولا ہے سبق تجھ کو طاعت کا اطاعت کا
اب پاس نہیں مطلق احکامِ شریعت کا

اے قوم نہ کر پیدا سامان تباہی کا
میں واسطہ دیتا ہوں محبوبِ الٰہی کا

اسلام کے منکر سے اس نام کے منکر سے
ق
توحید و رسالت کے پیغام کے منکر سے

قائل نہیں قرآں کا دشمن ہے جو ایماں کا
اے وائے مسلمانی وہ دوست مسلماں کا

اب جمع تو اے مسلم اجزائے پریشاں کر
شیرازۂ قومی کو دو قالب ایک جاں کر

اسلاف کا پیدا کر مسلم ہنر اپنے میں
اقوامِ زمانہ کو تو جذب کر اپنے میں

اے اُمّتِ مرحومہ اللہ کی رحمت ہو
تو بزمِ مجازی میں ہمرازِ حقیقت ہو

تذکرۃ السّلف

حسن بن صباح

(جناب ضیٔ الدین احمد خلف چوہدری نیاز الدین احمد صاحب دہلوی)

حسن بن صباح خراسان کا رہنے والا۔ امام موفق نیشا پوری کا شاگرد۔ نظام الملک طوسی وزیر ملک شاہ سلجوقی اور حکیم عمر خیام کا ہم مکتب تھا۔ اول اول یہ ملک شاہ کے دربار میں نوکر ہوا یہاں نظام الملک سے رنجش ہوگئی۔ پھر مستنصر شاہ علوی کے پاس مصر گیا۔ بادشاہ کی نظروں میں آخر تک مقبول رہا۔ مگر درباریوں سے ان بن رہی۔ یہاں سے الگ ہوا تو اس نے ۴۸۳ھ میں قہستان میں اپنی حکومت قائم کی۔ اور بجائے بادشاہی طریقہ کے درویشانہ ڈھنگ اختیار کر کے مذہب اسمٰعیلیہ کا وعظ شروع کیا۔ اور مذہبی پیشواؤں کی حیثیت پیدا کر لی۔ اس فقیری گدی کے مرید فدایان قوم حشاشین یا فرقہ باطنیہ کہلاتے تھے۔ یہ لوگ مالداروں سے تعلقات کا پیدا کرنا اپنا فرض منصبی سمجھتے تھے۔ اپنے پیر کے حکم سے ایک نے نظام الملک کا کام تمام کیا۔ اور اسی اثنا میں ملک شاہ بھی ملک عدم کو سدھارا جس سے حسن کی خودمختاری اور زیادہ ہوگئی۔ ان لوگوں کا مقصد یہ تھا۔ کہ دنیا میں با اثر لوگ مار ڈالے جائیں۔ چنانچہ بڑے بڑے علماء فقرا اور بادشاہ فرقہ باطنیہ کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ یہ لوگ بڑے زبردست سمجھے جاتے تھے۔ مگر حملہ چھپ کر کیا کرتے تھے۔ اس فرقہ نے رفتہ رفتہ اسقدر قوت حاصل کی۔ کہ ان کے نمائندے تمام ملکوں میں رہنے لگے۔ جن کا فرض ہوتا تھا۔ کہ وہ وہاں کے قومی لوگوں اور سپاہیوں کے ذہن نشین کر دیں۔ کہ سجادہ نشین جیتے جی بہشت کی سیر کرا دیتا ہے۔ جب بہت سے مدارج طے کرنے کے بعد کوئی معتقد سجادہ نشین کے روبرو پہنچتا تھا تو تھوڑی دیر کے لئے وہ بہشت میں بھیجدیا جاتا تھا۔ اور بہشت سے واپس آکر جب وہ حور جنت کے عشق میں ہائے کے نعرے لگاتا تھا۔ تو اس سے کہا جاتا تھا۔ کہ فلاں رئیس کو مار ڈالو۔ تو ہمیشہ کے لئے جنت میں رہ سکتے ہو۔ وہ غریب جوش عشق میں خون ناحق کر کے پیر کے پاس آتا۔ تو بجائے بہشت میں بھیجنے کے قتل کر دیا جاتا تھا۔ تاکہ افشائے راز نہ ہو۔

جنت کی صورت یہ تھی۔ کہ سجادہ نشین کے مسکن کے قریب وادی کوہ قاف میں ایک قلعہ بنایا گیا تھا۔ جس میں سونے چاندی کی دیواریں تھیں۔ یاقوت و زمرد کی پچی کاری کا کام بنا ہوا تھا۔ مصنوعی درخت زبرجد۔ یاقوت۔ نیلم و پکھراج وغیرہ سے آراستہ کر کے ان کی ٹہنیوں کو خوشنما رنگوں سے رنگا۔ آیات قرآنی پڑھنے والے طیور پال لئے گئے تھے۔ گلاب اور کیوڑے سے حوض بھرے ہوئے تھے۔ دودھ و شربت کی نہریں جاری تھیں۔ سب سے بڑھ کر یہ تھا۔ کہ کوہ قاف کی دوشیزہ حسین لڑکیاں اور غلمان چن چن کر اس میں رکھے گئے تھے جب کوئی مرید جنت کی سیر کو آتا تھا۔ تو اسے داروئے بیہوشی پلادی جاتی اور بحالت بیہوشی وہ بہشت کے اندر پہنچا یا جاتا تھا۔ جب وہ کسی حور پر فریفتہ ہوتا تھا۔ تو وہ حور ایک جام بیہوشی سامنے رکھتی۔ اور کہتی کہ اگر تم کو میرا وصال منظور ہے تو دنیا میں جاؤ۔ اور فلاں

رئیس یا حاکم کو مار ڈالو۔ اگر تم مرے تو شہید ہو کر چلے آؤگے۔ اور جو غازی رہے تو سجادہ نشین سے پروانہ راہداری لے کر چلے آنا۔ سم پہنچ
پینے کے بعد جب وہ ہوش میں آتا تھا تو قلعہ کے قریب کسی غار میں اسے ہوش آتا تھا۔ اور پھر وہ اس کام کو ضرور کرتا تھا۔ جس کی
فرمائش حور جنت کرتی تھی۔

سلطان صلاح الدین کے زمانہ عروج میں اس فرقہ باطنیہ نے ان کی جان بھی لینی چاہی تھی مگر یہ محفوظ رہے۔

حضرت شقیق بلخی رح اور حاتم اصم رح

حاتم اصم رح حضرت شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد تھے۔ ایک روز حضرت شقیق رح نے حاتم اصم رح سے پوچھا۔ کہ تم کتنی مدت سے
میرے پاس ہو۔ انہوں نے جواب دیا تینتیس ۳۳ برس سے۔ اس پر شقیق نے فرمایا۔ کہ اتنے عرصے میں تم نے مجھ سے کیا سیکھا۔ حاتم نے کہا۔ کہ
آٹھ باتیں۔ آپ نے فرمایا۔ کہ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن۔ میرے اوقات تم پر ضائع گئے۔ تم اتنی مدت میرے پاس رہے۔ اور صرف
آٹھ باتیں سیکھیں۔ حاتم نے کہا۔ کہ اے استاد! میں جھوٹ بولنا پسند نہیں کرتا۔ میں نے اس سے زیادہ کچھ نہیں سیکھا۔ تب آپ نے
فرمایا۔ اچھا بتاؤ تو پھر کونسی آٹھ باتیں تم نے سیکھیں۔

حاتم نے کہا۔ اول یہ کہ میں نے جب مخلوق کو دیکھا۔ تو معلوم کیا۔ کہ ہر ایک شخص کا ایک محبوب ہوتا ہے۔ اور قبر تک وہ اپنے محبوب
کے ساتھ رہتا ہے۔ جب قبر میں پہنچ جاتا ہے تو اپنے محبوب سے جدا ہو جاتا ہے۔ اس لئے میں نے اپنا محبوب اعمال صالحہ کو ٹھیرالیا۔ تاکہ جب
میں قبر میں جاؤں۔ تو بھی میرا محبوب میرے ساتھ رہے۔

شقیق نے فرمایا۔ کہ واقعی تم نے بہت اچھی بات سیکھی۔ اب باقی سات باتیں بھی بتاؤ۔

حاتم نے کہا دوسرے یہ ہے کہ میں نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر خوب غور و تامل کیا۔ وَاَمَّا مَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّہٖ
وَنَہَی النَّفْسَ عَنِ الْہَوٰی فَاِنَّ الْجَنَّۃَ ہِیَ الْمَاْوٰی (یعنی جو شخص (دنیا میں) اپنے رب کے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا ہوگا
اور اس نے نفس کو حرام خواہش سے روکا ہوگا۔ سو جنت اس کا ٹھکانا ہوگا۔ تو سمجھ گیا۔ کہ خدا تعالیٰ کا فرمانا بجا اور درست ہے۔ اس لئے
میں نے اپنے نفس پر خواہش کو دور کرنے کی محنت ڈالی۔ حتیٰ کہ وہ خدا تعالیٰ کی اطاعت پر جم گیا۔

تیسرے یہ کہ اس دنیا کو جو دیکھا۔ تو یہ پایا۔ کہ جس شخص کے پاس کوئی چیز قدر و قیمت کی ہے۔ وہ اس کو خوب حفاظت سے
رکھ چھوڑتا ہے اور اس کی خوب محافظت کرتا ہے۔ پھر جب میں نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول دیکھا۔ کہ مَا عِنْدَکُمْ یَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰہِ
بَاقٍ (یعنی جو کچھ تمہارے پاس (دنیا میں) ہے۔ وہ ختم ہو جائے گا۔ اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کے پاس ہے وہ دائم رہے گا۔

تو جو کچھ قیمتی چیز میرے ہاتھ لگی۔ وہ میں نے اللہ کی راہ میں دے دی۔ تاکہ اس کے پاس موجود رہے۔

چوتھے یہ کہ جب لوگوں کو دیکھا۔ تو ہر ایک کو مال حسب نسب اور شرافت کی طرف راغب پایا۔ اور جب ان امور میں غور و
خوض کیا۔ تو یہ سب ہیچ معلوم ہوئے۔ پھر میں نے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کو سوچا۔ کہ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ (یعنی اللہ

کے نزدیک تم سب میں سے بڑا شریف وہی ہے۔ جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہو۔ اس لئے میں نے تقویٰ اختیار کیا۔ تاکہ خدا تعالےٰ کے نزدیک کریم و بزرگ ہو جاؤں۔

پانچویں یہ کہ لوگوں کو دیکھا۔ کہ ایک دوسرے پر گمان بد کرتے ہیں۔ اور برا کہتے ہیں۔ اس کی وجہ حسد کو پایا۔ پھر میں اللہ تعالیٰ کے قول کی طرف متوجہ ہوا۔ تو یہ پایا۔ کہ نحن قسمنا بینھم معیشتھم فی الحیواۃ الدنیا (یعنی دنیوی زندگی میں (تو) ان کی روزی ہم ہی نے تقسیم کر رکھی ہے۔) اس لئے میں نے حسد کو ترک کیا۔ اور لوگوں سے کنارہ کش ہو گیا۔ اور خوب اچھی طرح جان کر قسمت اللہ کے ہاں سے ہے۔ اس لئے میں نے خلق کی عداوت چھوڑ دی۔

چھٹے یہ کہ جب لوگوں کو دیکھا۔ کہ ایک دوسرے سے جنگ و جدال اور کشت و خون کرتے ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی طرف رجوع کیا۔ تو معلوم ہوا۔ کہ ان الشیطان لکم عدو فاتخذوہ عدوا (یہ شیطان بیشک تمہارا دشمن ہے۔ سو تم اسکو اپنا دشمن ہی سمجھتے رہو) اس بنا پر میں نے صرف اسی اکیلے کو اپنا دشمن ٹھیرا لیا۔ اور اسی بات کی کوشش کی کہ اس سے بچتا رہوں۔ کیونکہ اس کی عداوت کی تو اللہ تعالیٰ نے بھی گواہی دی ہے۔ اسوجہ سے میں نے اس کے سوا اور مخلوق کی عداوت چھوڑ دی۔

ساتویں یہ کہ لوگوں کو دیکھا کہ سب پارۂ نان کے خواہاں ہیں۔ اور اس کے بارے میں اپنے نفس کو ذلیل کرتے ہیں۔ اور ایسے ایسے امور میں قدم رکھتے ہیں۔ کہ جو ان کے لئے جائز نہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ارشاد پر غور کیا۔ تو پایا۔ کہ وما من دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقھا (یعنی کوئی رزق کھانے والا) جاندار روئے زمین پر چلنے والا۔ ایسا نہیں۔ کہ اس کی روزی اللہ کے ذمہ نہ ہو) میں نے بھی سمجھا کہ میں خدا تعالیٰ کے ان حیوانوں میں سے ہوں جن کے رزق کا وہ ذمہ وار ہے اس لئے میں اللہ تعالیٰ کے حقوق کی ادائیگی میں مشغول ہوا اور اپنے رزق کی جو خدا تعالیٰ کے ذمہ ہے طلب ترک کر دی۔

آٹھویں یہ کہ میں نے خلق کو دیکھا تو ہر ایک کو کسی نہ کسی چیز پر بھروسہ کرتے پایا۔ کوئی اپنی زمین پر بھروسا رکھتا ہے۔ تو کوئی اپنی تجارت پر۔ کوئی حرفت پر۔ تو کوئی بدن کی تندرستی پر۔ غرضیکہ مخلوق میں سے ہر ایک کو اپنی ہی طرح کی مخلوق پر بھروسہ و اعتماد کرتے پایا۔ جب میں نے خدا تعالےٰ کے قول کی طرف رجوع کیا۔ تو ارشاد پایا:-

ومن یتوکل علی اللہ فھو حسبہ (یعنی جو شخص اللہ پر توکل کریگا۔ تو اللہ تعالیٰ اس کے لئے کافی ہے۔ اس لئے میں نے خدا پر توکل کیا۔ کہ وہی مجھے کافی ہے۔

یہ سن کر حضرت شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا۔ کہ حاتم خدا تعالےٰ تم کو توفیق عنایت کرے۔ میں نے جب توریت، انجیل، زبور اور قرآن کے علوم پر نظر ڈالی۔ تو ان سب کا خلاصہ انہی آٹھ باتوں میں پایا۔ جو کوئی ان پر عمل کرے۔ تو وہ گویا چاروں آسمانی کتابوں پر عامل ہے۔ وذکر فان الذکریٰ تنفع المومنین۔

استرداد برار

جب سے کہ وزیر ہند سر سموئل ہور کی تقریر جس میں برار کی واپسی کا ذکر ہے شائع ہوئی ہے۔ مخصوص حلقوں میں اس کی سرگرمی سے مخالفت کی جا رہی ہے۔ کہ برار کی واپسی برار والوں کے لئے مضر ہے۔ اور لطف یہ ہے کہ برار والوں سے اس ہمدردی کا اظہار غیر براری لوگوں سے ہو رہا ہے۔ فری پریس جرنل سر اکبر حیدری اور سر سموئل ہور کی تقریروں کا حال طنزیہ انداز میں بیان کر کے لکھتا ہے کہ ہندوستان کے لوگ اہل برار کی رضامندی کے بغیر ہرگز برار کی واپسی کی اجازت نہ دیں گے۔ یہ ایک بے سر و پا رائے ہے۔ جس میں کوئی استدلال نہیں۔ البتہ اس سے فری پریس کا منشا ضرور معلوم ہوتا ہے۔ کہ وہ عامۃ الناس کو برار کی واپسی کی مخالفت پر اکسا رہا ہے۔ دوسرے اخبار سرونٹ آف انڈیا نے اہل برار سے اس طرح ہمدردی کی ہے۔ کہ برار کے حیدر آباد میں شامل ہو جانے سے اس کی رجعت قہقہری ہو گی۔ کیونکہ حیدر آباد کی ریاست ترقی کے میدان میں بہت پیچھے ہے۔ حالانکہ اعلیحضرت بندگان عالی نے تقریباً دس سال پہلے اپنے فرمان میں اسکی صراحت فرما دی ہے۔ کہ برار کی واپسی کی صورت میں وہاں ایک ذمہ دار حکومت عطا کی جائے گی۔ جو اس زمانہ کے لحاظ سے برطانوی ہند سے بھی ایک قدم بڑھا ہوا ہوتا۔ اسی پرچہ نے اہل برار کو مخاطب کیا ہے۔ کہ وہاں اس واپسی کے خلاف احتجاج کریں۔ اس نے برار کو برما کے مماثل قرار دیا ہے۔ اور کہتا ہے۔ کہ جیسے برما کو ہندوستان سے الگ کرنے کے متعلق اہل برما سے رائے لی گئی۔ اسی طرح اہل برار سے بھی رائے لی جانی ضروری ہے ظاہر ہے کہ برما اور برار میں کوئی مماثلت نہیں ہے۔ برما انگریزوں کا مفتوحہ ملک ہے۔ اور برار کے مالک بالکلیہ اعلیحضرت ہیں۔ جس کا حکومت برطانیہ نے کبھی انکار نہ کیا۔ جس وقت برار کا برطانوی ہند کو پٹہ دیا گیا۔ اس وقت اہل برار سے نہ رائے لی۔ نہ مشورہ کیا گیا۔ اور اب بھی اہل برار کی صحیح رائے معلوم کرنا تقریباً ناممکن ہے۔

یہ حال ہی کی بات ہے۔ کہ جب عدن کو حکومت ہند سے نکال کر وزارت نو آبادیات کے تحت کیا گیا۔ تو اہل عدن نے اس پر احتجاج کیا۔ اور اس تبدیلی سے ناراضی کا اظہار کیا گیا۔ مگر اس پر توجہ نہ کی گئی۔ جنگ عظیم کے بعد مجلس اقوام نے ممالک متوسط یورپ کی حد بندی کی۔ تو ایک سے زیادہ قوموں کی رضامندی کے بغیر بلکہ ان کی احساسات کے بالکل خلاف حد بندی کی حالانکہ وہ قومیں اہل برار سے کہیں زیادہ ترقی یافتہ تھیں۔ اور ان کی صحیح رائے عامہ معلوم کرنا نسبتاً آسان امر تھا۔

آجکل برار کتنے نقصان میں ہے

ریاست حیدر آباد کو صوبہ برار کی واپسی پر سب سے زیادہ ناراضی اور ہیجان کا اظہار صوبہ متوسط کے لوگ کر رہے ہیں۔ اس ناراضی کا سبب کچھ برار سے ہمدردی کی بنا پر نہیں ہے۔ بلکہ اس کا بڑا سبب یہ ہے۔ کہ صوبہ برار کی آمدنی سے صوبہ متوسط کے خزانے کو مدد ملتی ہے۔ برار اپنے حصہ سے زیادہ صوبہ متوسط کے انتظامی مصارف کا بار اٹھاتا رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب برار ریاست حیدر آباد کو واپس مل جائیگا۔ تو صوبہ متوسط کے ذرائع آمدنی میں کمی ہو جائیگی۔ حال ہی میں ٹائمز آف انڈیا میں ناگپور کے لیڈروں کا بیان شائع ہوا ہے۔ ہم اس کا ترجمہ ذیل

میں درج کرتے ہیں۔ اس سے ہمارے مذکورہ بالا بیان کی تصدیق ہو جائے گی۔

سر ہری سنگھ گوڑ نہیں خیال کرتے۔ کہ سر سموئل ہور کا جو بیان اخبارات میں شائع ہوا ہے۔ وہ برار کی حضور نظام کو واپسی کے متعلق معنی رکھتا ہے۔ تاہم وہ کہتے ہیں۔ کہ صوبجات متوسط بغیر برار کے اور برار بغیر صوبجات متوسط کے آئندہ حکومت کے مطالبات کو پورا نہیں کر سکتے۔ کیونکہ دونوں اتنے کمزور ہیں۔ کہ اپنے پاؤں پر کھڑے ہو کر انتظامی مصارف کی بجا آوری نہیں کر سکتے۔ وہ خیال کرتے ہیں۔ کہ برار کے دوستوں کو استرداد برار کے متعلق سر سموئل ہور کی اس بعد ضیافت تقریر پر اتنا چوکنا نہیں ہونا چاہیئے جتنے کے وہ نظر آ رہے ہیں۔

مسٹر آر ڈبلیو فلے ممبر لیجسلیٹو کونسل نے کہا۔ کہ ایسے فیصلے سے جیسا کہ شائع ہوا ہے۔ صوبجات متوسط کی صنعت اور زراعت کو سخت صدمہ پہنچے گا۔ اس سے برار کو تو کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ لیکن صوبجات متوسط کی یقینی تباہی ہو گی۔

مسٹر ٹی اے کیڈر، ام، ال، سی، سابق وزیر و لیڈر ریس پارٹی نے کہا۔ صوبجات متوسط کے لوگ برار کی حضور نظام کو واپسی کی مخالفت کریں گے۔ سب سے پہلے استرداد سے موجودہ صوبہ کا مالی استحکام برباد ہو جائے گا۔

مذکورہ بالا اقتباسات سے یہ بات روشن ہو جاتی ہے۔ کہ ناگپور کے لیڈروں کو استرداد برار سے اولین خطرہ مالی نقصان کا لگا ہوا ہے، اور ان کے دونوں میں استرداد کی مخالفت کا پوشیدہ اور آشکار مالی ایک سبب ہے۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا صوبجات متوسط کی پرورش کی خاطر برار کی واپسی کو روک دیا جائے جو ریاست حیدرآباد کا ایک جزو ہے اور جس کے مطالبہ کا کوئی معقول جواب حکومت برطانیہ نہ دے سکی۔ اور کیا اہل برار کے حق میں یہ انصاف ہے۔ کہ ان کی آمدنی سے ایک ایسے صوبہ کی مدد کی جائے۔ جو اس سے کوئی تعلق نہیں رکھتا۔

اپنے اس نقصان کا احساس اہل برار کو ہو چکا ہے۔ اور انہوں نے سی۔ پی سے برار کے الحاق کے خلاف صدائے احتجاج بھی بلند کی ہے۔ اور اپنے لئے ایک نئے برطانی صوبہ کی حیثیت طلب کی۔ یہ بالکل ظاہر ہے کہ برار ایک نئے صوبہ کے انتظامی مصارف برداشت کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ ایسی حالت میں اس کے لئے اس سے بہتر کوئی صورت نہیں ہے۔ کہ وہ ریاست حیدرآباد کی تحت واپس آ جائے۔ اور اعلیحضرت بندگانِ عالی کے زیر اقتدار ایک جداگانہ وفاقی جزو بن جائے۔ جس سے برار بجائے کسی نقصان کے ہر طرح فائدہ میں رہیگا۔ ریاست حیدرآباد سے برار کے متحد ہو جانے سے بوقت ضرورت مدد ہی ملتی رہے گی۔ نہ کہ صوبہ متوسط جیسے زرخیز صوبہ کے لئے اس کی آمدنی صرف ہو۔

غرض ناگپور یا صوبہ متوسط کے لوگوں کا برار کی واپسی کو اہل برار کے لئے مضر بتانا غلط بیانی ہے۔ جو ان کی خود غرضی پر مبنی ہے حالانکہ حالات بالکل اس کے برعکس ہیں۔ برار کی اعلیٰ حضرت کو واپسی برار کی عین و بہبود کا باعث ہے۔

اجارہ برار کی تاریخ

سوال یہ پیدا ہوتا ہے۔ کہ صوبہ برار انگریزی کمپنی کو کیوں دیا گیا۔ اس پر حضور نظام کیا حق ہے اس کا جواب عام طور پر یہی دیا جاتا ہے۔ کہ صوبہ برار حیدرآباد کنٹنجنٹ کے اخراجات

کے لئے دیا گیا ہے۔ جو حضور نظام کی حفاظت کے لئے حیدرآباد میں متعین کی گئی ہے۔ مگر اس فوج (حیدرآباد کنٹنجنٹ) کے تاریخی حالات پر نظر ڈالیئے۔ تو اس میں بہت سی دلچسپ باتیں نظر آئیں گی۔

۱۷۹۵ء میں خسرو دکن نواب نظام علی خاں بہادر اور انگریزی ایسٹ انڈیا کمپنی کے مابین دوستی و اتفاق کا ایک معاہدہ مرتب ہوا جس میں طے ہوا تھا۔ کہ دونوں حلیف ایک دوسرے کے دوست رہیں گے۔ ایک کا دشمن دوسرے کا دشمن سمجھا جائے گا۔ اور اگر کسی ایک فریق پر کوئی غنیم حملہ کرے تو دوسرا اپنی فوجیں امداد کے لئے روانہ کرے گا۔ اس معاہدے سے پہلے فرانسیسیوں اور حکومت نظام کے درمیان یہ طے ہوا کہ فرانسیسی حضور نظام کی امداد کے لئے اپنی ایک امدادی فوج حیدرآباد روانہ کریں گے۔ چنانچہ ان کی ایک فوج حیدرآباد میں متعین کی گئی تھی۔ جس کا سپہ سالار ایک فرانسیسی شخص موسیو ریمان تھا۔ (جس کو حیدرآباد والوں نے "موسی رحمو" بنا دیا۔ اور آج بھی اس کی قبر "موسی رحمو کی ٹیکری" کے نام سے مشہور ہے۔ اور فرانسیسی فوج کا توپوں کا کارخانہ اب حیدرآباد میں "توپ کا سانچہ" کہلاتا ہے۔ جس کے کھنڈر فتح میدان کے قریب ہیں۔ اس کے آس پاس کا پورا محلہ توپ کا سانچہ کہلاتا ہے۔ جب حیدرآباد کے دربار میں انگریزوں کا اثر بڑھ گیا۔ اور فرانسیسیوں کو انگریزوں سے شکست ہوئی۔ تو انگریزوں نے اس بات کا مطالبہ کیا۔ کہ فرانسیسی فوج کو حیدرآباد کی ملازمت سے برطرف کر دیا جائے۔ اس کے بجائے انگریزوں نے خود اپنی ایک چھوٹی سی فوج کو حیدرآباد پہنچنے کا وعدہ کیا

فرانسیسی فوج کے برطرف ہو جانے کے بعد ۱۷۹۸ء کے معاہدہ کی رو سے انگریزوں کو مدد دینے کے لئے بھی ایک فوج تیار کرنی پڑی۔ چنانچہ میر عالم کی سرکردگی میں یورپی فوجوں کے نمونہ پر ایک فوج تیار کی گئی۔ جس میں یورپی اقوام کے مختلف اشخاص بھرتی کئے گئے۔ اس فوج کے افسر بھی کسی ایک قوم کے نہ تھے۔ کوئی فرانسیسی تھا کوئی انگریز کوئی ہسپانوی اور کوئی آئرش لیکن فوج کے سپاہیوں کی کثرت فرانسیسیوں کی تھی۔ جن کی کثیر تعداد اس فرانسیسی فوج کے آدمیوں کی تھی۔ جو پہلے برطرف کر دی گئی تھی۔ اس فوج کا نام "نظامس کنٹنجنٹ" تھا۔ اور یہی حیدرآباد کنٹنجنٹ کی اصل تھی۔

۱۷۹۹ء میں انگریزوں اور ٹیپو سلطان کے درمیان جنگ شروع ہوئی۔ اس جنگ میں حیدرآباد کو بھی انگریزوں کے حلیف کی حیثیت سے شریک ہونا پڑا۔ حیدرآباد سے "نظامس کنٹنجنٹ" میر عالم کی سرکردگی میں روانہ کی گئی۔ مگر اس وقت اس فوج میں بہت ابتری پھیلی ہوئی تھی۔ سر جان ملکم ریزیڈنٹ نے فوج کی اس حالت کو دیکھ کر نہایت دانائی سے یکایک چل کھڑے ہونے کا حکم دیا۔ اس اچانک کوچ کرنے کا اچھا اثر پڑا۔ میر عالم سر میلکم کی عقلمندی سے بہت خوش ہوئے۔ اور انہی کو اس فوج کی تربیت کیلئے مقرر کیا۔ سرنگا پٹم کے محاصرے میں آرتھر ویلزلی جو بعد میں ڈیوک آف ولنگٹن کے خطاب سے مخاطب ہیں۔ کی سپہ سالاری میں فوج سرنگا پٹم کے محاصرے میں شریک تھی جس نے انگریزوں کو اس جنگ میں بہت بڑی امداد دی۔ اس جنگ میں ٹیپو سلطان کو شکست ہوئی۔ اور اس فوج کے متعلق آرتھر ویلزلی نے حیدرآباد کے ریزیڈنٹ کو توجہ دلائی۔ کہ اگر اس فوج کی تربیت اچھی طرح ہو جائے۔ تو یہ بہت مفید ثابت ہوگی۔ اس مشورہ کی بنا پر حیدرآباد کے ریزیڈنٹ سر ہنری رسل کے زمانہ میں یہ فوج انگریز افسروں کی تربیت میں دے دی گئی۔ رسل کے نام پر یہ کچھ عرصہ تک رسل کی بریگیڈ کے نام سے مشہور رہی۔ ۱۸۱۳ء میں اس فوج کا لباس یونیفارم قرار دیا گیا۔ اور بہت سی تبدیلیاں کی گئیں۔

۱۸۵۰ء تک فوج بہت عمدہ حالت میں ہوگئی۔لیکن اس عرصہ میں حکومت نظام کی طرف سے اس کے اخراجات بقایا میں پڑ گئے۔جس کے لئے یہ طے پایا کہ جس طرح حیدرآباد کنٹنجنٹ رزیڈنٹ کے ماتحت کی گئی ہے۔اسی طرح اس کے اخراجات کے لئے برار کے اضلاع بھی رزیڈنٹ کی نگرانی میں دیدیئے جائیں۔تاکہ وہ بقایا رقم کی ادائگی کرکے فوج کے اخراجات برار کی آمدنی سے پورا کرلیں اس تصفیہ کا باقاعدہ معاہدہ ۱۸۵۳ء میں ہوا۔اور برار کے تمام اضلاع سے آمدنی کافی نہ ہونے کی صورت میں صوبہ رائچور سے دوآبہ کا حصہ بھی اسی معاہدہ کے تحت ایسٹ انڈیا کمپنی کو دے دیا گیا۔

۱۸۵۷ء کے غدر کے زمانہ میں اس فوج نے ایسٹ انڈیا کمپنی کی بیش قیمت خدمات انجام دیں۔اور تیرہ مہینے تک ریاست کے باہر مختلف معرکے سر کئے۔جنگ کی ان خدمات کی انگریزوں نے بہت تعریف کی۔اور فوج کی اس جانفشانی کے صلہ میں (پچاس لاکھ) روپیہ حکومت نظام کو معاف کردیا۔جو فوج کا بقایا تھا۔اور صوبہ رائچور کے دوآبہ کا حصہ حضور نظام کو واپس کردیا گیا۔۱۸۶۰ء میں ایک اور معاہدہ طے ہوا۔جس کی رو سے صوبہ برار کی فاضل آمدنی جو اخراجات فوج و امور انتظامی کے بعد بچ رہتی تھی۔وہ حکومت نظام کو واپس دی جائے گی۔۱۹۰۲ء میں صوبہ برار کے متعلق ایک معاہدہ ہوا۔جس میں یہ طے پایا۔کہ برار کی بچت سے جو غیر معین آمدنی حکومت نظام کو ہوتی ہے۔اس کے بجائے حکومت ہند (۲۵) لاکھ کی معین آمدنی حکومت نظام کو دیا کرے گی۔برار پر حضور نظام ہی کی بادشاہت رہے گی۔لیکن اس کا دوامی پٹہ حکومت ہند کو حاصل رہے گا۔اس معاہدہ کے بعد ملک برار میں یہ طریقہ رائج ہے۔کہ حقوق بادشاہت کے اظہار کے طور پر حضور کی سالگرہ کے دن سلطنت آصفیہ کا جھنڈا سرکاری طور پر بلند کیا جاتا ہے۔ (نظام گزٹ)

بزمِ قریش

ا. پیر منور شاہ صاحب ایک مطبوعہ مراسلت کے ذریعہ سے اپنی سادات و قریش برادری کو عظمت قومی و شوکت نسبی یاد دلاتے ہوئے ان سے خواہش کرتے ہیں۔ کہ وہ شعبہ ہائے زندگی میں کامیاب و فائز المرام ہونے کے لئے اجتماعی سعی و کوشش سے کام لیں۔ اور سب سے پہلے اس طریق عمل کے خلاف جو فوجی افسران نے ان کی بھرتی کے متعلق اختیار کر رکھا ہے۔ صدائے احتجاج بلند کریں۔ مراسلت پر بسم اللہ شریف اور آیہ لایلٰف قریش درج کرنے کے بعد

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی　　نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا

شعر بھی لکھا ہے۔ اس میں سرداران قوم مثلاً پیران طریقت و رہنمایان شریعت، خطاب یافتگان، منصبداران، جاگیرداران ذیلداران اور دیگر امراء جو سادات و قریش سے نسبی تعلق رکھتے ہیں۔ کو نام لے لے کر مخاطب کیا ہے۔ کہ وہ عمل کے میدان میں دوڑنے کے لئے قوم کی دستگیری کریں۔ اور التجا کی ہے۔ کہ کسی ایک مقام پر جمع ہو کر تبادلہ خیالات کے بعد کوئی صحیح لائحہ عمل تجویز کریں۔ تاکہ مراسم قبیحہ مروجہ کا بھی سدباب ہو سکے۔ اور نسبی و حسبی تفاخر قائم رہ سکے۔ بات معقول ہے۔ اور پیر منور شاہ صاحب کے درد دل کی مظہر ہے۔ لیکن پیر صاحب کو یہ معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ چودھویں صدی کے سادات و قریش وہ سادات و قریش نہیں ہیں۔ جو خیر القرون میں تھے۔ اور جن کے دل میں دوسروں کے درد کی بھی ٹیس ہوتی تھی۔ جن لوگوں کو آپ نے مخاطب کیا ہے۔ اور جن سے رہنمائی و دستگیری کی توقع کی ہے۔ ان کی مردہ دلی اور بے حسی ہم سے پوچھیئے۔ اٹھارہ سال گذشتہ سے جگانے کی کوشش ہو رہی ہے۔ مگر وہ اس نیند سوئے ہی نہیں کہ اُٹھنے کی امید ہو۔ وہ رات ہی نہیں۔ کہ جس کی صبح ہونے کا خیال ہو۔ حکومت و امارت کا خمار ہے۔ کہ ہوش نہیں آنے دیتا۔ مُردوں سے شرط لگائی ہے اور پڑے ہیں۔ احساس زیاں ہو تو کوشش ہو اور جہاں احساس ہی نہ ہو؟ یاد رکھئے ؎

کسی قوم کا جب اُٹھتا ہے دفتر　　تو مسخ ان میں ہوتے ہیں پہلے تو انگر

اس قوم کے امرا مسخ ہو چکے ہیں۔ لہٰذا متوسط الحال طبقہ سے اپیل کیجئے۔ شائد چند آپ کے ساتھ ہو جائیں۔ کیا میں آپ سے یہ معلوم کرنے کی جرأت کر سکتا ہوں۔ کہ اس وقت تک آپ نے "ندوۃ القریش" جو قریشیان ہند کی واحد نمائندہ جماعت ہے اور جس کا صدر مقام امرتسر ہے اور جس کے سالانہ اجلاس بھی ہو چکے ہیں۔ کی جانب توجہ کیوں نہیں کی؟ اور اپنے قومی آرگن "القریش" کی خریداری سے اس کی کیوں اعانت نہیں کی؟ کیا اس ضرورت کے سوا جس کے لئے آپ نے مراسلت کی اشاعت کی تکلیف فرمائی ہے۔ قوم ضروریات سے بے نیاز تھی؟ کیا ندوۃ القریش اور القریش سے آپ کو تعارف نہیں اگر نہیں تو اس سے زیادہ بے حسی کیا ہو گی۔ اگر ہے تو پھر کارکنان ندوہ اور کارپردازان القریش کا حامی و معاون نہ ہونا

بے اعتنائی نہیں تو کیا ہے؟ میرے محترم آپ ایسے دردمند احباب کی اگر یہ کیفیت ہے۔ تو ان لوگوں سے کیا توقع جنہیں دل ہی عطا نہیں ہوا۔ بے ادبی معاف۔ اگر دنیا میں زندہ اور عزت سے زندہ رہنے کی تمنا ہے۔ اور روایات گذشتہ بحال کرنا مقصود ہے تو اٹھئے کمر ہمت مضبوط باندھیئے۔ افراد قوم کو توجہ دلائیے۔ کہ وہ قومی جماعت "ندوۃ القریش" کے ممبر۔ اور قومی جریدہ "القریش" کے معاون ہوں۔ عمل اپنی ذات اور اپنے گھر سے شروع فرمائیے۔ اور ان اللّٰہ لا یغیر ما بقوم حتیٰ یغیروا ما بانفسھم۔ یعنی خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی۔ نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت کے بدلنے کا کی وعید پر پیش کیجئے۔ اور دیکھئے کہ خدائے قادر و توانا آپ کی کس طرح مدد کرتا ہے۔ اور آپ کا قومی پرچم کس تزک و احتشام کے ساتھ منصۂ عروج پر لہراتا ہے۔ وباللّٰہ التوفیق۔ فوجی بھرتی سے متعلق ایک معقول و پرمغز مراسلہ اسی اشاعت میں کسی دوسری جگہ درج ہے ملاحظہ فرمائیں

۲۔ دفتر میں کثرت سے ایسے خطوط موصول ہوئے ہیں۔ جن میں حقوق زراعت سے متعلقہ کارروائی کے نتیجہ کا استفسار کیا گیا ہے جن کا تفصیلی جواب انشاء اللہ تعالیٰ ہم آئندہ اشاعت میں دیں گے۔ احباب انتظار کریں۔ خدا کے فضل و کرم سے نتائج حسب دلخواہ برآمد ہوں گے۔ اور آپ اپنے واجبی حق کے مطالبہ میں ضرور کامیاب ہو کر رہیں گے۔

۳۔ جو لوگ قوم اور قوم کے اصلاحی امور میں کوئی دلچسپی نہیں لیتے۔ قومی مرکز اور قومی جریدہ سے جنہیں کوئی واسطہ نہیں۔ اور ہر معاملہ میں الگ تھلگ اور بیگانہ رہتے ہیں کیا وہ بتلا سکتے ہیں۔ کہ ذاتی اغراض میں قوم یا کسی قومی ادارہ سے مدد لینے کا انہیں کیا حق پہنچتا ہے؟ "ندوۃ القریش" قریشیان ہند کا مرکز اور "القریش" قوم کی آواز ہے۔ اول الذکر کا چندہ ممبری صرف ۲ ر ماہوار یا عہ سالانہ مقرر ہے اور ثانی الذکر یعنے القریش کا بدل اشتراک چار آنہ ماہوار یا تین روپے سالانہ ہے۔ ایک سال یا بارہ مہینے کے بعد یہ للعہ کی رقم دردمندان قوم کے لئے کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔ مگر افسوس ہے کہ قومی اغراض کیلئے وہ اس حقیر اور قلیل ترین رقم کو بھی پس انداز نہیں کر سکتے۔ جس کی وجہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ جذبۂ ایثار نہیں۔ اور دل درد کے احساس سے معرّا ہے۔ اور جو لوگ قومی اغراض کیلئے دو پائی یومیہ بھی ہاتھ سے چھوڑنا نہیں چاہتے۔ انہیں کوئی حق نہیں کہ وہ ذاتی عقدوں کی گرہ کشائی کیلئے قوم اور قومی اداروں کو دعوت دیں۔ اگرچہ قوم تنگ دل نہیں۔ لیکن ایسے لوگوں کو اپنے اعمال پر کچھ شرم کرنی چاہیئے۔

گذشتہ مہینہ میں ہمیں پندرہ خطوط ایسے موصول ہوئے ہیں۔ جن میں مختلف ضرورتوں کا پندرہ قریشی حضرات نے اظہار کرتے ہوئے "القریش" اور "ندوۃ القریش" کی امداد طلب کی ہے۔ اور یہ عجیب بات ہے۔ کہ ان پندرہ احباب میں سے ہم کسی بھائی کو بھی نہیں جانتے۔ اور ان میں سے تیرہ ایسے ہیں، جو پچاس روپے سے زائد ماہانہ پاتے ہیں۔ اور للعہ کی رقم بآسانی پس انداز کر سکتے ہیں ہم ان اصحاب کے اسمائے گرامی اور ان کی ضروریات کی تفصیل کے اندراج سے احتراز کرتے ہیں۔ اور ان کو توجہ دلاتے ہیں۔ کہ ذاتی ضرورتوں سے عہدہ برا ہونے کے لئے قومی ضرورتوں کو مقدم سمجھنے کے اصول پر عامل ہوں۔ کہ اسی میں کامیابی و کامرانی کا راز مضمر ہے۔

۴۔ مکرمی شیخ غلام حسین صاحب شاکر صدیقی کی بحالی و کامرانی پر کارپردازان القریش آپ کو ہدیہ تبریک و تہنیت پیش کرتے ہوئے داعی ہیں۔ کہ خدائے عزوجل آپ کا حامی و معاون ہو۔ آمین

اِنَّ الدِّیۡنَ عِنۡدَ اللّٰہِ الۡاِسۡلَامُ

النّجات

تیسرا باب

نجات ـــــ میں

(گذشتہ سے پیوستہ)

دوسرے باب کے اندر اعمال کی تقسیم کرتے وقت حق اللہ اور حق العباد کا مفصل بیان ہو چکا ہے۔ جس سے صاف صاف ظاہر ہے کہ دنیا کے اندر انسان کو ضرور خدا کے ساتھ ایک تعلق اور معاملہ ہے۔ اگر اس تعلق سے قطع نظر کر لی جائے۔ تو پھر انسان کو ایک دن کاٹنا تو درکنار ایک گھڑی یا اس سے بھی بہت کم وقت بسر کرنا دوبھر ہو جائے گا۔ الغرض ہم بجز فضل ایزدی دنیا میں با اختیار خود ایک سانس بھی نہیں لے سکتے۔ اس موقعہ پر مجھے ایک بات یاد آئی ہے۔ کہ جس کا نہائت ہی اچھا اثر معلوم ہوا۔ وہ یہ کہ مجھے عمر بھر کے ایک غیر متاہل ایک حاجی صاحب نے ذکر کیا۔ کہ جن کا اسم گرامی حاجی عبداللہ خان عرف مسافر شاہ صاحب قادری تھا۔ قدس اللہ سرہٗ الاطہر اور جو ہمیشہ بیداری میں باوضو رہا کرتے تھے۔ اور دعائے کریمی و دعائے رحیمی وغیرہ اوراد اکثر پڑھا کیا کرتے تھے۔ اور برسوں شاہ صاحب شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رح کی خدمت فیضدرجت میں رہ چکے ہوئے تھے۔ کیونکہ وہ ہندوستان کے رہنے والے ذات کے راجپوت کئی سو گھماؤں اراضیات کے مالک تھے۔ مگر بوجہ غلبۂ عشق الٰہی سب زمینداری تعلقات چھوڑ کر بزرگوں اور درویشوں کی صحبت میں رہنے کو غنیمت سمجھا کرتے تھے۔ چنانچہ وہ اسی تقریب سے بستی غزال منضافات شہر جالندھر میں حضرت جناب خواجہ غلام محی الدین خاں صاحب قادری قدس سرہٗ کی خدمت بابرکت میں پہنچے۔ اور ۱۹۰۱ء میں مجھ کو ان سے ملنے کا اتفاق پڑا۔ تب ان کی عمر زائد از ہشتاد سال تھی۔ اور پچیس سال سے نابینا تھے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ جب میں نے زمینداری تعلقات کو خیرباد کہدیا تو میری عمر اسوقت پچیس سال کی تھی۔ خیرباد کہتے ہی بیدھا میں حج کے ارادہ پر حرمین شریفین کی طرف عازم ہو چل پڑا۔ بمبئی سے جہاز پر سوار ہو لیا۔ جب قریباً نصف سمندر کو کٹ کر لیا۔ تو ایک رات کپتان جہاز بے ساختہ چلایا۔ اور زیریں کمرہ کے پسنجروں سے بولا۔ کہ جہاز پر ایک آفت آنے والی ہے۔ تم لوگ فوراً اس کمرہ کو خالی کرتے ہوئے اوپر کے کمروں میں چلے چلیں چنانچہ ہم سب مسافر گھبرا کر فوراً اپنا اپنا بستر بوریا لیکر اٹھے۔ اور اوپر کے کمروں میں کہ جہاں پر جس کی سینگ سمائی جا کر بیٹھ گئے۔ مگر میں جس جگہ جا بیٹھا۔ اتفاق سے وہاں پر پہلے ہی ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ کم بخت مجھے کچھ چھیڑ چھاڑ کرنے لگی۔ میں نے دو تین دفعہ تو اسے ڈانٹا۔ کہ بہن تم ہوش میں بیٹھو الّا وہ باز

نہ آئی۔ آخر شیطان نے مجھے بھی بہکانا شروع کیا۔ اور امارہ نے اجازت دیدی۔ کہ بس عورت کا جی چاہتا ہے کیا مضائقہ ہے۔ کہ یہ بھی خوش اور تم بھی خوش۔ معاً اس خیال کے گذرتے ہی خوفِ خدا اور فضلِ ایزدی مجھ پر طاری ہوا۔ کہ او کمبخت تم حج کے لئے جا رہے ہو وہاں پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سامنے کس منہ سے جاؤ گے۔ اور ادہر جہاز پر آفت آنیوالی ہے۔ خدانخواستہ اگر یہ جہاز غرق ہو گیا تو سب کے سب خون تیری گردن پر اس بد ارادہ کی بدولت میدان محشر کے اندر قابل مواخذہ ہوں گے۔ پس میں فوراً وہاں پر سے گھبرا کر اٹھا اور تھوڑی دور کی کسی دوسری جگہ پر علیحدہ ہو کر جا بیٹھا۔ صبح کو جب میں نے دیکھا۔ تو وہ عورت نہایت ہی خوبصورت اور جوان عمر کی قریباً میرے ہمسن ہی تھی۔ تب میں نے جناب باری کے حضور دوگانہ کے ذریعے سجدہ شکر ادا کیا۔ کہ تیرے ہی فضل اور مہربانی سے میں اس ارتکاب جرم سے محفوظ و مامون رہا۔ ذالک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء ۔

این سعادت بزورِ بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ورنہ ارتکاب جرم میں کونسی دیر تھی۔ لہذا ہم بجز فضلِ ایزدی باختیار خود ہرگز کچھ بھی نہیں کرسکتے مجبور محض ہیں۔ جسطرح سے دنیا کے اندر انسانوں کو ضرور خدا کے ساتھ ایک تعلق ہے۔ اسی طرح قیامت کے دن خدا کو بھی اپنے بندوں کے ساتھ ایک قسم کا تعلق اور محاسبہ ضرور ہوگا۔ کیونکہ دنیا دار العمل ہے اور آخرت دار الجزا۔

دنیا کے اندر ہمارے آنے کا باعث یہی امتحان ہے کقولہ تعالیٰ۔ تبارک الذی بیدہ الملک وھو علیٰ کل شیءٍ قدیر ۞ الذی خلق الموت والحیوٰۃ لیبلوکم ایکم احسن عملاً ط سورہ ملک ع ۱

پس میدان محشر میں وہی شخص سُرخرو اور کامیاب ہوسکتا ہے۔ جو معتقد باللہ ہونے کے علاوہ اعمال صالح کا بھی پابند رہا ہو۔ ورنہ محض اعتقاد ملی اللہ ناکافی ہے ہاں اگر خدا چاہے تو وہ ایک علیحدہ بات ہے۔ مگر وہ ایسا کرنے کا عادی نہیں۔ کیونکہ اس کے ایسا کرنے میں صالحین پر تعمیل احکام کی پابندی کے جبراً ورنا واجب اور غیر صالحین پر عطائے بے موجب کے سبب ہونے کا اعتراض آئیگا۔ جو اس کے وعدہ و وعید اور عدل و انصاف کے سراسر خلاف ہے۔ چنانچہ اس کا فرمان واجب الاذعان یہ ہے کہ لا یستوی اصحاب النار واصحاب الجنۃ ۞ اصحاب الجنۃ ھم الفائزون ۞ جو بخوبی شاہد و موید ہے۔

اتنا ضرور ہے کہ معتقد باللہ جو اعمال صالح کا پابند نہیں رہا ہے۔ سزائے مجوزہ کی اجرا کے بعد خلاصی (نجات) پا جائیگا۔ مگر ثقات کی نظر میں اس کی قدر و منزلت وہ نہیں ہوسکیگی جو ایک سچے مومن پابند اعمال صالح کی۔ کہ جس نے بدوں کسی سزا و بازپرس کے مخلصی حاصل کی ہو۔

معتقد باللہ غیر اعمال صالح کے ساتھ اتنی رعایت ممکن ہے۔ کہ وہ عذاب سے کسی نہ کسی وقت بری ہوجائے۔ اور اگر اس کا اعتقاد بھی اعمال کی طرح خراب اور غیر خالص نکلا۔ تو پھر اس کے حبس دوام اور عذاب مدام میں کلام ہی نہیں۔ جیسا کہ قرآن مجید و فرقان حمید میں ارشاد ہے۔ اِنّ جہنم مرصادا ۞ للطاغین مآبا ۞ لابثین فیہا احقابا ج لا یذوقون فیہا بردا ولا شرابا ۞ الا حمیماً وغساقا ۞ جزاءً وفاقا ط انہم کانوا لا یرجون حسابا ۞ وکذبوا بآیاتنا کذابا ط وکل شیءٍ احصیناہُ

کتابا لا فذوقوا فلن نزیدکم الا عذابا ۝ وسیق المجرمون وھم عراۃ۔ الی ذات المقامع والنکال،
فنادوا ویلنا ویلاً طویلاً۔ وجروا فی سلاسلھا الطوال، فلیسوا میتین فیستریحوا۔ وکلھم بحر النار صال

یعنے جہنّم نافرمان لوگوں کی تاک میں ہے کہ جس میں وہ ہمیشہ بسر کریں گے۔ اور ان کو وہاں ہرگز سوائے متعفّن اور کھولتے ہوئے پانی کے ٹھنڈا اور میٹھا نصیب ہی نہ ہوگا۔ کیونکہ ان کی نافرمانی کے موافق حال ایسا ہی سابک ہے۔ وہ لوگ حساب آخرت کی تو امید ہی نہ رکھتے تھے۔ بلکہ الٹا ہمارے احکام کی تکذیب کیا کرتے تھے۔ حالانکہ ہم نے ہر ایک امر کو قرآن مجید میں لکھ دیا ہے۔ اور یہ بھی ثبت کر دیا ہے۔ کہ ان نافرمان لوگوں پر جو کہ جہنّم میں پڑے ہوئے تڑپ رہے ہوں گے۔ اگر ہم ذرا اور مہربانی کریں گے۔ تو یہی کہ تکلیف و مشقت زیادہ کرتے رہیں گے۔ کسی نے کیسا اچھا کہا ہے۔ کہ جب قیامت کے دن مجرم و گنہگار لوگ بحالت برہنگی اپنی اپنی عذاب گاہ کی طرف دھکیل دیئے جائیں گے۔ تو ان کے پاؤں میں بیڑیاں اور ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ہونگی۔ اور وہ زور زور سے چلّا رہے ہوں گے اور واویلا کر رہے ہوں گے۔ نیز وہ اسلئے نہیں مرے ہیں۔ کہ آرام پائیں بلکہ وہ اس لئے مرے ہیں کہ بے اندازہ آگ ہی میں جلتے رہیں۔

مسلمانوں کی سچی اور بلا تحریف کتاب منزل من اللہ میں ایک مشرک کیلئے سزا مقرر ہے۔ کہ وہ ہمیشہ کیلئے دوزخ ہی میں رہے گا۔ اور علی الدوام اس پر عذاب زیادہ ہوتا رہے گا۔ جس سے وہ ذلیل و خوار ہی بنا رہیگا۔ کقولہ تعالیٰ ومن یفعل ذالک یلق اثاما یضاعف لہ العذاب یوم القیامۃ ویخلد فیہ مھانا ۝ یعنی جو مشرک آدمی خلاف منشائے ایزدی دنیا میں زندگی بسر کر رہا ہے وہ واقعی مجرم ہے۔ ہم قیامت کے دن اس پر دوچند زیادہ عذاب کرتے رہیں گے۔ اور وہ ہمیشہ اس عذاب (دوزخ) میں ذلیل و خوار ہی پڑا رہے گا۔

اسلام نے صرف مشرک ہی کیلئے حبس دوام با مشقت کی سزا مقرر کی ہے۔ سوائے مشرک لوگوں کے باقی سب مسلمان علی حسب اعمال سزا بھگتنے کے بعد مخلصی و نجات کے مستحق ہو جائیں گے۔ اور آخر کار خلود فی الجنّۃ کے مستحق ہو کر خالدین فیھا کے مصداق بنیں گے۔

یہ امر کہ مشرک کون ہے۔ وہ وہ ہے کہ جس کا ایمان اور اعتقاد باللہ نہ ہو اگر ہو تو غیر خالص۔ اصل ایمان تو اتنا ہی ہے جو توحید خدا سے تعلق ہے۔ جیسے لا الٰہ الا اللہ سے ظاہر ہے۔ مگر محققین اسلام نے اس کے چند مدارج اور مراتب قرار دیئے ہیں۔ جن پر ایمان رکھنا نہایت ضروری ہے۔

اگر ان مدارج اور مراتب پر راسخانہ اعتقاد نہ رکھا جائے۔ تو صرف دنیا کی زندگی ہی تلخ نہیں ہو جاتی۔ بلکہ آرام آخرت بھی کافور ہو جاتا ہے اور قیامت کا جیل ہی بھگتنا پڑے گا۔

اینجا غم معیشت و آنجا سزائے عصیاں
آسائش دو گیتی بر ما حرام کردند

اب تو معلوم ہو گیا ہوگا۔ کہ نجات کیا چیز ہے۔ مگر احتیاطاً پھر اعادہ کر دیتا ہوں۔ جو فائدہ سے خالی نہیں ہوگا۔ (باقی دارد)

میری سرگذشت

نمبر ۱۷

جھالاوان میں میرا ایکسالہ قیام میری زندگی کا فقید المثال حصہ ہے۔ اس لحاظ سے کہ وہاں کی ۳/۴ ۹۹ فیصدی مسلم آبادی کا روح پرور نظارہ میرے لئے نہائت ہی خوش آئیند تھا۔ جبکہ میں ہروقت اپنے گردوپیش اخوت اسلامی ہی کا کیف آور منظر دیکھتا اور اسلام کی عالمگیر برادری کا خیال کرتے ہوئے لطف اندوز ہوتا۔ اور ہرطرف اسلام ہی اسلام موجود پاتا۔ کفروشرک بمنزلہ معدومیت کے تھا۔

لامحالہ کہنا پڑتا ہے۔ کہ عرب جہاں جہاں گئے۔ حکومت کے ساتھ ساتھ اس نصب العین کو بھی ملحوظ خاطر رکھتے رہے کہ اسلام کی دعوت دنیا کی بین الملی دعوت ہے۔ جو کسی خاص ملک اور قوم تک محدود نہیں۔ چنانچہ اسباب کا نتیجہ ہے کہ اسوقت بھی ہلنٹ مجموعی سٹیٹ بلوچستان میں مسلم آبادی ۹۷ فیصدی موجود ہے۔ اور صوبہ سندھ میں ۷۵ فیصدی

اگر ہندوستان کے غیر عرب مسلم سلاطین بھی اپنی آٹھ سوسالہ فرمانروائی میں اسی زریں اصول کو پیش نظر رکھتے۔ اور اس پر عمل پیرا ہوتے تو پھر نہ تو مہاراشٹر میں کسی سیواجی کے وجود کی ساخت ہی عمل میں آسکتی۔ نہ حیدرآباد دکن کے علاقہ سے کوئی بندہ بیراگی بن کر سرزمین پنجاب میں نمودار ہوسکتا۔ اور نہ ۲۲ کروڑ غیر مسلم تعداد ہی بن سکتی۔ تواریخی شواہد اس بات کے مظہر ہیں۔ کہ جب تک مسلمانوں میں دعوت اسلام کا جذبہ کارفرما رہا۔ اسوقت تک دنیا کی کوئی قوم ان پر غالب نہ آسکی۔ اور جب یہ جذبہ مردہ ہوگیا۔ تو اسی دن سے مسلمانوں کی قومی موت بھی شروع ہوگئی۔

جھالاوان کے بروہی قبائل میں چھوٹے ہوں یا بڑے۔ رات کو اپنے اپنے گدان یا خیمہ کے سامنے آگ روشن کرنے کا رواج ہے اور یہ بھی عرب حکومت ہی کی یادگار ہے۔ کیونکہ عربوں کا دستور تھا۔ کہ لشکروں میں آگ روشن کیا کرتے تھے۔

فتح مکہ کیلئے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین و انصار اور دیگر قبائل عرب کے بارہ ہزار لشکر ظفر پیکر کے ساتھ مدینہ سے روانہ ہوئے اور منزل مرالظہران میں قیام فرما ہوئے۔ تو حضور صلعم نے ارشاد فرمایا۔ کہ رات کو ہر آدمی اپنے خیمے کے آگے آگ روشن کرے

جھالاوان ہو یا سراوان۔ کچھی ہو یا برٹش بلوچستان۔ سب میں نقد مالیہ کی بجائے بٹائی ہی کا رواج ہے۔ اور یہ بھی عربوں ہی کے عہد حکومت کی یادگار ہے۔ کیونکہ وہ جنس کا حصہ لیا کرتے تھے۔ جس کو مقاسمہ کہا جاتا تھا۔

سنہ ۶ ہجری میں قلعہ خیبر کے فتح ہونے پر جب باقیماندہ یہود کو جلاوطن کئے جانے کی بجائے باغات اور اراضیات کے لئے ان کی خواہش پر ان کو بطور مزدور بٹائی پر خدمت کے لئے رکھا گیا۔ تو پیداوار میں سے نصف حصہ ان کا مقرر کیا گیا۔ عربی میں معاملہ بٹائی کو جو "مخابرہ" کہتے ہیں۔ وہ خیبر ہی سے مشتق ہے۔

بحیثیت اتالیق جب تک میں علاقہ جھالاوان میں رہا۔ میرے کھانے اور میری سواری کا انتظام سردار گوہر خاں اور یوسف خاں

نے اپنی وجاہت کے لحاظ سے میری خواہش کے خلاف اپنے ذمے ہی رکھا۔ جس کیلئے میں اب بھی ان کا شکرگذار ہوں۔ ان کے غلام یا کنیز بوقت مقررہ پر خود بخود میری اقامت گاہ پر کھانا لے آتے۔ اور کبھی کبھی سردار گوہر خاں اپنے خاصہ کے تناول سے بھی میرے لئے کچھ بھجوا دیتا۔ جو ملکی دستور کے مطابق نشانِ مروت ہوتا۔

میرا طریق عمل لغائت خود دارانہ تھا۔ الگ تھلگ رہتا۔ ان کے قومی امور میں دخل نہ دیتا۔ جب تک کہ وہ خود نہ پوچھتے۔ ان کی مجلسوں میں شریک نہ ہوتا۔ جب تک کہ وہ خود نہ بلاتے۔ باخبر رہتا لیکن بظاہر بے اعتنائی کا عالم بلا ضرورت کسی سے بات چیت نہ کرتا۔ کیونکہ میرے محفوظ رہنے کا راز اسی میں مضمر تھا۔ میری سواری کیلئے بھی کسا کسایا گھوڑا یا سانڈھنی طیار رہتے۔ جن کی غور و پرداخت کا کام ان کے غلاموں ہی کے ذمے ہوتا۔ میں جب تک وہاں رہا۔ میں نے ان کے اور پولٹیکل ایڈوایزر کے درمیان بعض امور میں "بفرسٹیٹ" کا کام دیا۔ جو اگرچہ میرے فرائض میں داخل نہ تھا۔ مگر جانبین کی ہواخواہی کیلئے۔ میں جب تک گوہر و یوسف کے درمیان رہا۔ ان کی پوزیشن محفوظ رہی۔ اور ایک حد تک شک و شبہ سے بالاتر بھی۔ میرے چلے آنے کے بعد کے واقعات کی ذمہ داری ان کے اپنے ذمے تھی۔

جھالاوان کے بروہی قبائل دن بھر اسلحہ بند رہنے کے علاوہ رات کو سوتے وقت بھی اپنے ہتھیار بندوق ہو یا تلوار بستر میں ساتھ رکھتے ہیں۔ خواہ باپ بیٹا ہوں یا بھائی بھائی۔ باہمی اعتماد کے زیادہ مشتاق نہیں۔ اور شرط عقل است بدگماں بودن پر عمل پیرا رہتے ہیں۔

۱۷ مارچ ۱۸۹۵ء کو جناب قبلہ والد محترم سبی سے مراجعت فرمائے گوجرانوالہ ہوئے۔ اور میں ۱۹ مارچ ۱۸۹۵ء کی شام کو رائے بہادر بینیو رام صاحب سی۔ آئی۔ ای پولٹیکل ایڈوایزر کے ساتھ شہر بھاگ کے لئے روانہ ہوا۔ جہاں ہزہائی نس خان قلات بتقریب دورہ سرمائی فروکش تھے۔

اسی ٹرین میں میجر ایچ۔ ایم ٹیمپل صاحب (H. M. Temple) صاحب پولٹیکل ایجنٹ قلات بھی کوئٹہ سے چلکر لمبی رخصت پر انگلستان جا رہے تھے۔ سبی سٹیشن کے پلیٹ فارم پر میں ان سے ملا۔ گوہر خاں کے متعلق سلسلۂ گفتگو شروع ہوا ہی تھا۔ کہ گارڈ نے سیٹی بجا دی وہ اپنے ڈبے کی طرف سرکے۔ اور میں اپنے کمپارٹمنٹ کی طرف لپکا۔

اسی رات میں نے خواب میں دیکھا۔ کہ گورے رنگ کے ایک سفید ریش بزرگ جن کی شکل اب بھی میری آنکھوں کے سامنے پھر رہی ہے سفید عمامہ باندھے اور بلوچی وضع کا کھلی آستین والا سفید کرتہ پہنے اپنے دائیں ہاتھ سے مجھے اس طرف نہ آنیکا اشارہ کر رہے ہیں۔

اگلے دن اس کی تعبیر یہ ہوئی۔ کہ پولٹیکل ایڈوایزر صاحب مجھے سردار یوسف خاں کی جاگیر پر شہر گاجان میں مامور کرنے کی غرض سے ہمراہ لئے جا رہے تھے جس کا مجھے علم نہ تھا۔ مگر ٹرین میں میجر ٹیمپل نے اس تجویز سے اس بنا پر اختلاف کیا۔ کہ گوہر خاں اس بات کو گاجان کی ضبطی سمجھے گا۔ اور جھالاوان سے آدمی بھیجکر نظیر حسین کو مروا ڈالے گا۔ اس لئے یہ تجویز ملتوی ہوگئی اور دائیں ہاتھ کا اشارہ اپنا کام کر گیا۔

اس بات کے اظہار سے افشائے راز الٰہی مطلوب نہیں۔ بلکہ بطور تحدیث بالنعمت اس امر کا اعتراف مقصود ہے کہ اولیاء اللہ عالم

ممات میں بھی عالمِ اسباب کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔

۱۸ مارچ سنہ ۱۸۹۵ء کو ہم بھاگ پہونچے۔ جہاں ۲۰ تک قیام رہا۔ ۲۱ مارچ سنہ ۱۸۹۵ء کو پولٹیکل ایڈوائیزر صاحب ہز ہائی نس سر میر محمود خانصاحب بیگلر بیگی[۱] جی۔ سی۔ آئی۔ ای خان قلات کی ملاقات کے لئے گئے۔ اور مجھے بھی ساتھ لیتے گئے۔ ۹ بجے صبح کا وقت تھا۔ ہز ہائینس اپنی "میری"، یعنے محل سے متصل مستطیل شکل کے دربار ہال[۲] میں تشریف فرما تھے۔ دروازے پر دو چوبدار نقرئی عصا ہاتھ میں لئے کھڑے تھے۔ باہر مختصر سا فوجی پہرہ تھا۔ چوبدار دربار میں شامل ہونے والوں کو ان کی جائے نشست کا پتہ دینے پر مامور تھے نشستِ دربار ایشیائی طریق پر تھی۔ ہز ہائی نس وسط ہال میں مٹی کے ایک چبوترہ پر جس پر قالین بچھے ہوئے تھے۔ دیوار کی طرف گاؤ تکیہ لگائے بیٹھے تھے۔ اور ایک ملازم پشت کی جانب سے مورچھل ہلا رہا تھا۔ دربار کا فرش دریوں سے آراستہ تھا۔ حاضرین دربار ڈیڑھ سو کے قریب تھے۔ جو دائیں بائیں اور سامنے دیواروں کے ساتھ ساتھ بطور حاشیہ نشین قرینے کے ساتھ بلوچی نما جٹکی وضع کے لباسوں میں ملبوس دوزانو ہوکر بیٹھے ہوئے تھے کچھ فاصلہ پر ہز ہائی نس کے سامنے مستوفی۔ وکیل ریاست۔ اور نائب بھاگ کی نشست تھی۔ پولٹیکل ایڈوائیزر صاحب ہز ہائی نس کی بائیں جانب پہلے نمبر پر بیٹھے اور مجھے معتمدین کے زمرہ میں جگہ دی گئی۔ میرے لئے خانِ قلات کا یہ پہلا دربار تھا۔ جس میں اس طرح پر مجھے شامل ہونے کا اتفاق ہوا۔

گو ہر خاں کا وجود اس کی بعض خصوصیتوں کے لحاظ سے بہت سی دلچسپیوں کا موجب بنا ہوا تھا۔ اس لئے ہز ہائی نس نے اس کے متعلق بعض فروعی باتیں مجھ سے دریافت کیں۔ اور اس بنا پر میں نے شرف مکالمہ پایا۔ گفتگو اردو زبان میں تھی۔ ہز ہائی نس فارسی، بلوچی۔ براہی اور پشتو کے علاوہ اردو بھی باآسانی بول سکتے ہیں۔ آپ کا قد درمیانہ۔ جسم پھرتیلا۔ رنگ گندم گوں۔ ریشمی لباس زیب تن۔ عباسی نمونہ کی شمشیر جوہر دار کمر سے آویزاں۔ زربیدار لمبا کلاہِ قلاتی اور زربیدار لنگی زیبِ سر۔ مگر بلوچی دستور کے خلاف سر کے بال بہت چھوٹے اور چہرہ داڑھی کے بوجھ سے سبکدوش۔ ہم ایک گھنٹہ تک دربار میں رہے اور خاتمہ پر قیام گاہ پر آگئے۔

ہز ہائی نس سر میر محمود خاں سنہ ۱۸۶۴ء میں پیدا ہوئے۔ اور اپنے والد میر خداداد خاں صاحب کی کنارہ کشی از حکومت کے بعد نومبر سنہ ۱۸۹۳ء میں مسند آرائے ریاست ہوئے۔ آپ قومِ عرب قبیلۂ میبرواری سے ہیں جس نے پندرہویں صدی عیسوی کے وسط میں قلات میں سکونت اختیار کی تھی۔ آپ کے بزرگوں میں سے میر نصیر خاں (خانِ قلات) کو نادر شاہ نے سنہ ۱۷۳۹ء میں خطاب بیگلر بیگی عطا کیا تھا۔ جو نسلاً بعد نسلِ منتقل ہوتا چلا آرہا ہے۔ احمدزی خاندان میں سے آپ چوبیسویں خانِ قلات ہیں۔ اور محمود خاں دوم۔

---

[۱] ترکی زبان کا لفظ ہے۔ بمعنے سپہ سالار، امیر الامرا۔

[۲] یہ بات میرے وہم و گمان میں بھی نہ آسکتی تھی۔ کہ اس سے چودہ سال بعد اسی دربار ہال میں اسی چبوترے پر بحیثیت مستوفی اعلیٰ افسر مقامی ہونے کے لحاظ سے مجھے صدر جلسہ ہو کر بیٹھنا ہوگا۔ قاضی۔

۱۰ اگست سنہ ۹۴ء کو ہز ایکسیلنسی لارڈ ایلجن صاحب وائسرائے ہندوستان نے کوئٹہ کے وائسرائگل دربار میں آپ کو[1] جی سی آئی ای کے معزز خطاب سے ممتاز کیا تھا۔ میرے لئے یہ پہلا وائسریگل دربار تھا۔ جس میں چیف آف جھالاوان کا اتالیق ہونے کی حیثیت سے مجھے شامل ہونے کا اتفاق ہوا۔

خانِ قلات کی بلوچی طرزِ حکومت از منۂ ماضیہ کی عرب حکومت کے نظام سے مماثلت رکھتی ہے۔ رقبۂ ریاست نوے ہزار مربع میل ہے مردم شماری چھ لاکھ ساٹھ ہزار چار سو بہتر۔ محاصل سات لاکھ نو ہزار دو سو پچاس۔ فوجی قوت۔ انیس[19] توپ۔ دو سو پچاس سوار۔ پانچ سو پیادے اور سلامی انیس[19] ضرب توپ۔ آپ انگریزی حروف میں فقط اپنا نام لکھ سکتے ہیں۔

آپ کی مہر کا سجع یہ ہے۔ عَسٰی اَن یبعثک مقاماً محموداً ط مراسلہ یا فرمان کی عبارت کے خاتمہ پر جہاں تاریخ اور سن لکھا جاتا ہے پشت کی جانب عین اس کے محاذ پر مہر ثبت کرنے کا رواج ہے۔ آپ کے برادر اصغر میر بہرام خاں آپ کی افواج کے جرنیل ہیں۔ دربار ہال سے باہر "میری" سے برآمد ہوتے ہوئے میں نے ان کو پہلی مرتبہ دیکھا۔ کنا ویزی کی شلوار پہنے ہوئے باقی لباس سفید اور سادہ۔ قد درمیانہ۔ رنگ گندمی۔ جسم دبلا۔ بلوچی دستور کے خلاف سر کے بال کترائے ہوئے۔

۲۸ مارچ کو ہم واپس سبی[2] آ گئے۔ جہاں سے ۱۰ اپریل سنہ ۹۵ء کو ایک ماہ کی رخصت پر میں اپنے وطن قبضہ سادو گورایہ ضلع گوجرانوالہ میں آیا۔ اور بعد انقضائے رخصت ۱۹ مئی کو قلات پہنچا۔ چونکہ بروقت کوئی موزون اسامی خالی نہ تھی۔ جس پر مجھے تعینات کیا جاتا۔ اس لئے میں پولٹیکل ایڈوائزر صاحب کے ساتھ (attach) وابستہ رہا۔ کوئی مخصوص لوازم معین نہ تھے۔

(قاضی) نظیر حسین فاروقی مستوفی (ریٹائرڈ)

---

[1] عمر کے آخری حصہ میں بصارت سے محروم ہو جانے کی وجہ سے دنیا آپ پر تاریک ہو چکی تھی۔ اور عرصہ تک پیچیدہ مرض میں مبتلا رہکر ۲/۱ نومبر سنہ ۱۹۳۱ء کی درمیانی رات کو ایک بجے پر آپ نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ ۱۲ دسمبر سنہ ۱۹۳۱ء کو آپ کے برادر اصغر نواب میر اعظم جان خانِ قلات بنائے گئے۔ جن کو ذاتی تعارف کی بناء پر میں نے مبارکباد کا تار دے دیا۔ قاضی۔

[2] ۲ جنوری سنہ ۱۹۲ء کو میں سبی پہنچا تھا۔ اور ۱۰ جنوری سنہ ۹۲ء کو ایک سہ ماہی کے لئے امتحانی سیکنڈ ماسٹر مقرر کیا گیا۔ بعد ازاں مستقل ہوا۔ میرے خاندان کے قرابت داروں میں سے منشی شیخ احمد صاحب سکنہ مرالیوالہ ضلع گوجرانوالہ یہاں اسب اوورسیئر تھے۔ اور مولوی نور حسین صاحب خلف مولانا مولوی محبوب عالم صاحب سکنہ گوجرانوالہ سبی سکول میں سیکنڈ ماسٹر تھے۔ جو اوورسیئر مقرر کئے گئے۔ اور انہوں نے ہی اپنی بجائے میرے لئے یہ تجویز کرائی۔ اتفاق کی بات ہے کہ منشی محمد سلطان صاحب ہیڈ ماسٹر بھی گوجرانوالہ ہی کے رہنے والے تھے۔ میں ان سب کے حسن سلوک کا اب بھی شکرگذار ہوں۔ قاضی۔

خط و کتابت میں نمبر خریداری کا حوالہ ضرور دیں

"ندوۃ القریش"

۱۲ فروری کی کارروائی

"ندوۃ القریش" کے اجلاس منعقدہ ۱۲ فروری میں حسب ذیل قرار دادیں بالاتفاق پاس ہوئیں

(۱) ندوۃ القریش کا یہ اجلاس اعلیحضرت حضور نظام خلد اللہ ملکہٗ و سلطنتہٗ کے اس مستحسن اقدام پر حکومت آصفیہ عالیہ کو مستحق مبارکباد خیال کرتا ہے۔ جو جہاں پناہ نے اپنی رعایا کو اقتصادی مشکلات سے بچانے کیلئے قانون "انتفاع اراضی مزروعہ مزارعین" و امتناع سود در سود کے اجراء کے حکم سے فرمایا ہے اور حضور نظام عالی مقام ادام اللہ اقبالہٗ و اجلالہٗ کو ان کی رعایا نوازی و نصفت شعاری پر ہدیہ تبریک پیش کرتا ہے۔ (۲) "ندوۃ القریش" کا یہ اجلاس دیگر والیان ریاست سے بزور استدعا کرتا ہے کہ وہ اپنی رعایا کی اقتصادی مشکلات کو پیش نظر رکھتے ہوئے حکومت آصفیہ عالیہ کے تتبع میں اسی قسم کے قوانین کے اجراء حق پروری و رعایا نوازی کا ثبوت دیں۔
(۳) "ندوۃ القریش" کا یہ اجلاس حکومت ہند کے اس طرز عمل کے خلاف جو اس نے انڈین آرمی (ہندوستان کی باقاعدہ افواج) میں سادات و قریش ایسی تاریخی اور جنگجو قوم کو بھرتی کرنے کے متعلق اختیار کر رکھا ہے۔ صدائے احتجاج بلند کرتا ہوا حکومت سے بزور استدعا کرتا ہے۔ کہ وہ اس فیصلہ کو مسترد کر کے ہندوستان کے ۱۸ لاکھ سادات و قریش کو تشکر و امتنان کا موقع دے۔ (۴) "ندوۃ القریش" کا یہ اجلاس حکومت ہند سے بزور استدعا کرتا ہے۔ کہ سادات و قریش جن کی شاندار تاریخی روایات اور فوجی خدمات زمانہ تسلیم کرتا ہے کو فوجی کالجوں میں داخلہ کی اجازت دے کر مزید شکر گذاری کا موجب ہو۔ (۵) "ندوۃ القریش" کا یہ اجلاس مسلم ممبران کونسل و اسمبلی کو عموماً اور سید حسن امام۔ سید عبد الحفیظ (ممبران کونسل آف سٹیٹ) سید مرتضیٰ بہادر ایم۔ ایل۔ اے اور خان بہادر قریشی محمد حیات صاحبان سے خصوصاً استدعا کرتا ہے۔ کہ وہ اس حق تلفی کے تدارک کے لئے اپنے اثر و رسوخ کو کام میں لا کر قوم کو رہین احسان بنائیں۔

بزم قریش

۱۵- برادران جالندھر و ریاست کپورتھلہ آپ کے مراسلات کے جواب میں عملی کارروائی کی جا رہی ہے۔ اطمینان فرمائیں

۶- مخدومی حاجی محرم علی صاحب قریشی عثمانی ذیلدار و رئیس اور قاضی شمشاد علی صاحب قریشی رئیس آپ کی توجہ فرمائی کے ہم مشکور ہیں۔ اور امید کرتے ہیں۔ کہ آپ اپنے حلقہ اثر و احباب میں القریش کی توسیع اشاعت کیلئے سعی فرما کر مزید شکر گذاری کا موقعہ دینگے

جن معاونین کرام کا سال خریداری اس اشاعت کے ساتھ ختم ہوتا ہے۔ وہ از راہ حمیت قومی بواپسی اپنا زر چندہ بھجوا کر مشکور کریں اور جو صاحب کسی وجہ سے آئندہ سال کیلئے اسے جاری نہ رکھنا چاہتے ہوں وہ دفتر کو مطلع کر دیں۔ تاکہ وی پی کی واپسی قومی آرگن کے نقصان

جن احباب کی خدمت میں القریش نمونتہً حاضر ہو رہا ہے۔ ان کا قومی و اخلاقی فرض ہے کہ بعد مطالعہ خریداری و عدم خریداری کے متعلق اپنی رائے سے دفتر کو مستفید فرما دیں۔ بلکہ زر چندہ بذریعہ منی آرڈر بھجوا کر کارپردازان القریش کی حوصلہ افزائی کا موجب ہوں۔ اگر ممکن ہو تو اپنے حلقہ اثر و احباب میں اس کی توسیع اشاعت کے لئے بھی سعی فرما دیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مارچ ۱۹۳۳ء — ذیقعدہ ۱۳۵۱ھ

القریش امرتسر

جلد ۱۹ —— نمبر ۳

ننگ قوم

(جناب محمد طفیل صاحب سائر [illegible] سیمابی اکبر آبادی)

مجلسِ اقوام میں ہر قوم کو ہے امتیاز — آگیا جس کی سمجھ میں صاف قومیت کا راز

قوم کا وہ فرد ہرگز بھی نہیں ہے فردِ قوم — محشرِ اقوام میں جس کو نہیں ہے "امتیاز"

وہ فدائی قوم کا ہے، ہے وہی قربانِ قوم — وجد میں آجائے جب چھڑ جائے قومیت کا ساز

اپنی تیغِ فکر سے زنگِ غلامی دور کر — بندگانِ قوم کی خدمت سے بن بندہ نواز

قوم کی محفل میں سب تجھکو بنائیں شمعِ بزم — اپنے عزم و سعی میں پیدا کر اتنا تو گداز

خود نمائی چھوڑ دے ہو بیخودِ تصویرِ قوم — آئینہ تو بن چکا۔ اب جلد بن آئینہ ساز

خونِ آزادی سے کر جلدی وضو وقت آ چکا — قوم استادہ ہے حریت کی پڑھ چل کر نماز

عمر بھر رکھ اس اصولِ کار کو پیشِ نظر — لے تجھے اک نکتہ سمجھاتا ہوں میں عمرت دراز

[illegible] رنگ قوم ہے

جذبۂ قومی نہیں جس میں وہ "ننگِ قوم" ہے

ہز مجسٹی حضور نظام

مسلمانانِ ہند کی دیرینہ آرزو کی تکمیل کی اپیل

اعلیٰ حضرت سلطان العلوم خسرو دکن میر عثمان علی خاں خلد اللہ ملکہ و سلطنتہٗ اپنی خصوصیات کی وجہ سے دنیائے اسلامی میں جو ممتاز مقام حاصل فرما چکے ہیں۔ وہ ارباب نظر و بصیرت سے پوشیدہ نہیں۔

سلطنت آصفیہ کا حسن انتظام آج کل کی بہت سی با اقتدار اور خود مختار سلطنتوں سے کسی طرح کم نہیں کہا جا سکتا۔ آئے دن مختلف حکومتوں کے سالانہ بجٹ اور میزانیہ کی روداد یں صفحۂ قرطاس پر شائع ہوتی رہتی ہیں۔ اُن سے پتہ چلتا ہے کہ اس وقت دُنیا کی تمام سلطنتیں اقتصادی و مالی پریشانیوں میں مبتلا ہیں۔ اور وہاں کے باشندوں پر ہمہ قسم کی مصیبتیں آ رہی ہیں۔ تخفیف کی ہر طرف گرم بازاری ہے مگر مملکت دکن اپنے فرمانروا کی قابلیت کی بدولت مذکورہ بالا آلائیشوں سے پاک ہے۔ اور یہاں اس کا کوئی اثر نہیں بلکہ ہر شعبہ روز افزوں ترقی کر رہا ہے اور ملک کے بہترین دماغ دکن میں جمع ہیں۔

غرضیکہ ایک سلطنت میں جسقدر بھی خوبیوں کی ضرورت ہے۔ وہ مجموعۃً اعلیٰ حضرت شہریار دکن میں بفضلہ تعالیٰ بدرجۂ اُتم موجود ہیں۔ ذاتی صفات و عادات اگر دیکھی جائیں تو بلاشبہ اعلیٰ حضرت میں سلف کی تصویر نظر آتی ہے۔ عیش پرستی سے نفرت، عمل سے الفت، پبلک ضروریات کا زیادہ سے زیادہ پاس و خیال، مملکت کا کروڑوں روپیہ خدمت خلق میں بلا امتیاز مذہب و ملت صرف کیا جانا یہ وہ امور ہیں جن کی بنا پر آج اعلیٰحضرت خلد اللہ ملکہٗ و سلطنتہٗ کا شمار دنیا کے ممتاز بادشاہوں کی صف میں کیا جاتا ہے۔ آخر ایران و افغانستان میں وہ کونسی خصوصیات ہیں۔ جو میر عثمان علی خاں میں موجود بجز اس کے کہ وہ ہندوستان کے جکڑے ہوئے ملک میں رہتے ہیں۔

کیا اعلیٰ حضرت کی وہ خدمات جو آپ نے حکومت برطانیہ کے نازک ترادقات میں فرمائیں بھلائی جا سکتی ہیں۔ اگر اہل زمانہ کو یاد ہیں تو بلاشبہ حکومت کا فرض اولین ہے کہ جلد از جلد اعلیٰ حضرت کی خدمت میں ہز مجسٹی کا خطاب پیش کرے۔

عالم اسلامی اور اسلامی ہند کو اعلیٰ حضرت کی ذات شاہانہ سے جو گہری عقیدت و محبت ہے حکومت ہند اس سے اچھی طرح واقف ہے۔ اگر آج مسلمانان ہند کے جذبات کا امتحان کیا جائے تو وہ اپنے فرمانروائے دکن کیلئے اس خطاب سے بھی زیادہ پیش کرنے کو تیار ہیں۔ لہذا حکومت ہند کا فرض ہے کہ اپنے اس محسن اعظم کے ساتھ مسلمانان ہند کی عمیق خواہشات کے مطابق اس تحریک پر عملی قدم بڑھائے اور برار کا مستقبل بھی اسی عنوان سے طے کرے جو اعلیٰ حضرت کی شایان شان اور مسلمانان ہند کو مطمئن کرنے والا ہو۔ برار دکن کا جزو لاینفک ہے اور حکومت برار میں ایک اجارہ دار کی حیثیت رکھتی ہے۔ جب تک برار بلا کسی شرط کے اعلیٰ حضرت کو واپس نہ کیا جائیگا۔ عام و خاص ذمہ دار افراد کے خیالات حکومت ہند کی طرف سے بہتر نہ ہونگے۔

[illegible] مخلصانہ تحریک نے ایک بار پھر سارے ہندوستان کو اس مسئلہ کی طرف متوجہ کر دیا ہے۔ ملک کے ہر گوشہ میں اس [illegible]

میں کیوں مسلمان ہوا؟

ایک بصیرت افروز تقریر

مسٹر گابا کے خیالات

اسلام حقانیت و صداقت کی وجہ سے اس لامذہبیت کے دور میں بھی خدا کے فضل سے اسی طرح درخشاں و تاباں ہو رہا ہے۔ اور ان کور باطنوں کی قدرتاً دندان شکنی ہو رہی ہے جو اسلام کی ترقی شمشیر کی رہین منت قرار دے رہے ہیں۔ کاش ان متعصبین کو دماغ سلیم عطا ہوتا۔ اور وہ حق و باطل میں تمیز کر سکتے۔ اور دیدہ بینا سے ان حالات کا مشاہدہ کرتے۔ جو عہد حاضر کے مشاہیر لارڈ ہیڈلے اور خالد شیلڈ مارک وغیرہم کے نور ایمان سے منور ہونے کا سبب ہوئے۔ اور اب ٹائمز آف انڈیا بمبئی کے بالغ نظر ادر صاحب فہم و ہوش ایڈیٹر مسٹر ڈیر کے حلقہ بگوش اسلام ہونے کا سبب ہے اور اس کے بعد سابق وزیر تعلیم پنجاب کے چشم و چراغ مسٹر گھنیا لال گابا جو کامیاب بیرسٹر اور کئی کمپنیوں کے ڈائرکٹر ہیں۔ ایسے قابل ترین نکتہ رس معاملہ فہم اور حق جو کے قبول اسلام کا باعث ہوئے۔ ان شہادات پر بھی اگر تعصب کی عینک وہی کچھ دکھاتی رہے تو یہ اس کا خاصہ ہے۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم ۔ چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

ٹائمز آف انڈیا بمبئی کے فاضل مدیر نے اپنے قبول اسلام پر جن خیالات کا اظہار فرمایا وہ یہ ہیں۔

"اسلام نے ربوبیت کا جو فلسفہ پیش کیا ہے۔ وہ وحدت تامہ کی تفسیر ہے۔ میں عیسوی عقیدہ ربوبیت کو آج تک نہیں سمجھ سکا۔ کیونکہ وہ دوئی اور شرک کے احساسات سے معرا نہیں ہے۔

اسلام کی دوسری تعلیم یعنی رسالت کے متعلق مجھے یہ فیصلہ کرنے میں کوئی دشواری نہ ہوئی۔ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) خدا کے نبی ہیں۔ چونکہ بجز قرآن کے میں نے ہر آسمانی کتاب محرف پائی۔ اور میں نے سمجھا کہ علاوہ قرآن کریم تمام کتب سماوی میں خصوصاً عیسوی صحائف میں انسانی غلطیوں اور غیر ذمہ داریوں کا طومار عظیم ہے۔ اس لئے یہ انفرادی طور پر ہرگز الہامی کتب نہیں ہیں محض قرآن کریم نے مجھے اپیل کیا ہے۔ کیونکہ اس کے اندر انسانی تحریف نہیں۔ اور یہی کتاب سبق وحدت و اتحاد کیلئے موزوں ہو سکتی ہے۔"

یہ اس قسم کے واقعات ہیں جو دن رات پیش آتے رہتے ہیں۔ کوئی قصہ کہانی نہیں۔ اگر اسلام کو بزور شمشیر پھیلنے والا مذہب بتانے والے حضرات آنکھیں رکھتے ہیں۔ دل اور دماغ سے کام لے سکتے ہیں تو دیکھیں۔ سوچیں اور سمجھیں کہ مسٹر گابا اور مسٹر ڈیر کو کس تلوار نے مسلمان بنایا ہے وہ ربوبیت و رسالت کا فلسفہ اور قرآن کریم کی جامعیت وصحت کی تلوار ہے۔ نہ کہ فولادی اور آہنی۔"

مسٹر گابا جن کا اسلامی نام خالد لطیف گابا رکھا گیا ہے۔ نے شاہی مسجد لاہور میں نماز جمعہ کے ادائیگی کے بعد کم و بیش دس ہزار مسلمانوں کے مجمع میں اپنے خیالات کا بالفاظ ذیل اظہار فرمایا۔

پیارے بھائیو!! آپ نے میرے قبول اسلام پر جس محبت اور اخلاص سے میرا اور میرے اہل و عیال کا استقبال کیا ہے میری زبان اُس کے بے پایاں اثرات کے اظہار سے قاصر ہے۔ ع

دلِ من داند و من دانم و داند دلِ من

مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے کوئی درماندہ مسافر برسوں کی صحرا نوردی کے بعد دوبارہ اپنے گھر اور وطن میں پہنچے۔ کوئی بچھڑا ہوا بھائی اپنے بھائیوں میں آملے۔

اسلام کی عالمگیر اخوت کا اس سے بڑھ کر اور کیا مظاہرہ ہوگا کہ آپ اور میں کسی قسم کی اجنبیت محسوس نہیں کرتے۔ بھائی بھائی ہو گئے ہیں۔ خدائے برتر و بالا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے اپنے لاکھوں گمراہ بندوں میں سے مجھے انتخاب کیا۔ اور صراطِ مستقیم کی ہدایت دے کر دوسروں کیلئے مثال بنا دیا۔ تاکہ سب جان لیں کہ صداقت کا معیار سوائے اسلام کے اور کوئی نہیں۔ حضرات! جب بچہ پیدا ہوتا ہے۔ تو وہ کس طرح سے مکمل ہوتا ہے کیسی سندر صورت ہوتی ہے۔ پھول کی پنکھڑیوں جیسے لبوں پر کیسی من موہ لینے والی مسکراہٹ کھیل رہی ہوتی ہے۔ چہرے پر کیسی دلکش معصومیت برس رہی ہوتی ہے گوشت پوست سب کچھ ہوتا ہے۔ چھو سکتا ہے، سونگھ سکتا ہے۔ دیکھ سکتا ہے۔ غرض پانچوں حواس تمام ہوتے ہیں۔ سب جبلّی خواص موجود ہوتے ہیں۔ مگر ابھی فہم و ذکاوت سے بہرہ یاب نہیں ہوتا۔ کچھ عرصے کیلئے ہر چیز کو حیرانی سے دیکھتا ہے۔ مختلف چیزوں میں تمیز نہیں کر سکتا۔ مگر آہستہ آہستہ ماں باپ کو پہچاننے لگتا ہے۔ اشیاء کی ماہیت جاننے لگتا ہے۔ اور زندگی کے جادو سے اثر پذیر ہونے لگتا ہے۔ حضرات! اسی طرح انسان کی روحانی زندگی کا بھی بچپن ہو سکتا ہے۔ اور آدمی آہستہ آہستہ برسوں کے بعد اپنی روحانی منزل کو پہچاننے لگتا ہے۔ غفلت کی نیند سے بیدار ہو کر صداقت کی روشن دنیا میں سرگرم عمل ہونے لگتا ہے۔

میرے قبول اسلام پر ہندو جاتی میں بہت غیظ و غضب کا اظہار کیا گیا ہے۔ مجھے یاد نہیں آتا کہ ہندوؤں نے مجھ پر یہ کلوخ اندازی من حیث القوم شروع کر دی ہے۔ البتہ ایک امر میں مجھے ہندو پریس سے پورا اتفاق ہے۔ ہندو اخبارات نے صحیح لکھا ہے کہ میں کبھی بھی راسخ العقیدہ ہندو نہ تھا

اس وقت میری حالت ایک ایسے دل باختہ عاشق کی سی ہے۔ جسے کسی شہزادی سے محبت ہو گئی ہو۔ سنگ دل دنیا دار کیا کچھ نہیں کہتے۔ کوئی شہنشاہی کی تمنا کو عشق کا محرک گردانتا ہے۔ کوئی کہتا ہے اسے عشق نے اندھا کر دیا ہے۔ کوئی دماغ کا خلل بتاتا ہے۔ غرض جتنے منہ اتنی باتیں لیکن عشق کی حقیقت خشک منطق سے دریافت نہیں ہو سکتی۔ انوار سماوی کی بارش خورد بینوں سے نہیں دیکھی جا سکتی۔ جذبات کے بڑھتے ہوئے سمندر کو استدلال کے پیمانوں سے ناپنا ناممکن ہے ؎

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق　　عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی

میرے پیارے بھائیو! میرا یہ عشق نیا نہیں۔ میرے قلب میں اس آگ کی پہلی چنگاری آج سے پندرہ برس پہلے چمکی تھی۔ میں ان دنوں مصر میں تھا۔ اسلامی تہذیب و تمدن نے میرے دل پر ایک نقش دوام قائم کر دیا۔ آہستہ آہستہ یہ چنگاری سلگتی رہی۔ اور آخر اس آگ نے میرے قلب کے خس و خاشاک کو جلا کر راکھ کر دیا۔ اور آج میرا دل و دماغ اسلام کی صداقت سے تابندہ اور درخشاں ہے۔ مصر سے واپس آنے کے بعد جب کبھی [illegible] حضرت [illegible] کے سامنے جھک گیا ہے۔ مجھے یوں محسوس ہوا ہے کہ جیسے

مینارے مجھے انگلیوں کے اشارے سے بلا رہے ہیں۔ مؤذن مجھی کو پکار پکار کر کہہ رہا ہے۔ آؤ نماز کی طرف، نیکی کی طرف، فلاح کی طرف میرا دل میرے سینے سے نکل نکل کر ایمان والوں کی صفوں میں شریک ہونا چاہتا تھا۔ خدائے رحمان و رحیم کے اطاعت گذار بندوں میں داخل ہونا چاہتا تھا اگر باہر کی دُنیا کے لوگ معلوم کرنا چاہیں کہ میں نے اور مذاہب پر اسلام کو کیوں ترجیح دی ہے۔ تو میں مختصراً چند ایک وجوہ پیش کرتا ہوں۔

اَوّلاً مذہب اسلام کی سادگی اور مذاہب اسلام کے ارکان انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں۔ ان سب کی بنیاد دو اصولوں پر ہے۔ جو اسقدر واضح ہیں کہ ناقص ترین عقل والا آدمی بھی ان کو سمجھ سکتا ہے۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی نیابت الٰہی اور اس خدا کی وحدانیت جو نہ کسی کا باپ نہ بیٹا۔ جو نہ مٹی میں ڈھالا جا سکتا ہے نہ پتھر میں۔ جو ایک ہے اور ایک رہے گا۔

قُلْ ھُوَاللّٰہُ اَحَدٌ ط اَللّٰہُ الصَّمَدُ ط لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ ط وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ ط

میری دوسری وجہ ترجیح اسلام کی جمہوریت ہے۔ اسلامی مساوات، سوشلزم اور بالشوزم کی وہ مساوات نہیں۔ جو ناداروں کی خاطر داروں کو درندوں کی طرح ہلاک کرنا سکھاتی ہے۔ یہ عیسائیت کی مساوات بھی نہیں۔ جہاں سیاہ رنگ کے حبشی کو سفید رنگ کی عورت پر نگاہ ڈالنے کے جرم میں بے محابا قتل کیا جاتا ہے۔ اور کالے رنگ والے عیسائی خدا کی عبادت مخصوص گرجوں میں ہی کر سکتے ہیں۔ ہر مسلمان کیلئے ہر مسجد کے دروازے کھلے ہیں ؎

ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز ؛ نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی بندہ نواز
تری سرکار میں پہنچے تو سبھی ایک ہوئے ؛ بندہ و صاحب و محتاج و غنی ایک ہوئے

چونکہ یہ عالمگیر اخوت ان اصولوں پر مبنی ہے جن کا ذکر میں پہلے کر چکا ہوں لہذا اسلام میں قبول اسلام کی کوئی خاص رسم نہیں ان دو اصولوں کا اقرار و اعلان ہی کافی ہے یہی کلمہ ہے۔ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَ رَسُوْلُہٗ جس کے پڑھنے سے دُنیا کی اس سب سے بڑی برادری کی آغوش محبت کشادہ ہو جاتی ہے جس میں ہر انسان ہمرتبہ ہے۔ اور یہ محض نظریہ ہی نہیں۔ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے۔ نومسلم اسی دم مسجد میں اپنے بادشاہ کے پہلو میں کھڑا ہو سکتا ہے۔ اور ساتھ مل کر ایک ہی طشت میں کھانا کھا سکتا ہے۔

تیسری وجہ یہ بھی اسی اخوت کے احساس پر مبنی ہے۔ اسوقت ہندوؤں کے اچھوتوں کے مندر میں داخلہ کے مسئلہ پر بڑی لے دے ہو رہی ہے اسلام ان انسانیت سوز بحثوں سے پاک ہے۔ ہمارے مذہب کو چھوت چھات نے چھوا تک نہیں۔ ہندوؤں کا ایک فرقہ اچھوتوں کو شدھی کی چھو منتر سے چھوت بنا دینے کا دعویدار ہے۔ مگر یہ بیل منڈھے چڑھتی نظر نہیں آتی۔ کیونکہ اس میں دو باتیں بُری طرح حارج ہیں۔ اول تو یہ کہ ہندو پیدا ہوتا ہے بنایا نہیں جا سکتا۔ وہ فقط ہندو ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ ایک خاص گوتر ایک خاص ذات کے حلقہ میں پیدا ہوتا ہے اور یہ گوتریں اور ذاتیں درجہ بدرجہ ہیں۔ ہندو مت محض مردوں کے تناسخ اور تبدیلی کا قائل ہے۔ زندوں کی حالت نہیں بدل سکتا۔ کوئی شودر کھتری نہیں بن سکتا۔ کوئی کھتری برہمن نہیں ہو سکتا۔ ہاں سیاسی اغراض کیلئے شودر کو کچھ ظاہرداری کا سہارا مل جائے۔ تو الگ بات ہے۔ یا مہاتما گاندھی کو خودکشی سے بچانے کیلئے کچھ پچکار دیا جا سکتا ہے۔ مگر شودر کبھی ہندو کی سماجی زندگی میں برابر کا شریک نہیں ہو سکتا۔ کبھی نہیں ہو سکتا "شدھی" ہو جائے یا کچھ اور۔ دوسری رکاوٹ یہ ہے۔ کہ ایک انسان کا دوسرے انسان کو شدھ یا پوتر یعنی پاکیزہ بنانے کا عمل کبھی

مقبولیت حاصل نہیں کرسکتا۔ اس کا خیال ہی عقل و دانش کی ہتک ہے۔ مذہب کی تبدیلی خدا اور بندے کا اپنا معاملہ ہے۔ کیا یہ محض جسارت نہیں۔ کہ ایک انسان اپنے جیسے دوسرے انسان کو شدھ یعنی پاکیزہ بنانے کی صلاحیت رکھنے کا دعویدار ہو؟ اوروں کو پاکیزہ بنانے والے پہلے اپنی پاکیزگی کا تو ثبوت بہم پہنچائیں۔ ؎

تجھے کیا فکر ہے اے گل دل صد چاک بلبل کی ✤ تو اپنے پیرہن کے چاک تو پہلے رفو کرلے

ہمارے مذہب میں محض اعلان اسلام ہی سے برابر کے حقوق مل جاتے ہیں۔ یہاں کوئی پاکیزگی یا ناپاکی کا سوال نہیں اٹھتا۔ ان حالات میں اچھوتوں کو میرا پیغام یہی ہے کہ وہ اور تدبیریں چھوڑ دیں۔ اور اسلام کی طرف متوجہ ہوں۔ جو ان کے انتظار میں آغوش کشادہ کھڑا ہے وہ جس کو چاہیں چھوئیں۔ جس کے پاس چاہیں۔ اٹھیں بیٹھیں۔ نمازیں مقتدی بنیں یا امام۔ کسی پر کوئی بندھن نہیں۔ اچھا وہی ہے۔ جو متقی ہے۔ جو اپنے فرائض کو اچھی طرح سرانجام دیتا ہے۔ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ ط

میری چوتھی اور آخری وجہ ترجیح یہ ہے۔ کہ اسلام دور حاضرہ کی ضروریات کے عین مطابق ہے۔ اس عہد کی مشکلات کا حل کسی دوسرے مذہب کے پاس نہیں۔ آج دنیا اخوت اور مساوات چاہتی ہے۔ اسلام کے سوا یہ نعمتیں کہاں ہیں؟ اسلام کا معیار بزرگی تقوٰی ہے۔ اور کچھ نہیں سب سے اچھا وہ ہے جس کے اعمال سب سے اچھے ہیں۔ آج دنیا میں حقوق نسواں کی پکار ہے شادی کے رشتے نا استوار ہو رہے ہیں۔ اسلام عورت کو آزادی اور حقوق دلاتا ہے۔ اور مرد اور عورت کے ازدواجی تعلق کو عاقلانہ معاہدہ پر قائم کرتا ہے۔ اسلامی قوانین انسانوں کے لئے بنائے گئے ہیں فرشتوں کے لئے نہیں!

اسلامی سوسائٹی میں ہنگامہ پروری، تماشا کاری، ساز باز، زنا، بن بیاہی مائیں، اس قسم کے مسائل مفقود ہیں۔ آج دنیا مذہب کو راہبانہ خود فراموشی سے الگ کرنا چاہتی ہے۔ مگر ایک بڑی جماعت ایسے لوگوں کی ہے۔ جو ایمانداری اور نیکی کو عملی زندگی میں کار فرما ہوتا دیکھنا چاہتی ہے۔ اسلام ان ہر دو قسم کے لوگوں کیلئے مناسب ترین مذہب ہے۔ گرجے خالی ہیں۔ اور مساجد اہل ایمان سے آباد ہیں۔ اطاعت گذار بڑھتی ہوئی تعداد میں پانچ وقت خدا کے سامنے سربسجود ہوتے ہیں۔ اسلام پھر اسی پرانے رنگ میں اپنے پرانے عروج پر آرہا ہے دنیا میں کوئی ایک طاقت ایسی نہیں۔ جو اسلام کی طرح دنیا کی اقوام کے اقتصادی اور اخلاقی مسائل کا تسلی بخش حل کرسکے۔ آؤ! اس مقدس فرض کا سرانجام دینے کیلئے جسے آج سے تیرہ سو سال پہلے ہمارے پیغمبر عربی صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا ہم سب مل کر اپنی زندگی وقف کردیں۔

اے میرے عزیز بھائیو! سلسلہ کلام ختم کرنے سے پہلے میں پھر اس مسرت اور سرخوشی کے احساس کا اظہار کرنا چاہتا ہوں جو میرے دل میں آپ میں شامل ہونے سے موجزن ہے۔ میں خدائے برتر و بالا کے سامنے دست بدعا ہوں۔ کہ مجھے اسلام کی کسی ایسی خدمت کی توفیق عطا کرے۔ جو آپ کی اس خوش آمدید جیسی عظیم الشان اور رفیع المرتبت ہو۔ جس سے آپ نے مجھے اور میرے اہل و عیال کو نوازا ہے۔

(نیازمند خالد لطیف گوبا)

ایجاداتِ اسلامیہ

الجبرا کی بابت عیسائی مورخ جرجی زیداں کا خیال ہے۔ کہ مسلمانوں کی ایجاد ہے۔ عیسائی مورخ ڈاکٹر ڈریپر کا قول ہے۔ کہ گھڑی مسلمانوں کی ایجاد ہے۔ خلیفہ ہارون رشید نے ۸۰۷ء میں عیسائی بادشاہ شارلمین کے دربار میں ایک گھڑی بھیجی تھی تو درباریوں نے حیرت سے اسے جادو خیال کیا تھا۔

عیسائی مورخ ڈاکٹر لیبان موسیو سدیو کہتا ہے۔ کہ قطب نما جس کے بغیر سمندر کا راستہ طے ہونا ناممکن ہے۔ مسلمانوں کی ایجاد ہے۔

مشہور فرانسیسی مورخ موسیو سدیو لکھتا ہے کہ یوسف بن عمر نے ۸۰۰ء میں روئی کا کاغذ ایجاد کیا۔ نولدیکی مشہور یورپین لکھتا ہے۔ کہ رقوم ہندسہ عربوں نے اہل یورپ کو سکھایا ہے۔

عیسائی مورخ طامس بکل کہتا ہے۔ کہ اہل عرب نے علم رمل۔ نجوم کو ترقی دے کر سائنس کے درجہ پر پہنچا دیا ہے۔ ڈاکٹر ڈریپر کی تحقیقات سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ تیزاب عربوں کی ایجاد ہے۔

عیسائی مورخ جرجی زیدان کا مقولہ ہے کہ بارود مسلمانوں نے ایجاد کر کے یورپ کو سکھائی۔ اور خوبی یہ ہے کہ بارود کے اجزا آج بھی وہی ہیں۔ جو مسلمانوں نے ترتیب دئے تھے۔

ساری دنیا کو تسلیم ہے۔ کہ علم طب جس سے امراض بدن کا علاج ہوتا ہے۔ وہ اپنی موجودہ شکل میں مسلمانوں کی ایجاد ہے۔ مشہور مورخ مارگولیتھ لکھتا ہے۔ کہ صرف مسلمانوں کی بدولت یورپ میں فلسفہ یونان پھر زندہ ہوا۔

پروفیسر رینالڈ نکلسن کہتا ہے کہ مسلمانوں نے مختلف شعبہ جات علوم میں قیمتی اضافے کئے۔ کہ ان کا سب سے بڑا احسان یہ ہے۔ کہ انہوں نے بڑی فیاضی سے اپنے علوم اور فنون سکھائے۔

بندوق دنیا نے سب سے پہلے بابر کے ہاتھ میں دیکھی۔ جو اس کی ایجاد ہے یا کسی ترک کی۔

(ماخوذ)

ہم ار تاریخ کی ایک اخباری اطلاع مظہر ہے۔ کہ سناتن دہرم کالج کے پرنسپل مسٹر سرنداس خاں ایم۔ اے بھی حلقہ بگوش اسلام ہو گئے ہیں۔ انہوں نے بھی صداقت و حقانیت اسلام پر اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ جو مسٹر ڈیرا اور مسٹر گابا کر چکے ہیں۔ اللھم زد فزد

حکمت و موعظت

(۱)

اگر انسان اپنی کوتاہ اندیشی کی وجہ سے کوئی ایسی لغزش کر بیٹھے کہ جو تہذیب اخلاق اور مذہب کے سراسر منافی ہو۔ تو میری رائے میں وہ اعتراف قصور کر کے اپنے جرم کی اہمیت کو بہت کچھ گھٹا سکتا ہے۔ اور اگر وہ خلق خدا کو ان ذرائع اور نتائج سے باخبر کر دے۔ جو اس کی تباہی کے ضامن ہوئے۔ مگر اس اعتراف کا انداز واعظانہ پند و نصیحت سے قطعی جدا ہو۔ زاہدانہ ریاکاری نہ ظاہر کی جائے بلکہ صاف الفاظ میں کہا جائے۔ کہ ان ان تاثرات نے میری اس فطرت سے جو ہر انسان کی کمزوریوں کی ضامن ہے فائدہ اٹھایا۔ ان ان خیالات نے اور ان ان رسائل نے میری گمراہی میں امداد دی۔ اور میری ہر لغزش کا نتیجہ یہ ہوا۔

(۲)

میرا ذاتی تجربہ ہے۔ کہ جسقدر تکلیف اور مصائب (عام اس سے کہ ان کا تعلق اخلاقی پستیوں سے ہو یا مالی اور مذہبی نقصانات سے) میں نے اٹھائے ان سب کے ذمہ وار "میرے دوست" ہیں۔ سوسائٹی کی تمام خرابیاں مجھ میں صرف اس وجہ سے پیدا ہوئیں۔ کہ میں سوسائٹی کی پیروی لازم سمجھتا رہا۔ جو صلاحیں اور مشورے مجھے میرے دوستوں نے دیئے۔ ان سے ہمیشہ میرے دوستوں کے اغراض و مقاصد کی تکمیل ہوئی۔ اگر آپ دنیا میں کامیاب ہونا چاہتے ہیں۔ تو اپنے دوستوں کے انتخاب میں نہایت احتیاط سے کام لیجئے۔

(۳)

اگر خدا نے آپ کو دولت دی ہے۔ تو ان لوگوں کی صحبت سے اجتناب کیجئے۔ جو آپ کو دولتمند سمجھتے ہیں۔ اگر آپ زندگی کے کسی شعبہ میں کامیاب اور باکمال ہیں۔ تو ان لوگوں سے جو آپ کی کامیابی اور کمال کے مداح ہیں بچنے کی کوشش کیجئے۔ اگر آپ حسن صورت اور حسن سیرت میں یکتا ہیں تو پرہیز کیجئے۔ ان لوگوں کی صحبت سے جو آپ کی صورت اور سیرت کی تعریف کرتے ہیں۔ اگر آپ میں کوئی خوبی ہے۔ تو اسے مکمل نہ سمجھئے۔ جس خیال نے شیطان کو ملعون اور مردود قرار دیا۔ وہ اس کا وہ احساس تھا۔ جو اُسے فرشتہ بنا کر پیش کر رہا تھا۔

(۴)

آپ کا سب سے بہتر دوست اور سب سے بڑا ہی خواہ وہ شخص ہو سکتا ہے۔ جو ہر رائے اور ہر مشورے میں آپ کے خیالات سے اختلاف کرتا ہے۔ جو آپ کی کمزوریاں کو آپ کے سامنے بیان کر سکتا ہے۔ اور جو نہ تو آپ کی دولتمندی سے مرعوب ہوتا ہے نہ آپ کے کمالات سے۔ جس کی نگاہوں میں آپ کا کمال نامکمل ہے۔ اور آپ کی دولت ناقابل توجہ۔ جو آپ کے احساسات اور جذبات کا خیال کر کے [illegible] اظہار حق [illegible] سمجھتا ہے۔

سمجھنے، سوچنے اور غور کرنے کی باتیں

اختلاف رائے کے باوجود اتحاد عمل

(برادرانِ قریش کی خاص توجہ کے قابل)

تاریخ بین طبقہ کی دُور رَس نظروں کے سامنے ہے۔ کہ ہر قوم کی ترقی کا راز محض "اتحادِ عمل" کے نکتہ میں مذکور ہے۔ جب کسی قوم کا ستارۂ اقبال عروج پر آتا ہے۔ تو سب سے پہلے اُس میں "اتحاد فی العمل" کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اختلاف رائے تو ایک فطرتی چیز ہے۔ اس سے کوئی قوم کوئی گروہ کسی ملک کے باشندے کسی زمانہ کے لوگ حتیٰ کہ کوئی شخص بھی خالی نہیں۔ جب کہ دماغوں کی ساخت مختلف ہے۔ مزاجوں کی کیفیت جداگانہ ہے اور قسام ازل نے حسن اتفاق سے عقل و فہم کی تقسیم بحصّہ مساوی نہیں کی۔ تو رائوں میں اختلاف ہونا ناگزیر ہے۔ مگر "عمل" انسان کے اختیار کی بات ہے۔ اپنی اپنی رائے کا متحد کر لینا تو غالباً کیا یقیناً انسان کی قدرت سے باہر ہے۔ مگر اپنی رائے کے خلاف بھی عمل کرنا انسان کے اختیار میں ہے اور یہی وہ چیز ہے جو ذلیل سے ذلیل قوم کو عزت عظمت کے انتہائی مراتب تک پہنچا دیتی ہے جب ایک طریقہ کار کسی قوم کے سامنے رکھدیا جاتا ہے اور اس قوم کے تمام افراد بلا استثنا خواہ اُن کی رائے اس طریق کار کے مخالف ہو یا موافق اس پر عمل پیرا ہوتے ہیں۔ تو کامیابی یقینی ہوتی ہے۔ ترقی و ترفع کے لئے اتحادِ رائے ضروری ہے۔ بلکہ "اتحادِ رائے" تکلیف مالا یطاق ہے اور "اتحادِ عمل" اختیار کی چیز ہے۔

برادرانِ اسلام! اتحادِ عمل وہ نکتہ ہے۔ کہ تمام قومی ترقی اور ملکی عروج کا دارومدار اسی میں مخفی ہے۔ آؤ اور دیکھو مسلمانانِ خیر القرون کے اختلاف رائے اور اتحادِ عمل کو قرونِ نبوی علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور قرونِ صحابہ کے اختلاف رائے کے باوجود اتحادِ عمل کو اس لئے دیکھو کہ نبی کریم صلی اللہ کی اتباع کا حکم قرآن عزیز میں خدا تعالیٰ کی طرف سے آچکا ہے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اتباع کا حکم حدیث شریف میں سرکارِ دو عالم جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے آچکا ہے۔

مسلمانوں کے ہر شعبۂ زندگی کیلئے نبی کریم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک نمونہ ہیں۔ انسان کی معاشرت اور تمدن کی ہر ضرورت کو آپ نے بنفسِ نفیس پورا کر کے دکھا دیا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم جو اس نمونہ مقدس کی شرح ہیں۔ انہوں نے اس اجمال کی تفصیل کر کے دکھا دی۔ ہم ہندوستان کی مسلمان قومی ترقی کیلئے بیقرار ہیں۔ اور موجودہ تنزل پر روتے ہیں۔ مختلف اسباب پر بحث کرتے ہیں۔ مگر میں اس وقت قرونِ اُولیٰ کی دو چار نظیریں جو قومی ترقی کے محور کا نقطہ ہیں پیش کرتا ہوں تاکہ سب ملک ان پر غور کریں اور سمجھے سمجھائے نکتہ پر عمل کرنے کی کوشش کریں۔ آج ہم اس نکتہ "اتحادِ عمل" سے اتنے دور ہو گئے ہیں۔ کہ گویا ہمارے دائرہ کو اس نقطہ سے کبھی تعلق ہی نہ تھا۔

جناب نبی کریم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے سفر کرتے ہیں۔ اور حال [illegible]

کا شوق ہے۔عشق الٰہی کے جذبہ سے بھرا ہوا حاملان توحید کا یہ گروہ حدیبیہ تک پہنچا تھا)۔کفّارِ قریش سدّراہ ہو گئے حلقہ بگوشیان رسولؐ میں ہر ایک سر بکف ہے۔کہ ایک کسی دشمن کے روکے نہیں رُک سکتے مگر رحمت عالم قریش کی جہالت کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے معاملہ کو سُلجھانا چاہتے ہیں۔بالآخر طرفین کی گفت و شنید کے بعد ایک معاہدہ طے ہوتا ہے۔معاہدہ کی شرائط سے بجز صدیق اکبرؓ کے سب کو اختلاف ہے۔چوٹی کے رکن اسلام اور سر برآوردہ حضرات اختلاف رائے رکھتے ہیں۔مگر جب معاہدہ تیار ہو جاتا ہے تو پھر بھی مخالفت کرنے والے حضرات سب سے بڑھ کر دفعات معاہدہ کی پابندی پر سرگرم عمل نظر آتے ہیں اختلاف رائے کے باوجود اتحادِ عمل کا ایک نمونہ اپنی آنے والی نسلوں کیلئے تیار کر دیتے ہیں۔اور کیا عجب ہے کہ خدا نے ان کے اس جذبہ اتحادِ عمل ہی کی بدولت اس معاہدہ کو جس کو اپنے پرائے یگانے بیگانے سب کے سب ذلّت کا معاہدہ سمجھ رہے تھے۔عزت سے بدل دیا ہو۔اور کیا عجب ہے کہ آیت کریمہ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیعًا کی ایک یہ بھی تفسیر ہو۔کہ جب مسلمانوں کیلئے ایک طریقہ کار مقرر ہو جائے۔تو سب مل کر اس پر عمل کریں۔اتفاق رائے ہو جب اور اختلاف رائے ہو جب بہرحال عمل سب کو کرنا چاہیئے۔آپ نے دیکھا کہ اس اتحادِ عمل نے شکست کو فتح سے بدل دیا۔اور ہزیمت نصرت سے بدل گئی۔ذلّت عزت کی جگہ بدل گئی۔ذلّت کی جگہ عزت آ گئی۔یہاں تک کہ خدا تعالیٰ نے اسی معاہدہ کو جسے لوگ ذلیل سمجھ رہے تھے۔فتح و نصرت سے تعبیر فرمایا ہے۔

نبی کریم محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی وفات کا سانحہ روح فرسا جس نے اچھے اچھوں کو حواس باختہ کر دیا۔پیش آتا ہے۔ یہ وہ مصیبت عظمیٰ ہے۔جس سے بڑھ کر مسلمان کیلئے اور کوئی ابتلاء پریشانی مصیبت ہو ہی نہیں سکتی۔خود ارشاد ہوئی ہے مسلمانوں کے لئے اس سے بڑھ کر کوئی مصیبت نہیں۔کہیں ان میں نہ ہوں او کما قال فاروق اعظم خنجر بکف ہیں۔اور فرماتے ہیں کوئی نہ کہنے پائے۔کہ محمد صلّی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی۔اہل بیت سوگ میں ہیں۔صدیق اکبر ممبر نبوی پر خطبہ دے رہے ہیں سقیفہ بنی ساعدہ میں جانشینی کے مسئلہ پر بحث ہو رہی ہے۔انصار و مہاجرین اپنے اپنے حقوق پر اڑے ہوئے ہیں۔قریب ہے کہ اس میں اخاتی گروہ میں تلوار چل پڑے حضرت عمر و صدیق اس مجلس میں پہنچتے ہیں مختصر سی تقریر کے بعد خلافت صدیقیت پر بیعت شروع ہو جاتی ہے۔بقول بعض ارباب سید قوم کے بڑے بڑے سر برآوردہ افراد مثلاً حضرت عباس۔حضرت علی وغیرہ خلافت کے دعویدار ہیں۔مگر جب ایک مجلس میں مسلمانوں کے لئے یہ طریقہ کار طے پا جاتا ہے۔کہ اب تو صدیق اکبر جانشین رسول اللہ ہو گئے۔تو پھر اعتراض کرنے والے حضرات بھی خلافت صدیقیت کے دست و باز و نظر آتے ہیں۔حضور نبی کریم محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی وفات کے بعد یہ پہلا موقع ہے۔کہ حلقہ بگوشیاں اسلام نے اختلاف رائے کے باوجود اتحادِ عمل کا نمونہ پیش کیا۔اور جب سر کے سب موافق و مخالف متحد فی العمل ہو گئے۔تو کون نہیں جانتا۔کہ خلافت صدیقیت کیسی کچھ کامیاب ثابت ہوئی۔غرض یہ ہے۔کہ اتحادِ عمل وہ نعمت غیر مترقبہ ہے۔کہ اس کا مقابلہ دُنیا میں کوئی تدبیر نہیں کر سکتی۔

نبی کریم محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم نے مرض موت سے کچھ ہی پہلے ایک لشکر ترتیب دیا تھا۔جس کے سپاہیوں میں صحابہ بدر و صحابہ احد اور وہ صحابہ جو بیعت سجدہ کر کے رضائے الٰہی کا تمغہ حاصل کر چکے تھے۔بھرتی کئے گئے تھے۔اور سرکردہ لشکر ایک نوعمر بچّہ ۱۸ سالہ ناتجربہ کار اسامہ کو تجویز کر کے سلام کی طرف روانہ فرمایا تھا۔ابھی یہ لشکر مدینہ سے نکل کر فضائے شہر ہی میں خیمہ زن تھا۔کہ حضور سرور عالم صلّی اللہ علیہ وسلم کے مرض اور مرض میں شدّت شروع ہو گئی۔اس لشکر نے ارادۂ سفر ملتوی کر دیا۔کہ اس مرض کا نتیجہ دیکھ لیا جائے۔کہ اسی مرض میں سانحہ

وفات پیش آ گیا۔ صدیق اکبر نے سوگ رسول سے فارغ ہوتے ہی بوریائے خلافت پر بیٹھ کر سب سے پہلے جو حکم نافذ کیا۔ وہ اس لشکر کی روانگی تھا۔ بڑے بڑے سربرآوردہ اور تجربہ کار حضرات وہ صائب الرائے جس کی اصابت رائے پر کئی بار وحی کی مہر تصدیق ثبت ہو چکی تھی۔ اس کے خلاف رائے رکھتے تھے۔ ایک تو اس وجہ سے کہ حضور نبی کریم کی بات تو تھی اور۔ اور اب بات ہے اور۔ اس لشکر میں بڑے بڑے محترم بزرگ شامل ہیں ان کو ایک بچہ کی قیادت میں سمجھنا قرین مصلحت نہیں۔ دوسرے اس وجہ سے کہ خود ملک عرب میں واقعہ وفات پیش آجانے کی وجہ سے کھلبلی مچی ہوئی ہے۔ شورش کی آگ مشتعل ہو رہی ہے۔ ایسے وقت میں ایک بڑی جمعیت کا مدینہ سے دور دراز مقام پر بھیجنا دانشمندی اور دور اندیشی سے بعید ہے۔ مگر جب صدیق اکبر نے کہا۔ کہ جس کام کو خدا کا رسول شروع کر چکا اس کو ابوقحافہ کا بچہ کیسے روک سکتا ہے۔ تو سب کے سب خاموش ہی نہیں ہوئے بلکہ باوجود اختلاف رائے کے آپس بھی متحد فی العمل ہو گئے۔ اس اتحاد عمل ہی کا یہ ثمرہ تھا۔ کہ بڑے بڑے سیاستدان اس لشکر کی روانگی کو رعب اسلام کا ایک بڑا سبب سمجھتے ہیں۔

صدیق اکبر بوریائے خلافت پر رونق افروز ہیں۔ عرب کے گوشہ گوشہ سے ارتداد اور شورش کی خبریں آرہی ہیں۔ ایک طرف مسلمہ کذاب نے علم نبوت بلند کیا ہے۔ تو دوسری طرف اسود عنسی نبوت کا جھنڈا لئے کھڑا ہے لوگ حیرانی میں ہیں۔ کینہ توز اہل کتاب کو بھی مسلمانوں کے دبا لینے کا موقعہ ہاتھ آیا ہے۔ غرضیکہ تمام ملک میں بے چینی کا ایک سمندر ہے۔ جو اس سرے سے لیکر اس سرے تک ٹھاٹھیں مارتا ہوا مسلمانوں کو مرعوب کرنا چاہتا ہے۔ مدینہ کی ایک بڑی جمعیت اسامہ کے نام سے روانہ ہو چکی ہے مجلس مشاورت گرم ہے۔ اسلام کے بڑے بڑے رکن ملک کی حالت پر سرگرم مباحثہ ہیں منجملہ اور مسائل کے تعین زکوٰۃ کا مسئلہ بھی پیش ہے۔ اور اکثر اہل الرائے اس طرف ہیں کہ ایسی شورش کی بھڑکتی ہوئی آگ میں جبکہ توحید الٰہی کے لالے پڑے ہیں اور رسالت محمدی کا سنبھلنا مشکل ہو رہا ہے۔ ان مانعین زکوٰۃ سے چشم پوشی کی جائے۔ یہ لوگ مال کے لالچ سے صرف زکوٰۃ کا انکار کر رہے ہیں۔ ویسے توحید و رسالت میں تو ہمارے دوش بدوش ہیں مگر جب صدیق اکبر کا تدبّر فی الدین اور تصلب فی الاسلام اس مجلس میں یہ آواز بلند کرتا ہے کہ زکوٰۃ بھی اسلام کا ایک رکن ہے۔ اسکا منکر بھی اسلام کا منکر سمجھا جاتا ہے جب تک صدیق کے گلوں میں دم ہے وہ ہر منکر اسلام سے برسرپیکار رہیگا۔ تو سب کے سب باوجود اختلاف رائے کے آپس متحد فی العمل ہو جاتے ہیں۔ یہ اتحاد عمل ہی کا ثمرہ تھا۔ کہ جب مدینہ کے مسلمانوں نے منکرین زکوٰۃ پر بھی "جہاد" بول دیا۔ تو بقول شخصے زکی مارا نار فی کا بیا منکران توحید و رسالت لرزہ براندام ہو گئے۔ اور اس اتحاد عمل نے اسلام کا سکہ ازسرنو قلوب بنی آدم پر جما دیا۔ یہ اور اس قسم کی ہزاروں نظیریں قرون نبوی و قرون صحابہ میں اختلاف رائے کے باوجود اتحاد عمل کی ایک متلاشی کو ملیگی۔ مگر آہ آج ہم مسلمان اور بالخصوص ہندوستان کے مسلمان اس دولت عظمیٰ سے ایسے بے نصیب ہو گئے ہیں کہ ہمارا کوئی گروہ کوئی جتھہ، کوئی قبیلہ، کوئی خاندان ایسا نہیں۔ جو اس زرّیں اصول کو باوجود سمجھنے کے اس پر عمل کرتا ہو ہماری مجلسیں منعقد ہوتی ہیں جلسے ہوتے ہیں۔ لیکن نتائج اظہر من الشمس ہے مجلس ختم ہونے پر جسکی جو رائے ہوتی ہے وہ اسی کو صائب سمجھتا ہوا اپنی جگہ جاتا ہے مجلس کے طے شدہ فیصلہ کو ٹھکرا کر اپنی ہی رائے پر عمل کرتا ہوا نظر آتا ہے ایک وہ وقت تھا کہ باوجود اختلاف رائے کے بھی عمل میں مختلف میں کیسی الٹی گنگا بہ رہی ہے جبھی تو کھیتیاں خشک ہوتی چلی جاتی ہیں۔

میں جانتا ہوں کہ میری آواز میں زور نہیں میں سمجھتا ہوں کہ میرا کچھ کہنا صدا بصحرا سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا مگر کیا کروں سینہ میں دل ہے اور دل میں درد ہے اسلام کچھ نہیں نہیں، مسلمانوں کی تباہی کا نقشہ سامنے ہے۔ اسلئے اپنی گمنام شخصیت کا لحاظ رکھتے ہوئے بھی قوم کے معزز رہبروں سے اس اپیل پر مجبور ہوا ہوں۔ خدا کیلئے کسی ایک ٹیبل سے زیادہ نہیں اور زعماء کے خاص خاص مسائل میں باوجود اختلاف رائے کے اپنے آپس میں متحد فی العمل ہو کر کم سے کم

آج اور کل

(جناب محمد اسد خاں صاحب بی۔ اے ملتان)

آج تیرا دل ہے کافر کل مسلماں تھا تو کیا
اب گمان آباد ہے کل شہر ایماں تھا تو کیا

آج تیرے دل میں بھی اسکی جھلک باقی نہیں
کل ترے چہرے سے نورِ حق نمایاں تھا تو کیا

آج چشمِ جہل کا حسرت بھرا آنسو ہے یہ
کل ترا دل گوہرِ دریائے عرفاں تھا تو کیا

آج تجھ کو اپنے گھر کا راستہ ملتا نہیں
کل اگر تو رہنمائے نوعِ انساں تھا تو کیا

آج تو یکسر رہینِ منتِ اغیار ہے
کل ہر اک گردن پہ تیرا بارِ احساں تھا تو کیا

آج تیرے حامیوں کے لب پہ ہے شکوہ ترا
کل مخالف بھی اگر تیرا ثنا خواں تھا تو کیا

آج پاؤں پر کھڑے ہونیکی طاقت بھی نہیں
کل تو اپنی قوتِ بازو پہ نازاں تھا تو کیا

آج تیرا بار اُٹھانے سے زمیں بیزار ہے
کل جو دَورِ چرخ تیرے زیرِ فرماں تھا تو کیا

آج تو دوشِ ہوا پر ہے ترا مُشتِ غبار
کل ترے قبضے میں گر تختِ سلیماں تھا تو کیا

آج تجھ کو دیکھتا ہوں میں غلاموں کا غلام
کل جو ہفت اقلیم میں تو شاہِ شاہاں تھا تو کیا

آج دُنیا میں ترا جینا بھی مشکل ہو گیا
کل سب تجھے حق کیلئے مرنا بھی آساں تھا تو کیا

آج صحرا میں پریشاں ہیں ترے نالے اسد
کل جو تو صحنِ گلستاں میں غزلخواں تھا تو کیا

آہ - وہ شانِ خودداری

تاریخ اسلام کا ایک دلچسپ ورق

مسلمانوں کے ہاتھوں بویب کے مقام پر عجمیوں کو جو شکست نصیب ہوئی۔ اس نے ان کے تمام حوصلوں کو پست کر دیا تھا۔ اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ آئندہ عربوں کے ساتھ مقابلہ کیلئے آئیں لیکن ابھی فارس کی سلطنت موجود تھی۔ اور رعایا حکام کو ملک کی حفاظت کیلئے مجبور کر رہی تھی۔ اور اس لئے جنگ سے پہلے یہ سمجھتے ہوئے کہ عربی افواج محض طمع زر کی ماتحت نقل و حرکت میں مصروف ہیں۔ انہوں نے مناسب سمجھا کہ انہیں زر و جواہر سے مسخر کر لیا جائے۔ اس سلسلہ میں کئی مرتبہ مسلمانوں کو دعوت دی گئی۔ چنانچہ سعد بن ابی وقاص کے پاس جب ایرانی سپہ سالار رستم کا پیغام صلح پہنچا۔ تو پہلی مرتبہ ربعی بن عامرہ گفتگوئے مصالحت کیلئے بھیجا گیا۔ انکی حالت یہ تھی۔ کہ بدن پر عرق گیر کی زرہ پہنے ہوئے تھے۔ اسی کا ایک ٹکڑا سر سے لپٹا ہوا تھا۔ اور تلوار بجائے نیام کے ایک بوسیدہ کپڑے میں لپٹی ہوئی تھی۔

ایرانیوں نے نمائش اور لین دین کی نیت سے آج دربار کو پر لطف طریقہ پر آراستہ کیا تھا۔ دیبا کا فرش زریں گاؤ تکیے حریر کے پردے اور صدر میں مرصع تخت ربعی دربار کے قریب آ کر گھوڑے سے اترے اور باگ ڈور کو گاؤ تکیے سے اٹکا دیا۔ اندر داخل ہونے تو قاعدہ کے مطابق اسلحہ باہر چھوڑ جانے کیلئے کہا گیا۔ انہوں نے کہا کہ میں بلایا ہوا آیا ہوں تم کو اسطرح میرا آنا منظور نہیں تو میں واپس چلا جاتا ہوں بہرحال اجازت دیدی گئی اور آپ نہایت بے پروائی کے ساتھ آہستہ آہستہ تخت کی جانب بڑھے۔ اسطرح کہ برچھی جو بجائے عصا ہاتھ میں تھی اسکی انی فرش میں پیوست کرتے چلتے تھے۔ جس سے تمام فرش اور قالین جگہ جگہ سے کٹ کر بیکار ہو گئے۔ قریب پہنچ کر نیزہ مارا جو فرش سے گزر کر زمین پر استادہ ہو گیا۔

رستم نے دریافت کیا "اس ملک میں کیوں آئے ہو؟" ربعی بن عامرہ "اس لئے کہ مخلوق کی بجائے ایک خالق کی عبادت کی جائے" رستم نے جواب دیا "میں ارکان سلطنت سے مشورہ کر کے جواب دونگا" درباری بار بار ربعی کے اسلحہ کو دیکھتے اور کہتے کہ کیا اسی سامان پر تسخیر ایران کا ارادہ ہے؟ لیکن جب ربعی نے تلوار نیام سے نکالی تو آنکھوں کے سامنے بجلی سی کوند گئی۔ اس کی برش کو آزمانے کیلئے ڈھالیں منگائی گئیں۔ تو ربعی نے چشم زدن میں ٹکڑے اڑا دیئے۔ ربعی واپس آ گئے۔

اخیر سفارت میں مغیرہ گئے۔ اسدن بھی ایرانیوں نے انہیں مرعوب کرنے کیلئے پوری شان و شوکت کا اظہار کیا لیکن مغیرہ نے کسی جانب التفات نہیں کیا۔ اور گھوڑے سے اتر کر سیدھے صدر کی طرف بڑھے اور رستم کے زانو سے زانو ملا کر بیٹھ گئے اس جسارت پر تمام دربار برہم ہو گیا حتیٰ کہ چوبداروں نے بازو پکڑ کر انہیں تخت سے اتار دیا۔ مغیرہ نے معززین دربار کی طرف خطاب کر کے کہا کہ خود میں نہیں آیا بلکہ تم نے بلایا تھا۔ اسلئے مہمان کیساتھ یہ سلوک زیبا نہ تھا۔ تمہاری طرح ہم لوگوں میں یہ دستور نہیں کہ ایک شخص خدا بنکر بیٹھے اور تمام لوگ بندوں کی طرح اسکے روبرو گردنیں جھکائیں سب لوگ نادم ہوئے اور رستم نے کہا کہ یہ نوکروں کی غلطی ہے بہر بے تکلفی کے لہجہ میں مغیرہ کے ترکش سے تیر نکالے اور دیکھ کر کہا۔

اہم تاریخی وقائع اسلام

(ازجناب مولانا محمد عبید اللہ صاحب فرحتی عباسی)

محتاج وہ نہیں کسی فخرِ مزید کا — جس کو شرف ملا ہے محمد کی دید کا

آدم کی نسل سے ہیں سب انساں جو دیکھئے — اعمال سے ہے فرق شقی و سعید کا

گر دخلیلؑ کا تھا پدر، نوحؑ کا پسر — یہ مسئلہ ہے صاف کلام مجید کا

بوبکر کو امام بنایا نبی نے خود — پھر کام کیا غدیر کی گفت و شنید کا

اوّل امیر نائب ثانی عمرؓ ہوئے — صادق ہے جن پہ لفظ امیر و شہید کا

مل جاتی گر علیؓ کو خلافت عمرؓ کے بعد — ہو جاتا سدِّ باب فسادِ شدید کا

ظالم تھے جو شریک تھے عثماں کے قتل میں — قاتل ہر اک لعین تھا حسینؓ شہید کا

سب ہاشمی نشانہ تھے امیّہ کے ظلم سے — عباسیوں نے خوں کیا آل یزید کا

عباسیوں نے آل علیؓ سے نہ کچھ لیا — بدلا لیا حریفوں سے ظلم شدید کا

عبد الملک کے نام کا سکّہ رواں کیا — بانی تھا ابن یوسف اِس امر جدید کا

اعراب کل صحیفۂ قرآن پر لگائے — حجاج مرتکب تھا اس امرِ مفید کا

اسپین و ہند فتح ہوئے اُس کے حکم سے — افسر تھا جب وہ لشکرِ شاہِ ولید کا

اہل عرب کو جس نے سکھائے علوم دہر — یہ کام تھا خلیفہ ہاروں رشید کا

بغض و حسد سے کھوئی خلافت عرب نے حیف — صادق خدا نے قول کیا ما یرید کا

باہر رکھے نہ پاؤں رہِ مستقیم سے — ہے جس کو خوف نعرۂ ہل من مزید کا

رشک و حسد کا کوئی نہیں فرحتی علاج
بغض و فساد کام ہے مفسد مرید کا

بصائر و عِبر

تاجداروں کی فقیرانہ زندگی

ذیل کے مضمون میں اہلِ نظر کیلئے درسِ عبرت اور کوتاہ بین اور کورچشمی کیلئے سرمۂ بصیرت موجود ہے۔ تاریخی شواہد اور حقائق کی روشنی مظہر ہے کہ بندگانِ خدا نے اپنی زندگیاں کس طرح بسر کیں۔ اور ہم کس طرح کر رہے ہیں۔ انسانی فرائض کیا تھے اور کیا قرار دے لئے گئے ہیں۔ وُہ تاجور و حکمران تھے کہ باوصف خوفِ خدا کسقدر لرزاں و ترساں تھے اور ہم کسقدر بیباک و بے رحم واقع ہوئے ہیں وہ ایک اشارہ میں زیر و زبر کر دینے پر قادر ہونے کے باوجود خدمتِ خلق اللہ میں سعادتِ دارین سمجھتے تھے۔ اور ہم شبانہ روز دل آزاری کے منصوبوں میں غرق ہیں۔ اور انہی امور کو نجاتِ اُخروی سمجھے ہوئے ہیں۔ اے کاش دیدۂ بینا اور چشمِ بصیرت نصیب ہوتی اور ہم اپنے اعمال و افعال و کردار و اطوار کا جائزہ لینے کے قابل ہوتے۔ کاش دماغ سلیم ہوتا اور تدبر و تفکر اور غور و تعمق سے دیکھ سکتے۔ کہ ہم نے صبح سے شام تک کسقدر حق العباد ادا کئے اور کتنے بندگانِ خدا کی دل آزاری کا موجب ہوئے۔ عقل ہے تو سوچو۔ آنکھیں ہیں تو دیکھو، کان ہیں تو سنو اور غور کرو کہ وہ کیا تھے۔ اور کیا کر گئے۔ اور ہم کیا ہیں اور کیا کر رہے ہیں۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔

سلطان ابراہیم غزنوی[۱] جو اپنے دادا سلطان محمود غزنوی کی طرح ہندوستان پر حملہ آور ہوتا رہا۔ اوائلِ شباب ہی سے بدرجہ اتم پرہیزگار و زاہد تھا۔ لذاتِ نفسانی سے کنارہ کشی اختیار کر کے ہر سال میں تین مہینے کامل روزے رکھا کرتا تھا یعنی ماہ رمضان کے ساتھ ماہ رجب اور شعبان کے دنوں میں بھی صائم رہتا تھا۔ نماز کا سختی سے پابند تھا معدلت گستری اور عدل پروری میں بہت نیک نام تھا۔ رحمدل اس درجہ تھا۔ کہ جب ایک بڈھے شخص کو عمارتِ سلطانی کیلئے مزدوری کرتے اور پتھر ڈھوتے دیکھا۔ تو مساوات کے خیال سے چونک اُٹھا۔ اور مزدوری اس سے ترک کرا کے اس کا ماہانہ مقرر کر دیا۔ داد و دہش میں خزانوں کے منہ کھول دیتا۔ اور وعظ و نصیحت کی مجلسیں منعقد کرا کے لوگوں کی اخلاقی و روحانی غذا بہم پہنچاتا خط اس کا نہایت اچھا تھا۔ ہر سال ایک قرآن شریف مکّہ معظمہ اور ایک مدینہ منوّرہ میں پہنچایا کرتا تھا۔

شمس الدین التمش کا نام اکثر لوگوں نے سنا ہوگا۔ سلطانہ رضیہ بیگم کی پُر جلال حکومت سے بھی تاریخ دان لوگ واقف ہیں۔ التمش کے بیٹے اور رضیہ بیگم کے بھائی سلطان ناصر الدین محمود[۲] کا تھوڑا سا ذکر کیا جاتا ہے۔ جو غالباً ہندوستان کی اسلامی حکومت میں لاثانی بادشاہ ہو گذرا ہے۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ یہ بادشاہ خزانے سے ایک کوڑی بھی ذاتی مصرف میں نہیں لاتا تھا۔ بلکہ عام لوگوں کی طرح مزدوری کرتا اور اپنا پیٹ پالتا تھا۔ چنانچہ ہر سال دو کلام مجید لکھا کرتا تھا۔ اور ان کے زرِ ہدیہ سے اپنے اخراجات پورے کرتا تھا

---

[۱] ظہیر الدولہ سلطان ابراہیم بن سلطان مسعود بن سلطان محمود غزنوی تخت نشینی سنہ ۴۵۰ھ وفات سنہ ۴۸۱ھ

[۲] تخت نشینی سنہ ۶۴۴ھ وفات سنہ ۶۶۴ھ

ایک دفعہ ایک امیر نے اس خیال سے کہ یہ کلام اللہ بادشاہ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے۔ بہت زیادہ ہدیہ دے کر لے لیا۔ بادشاہ کو خبر ہوئی فرمایا۔ آئندہ پوشیدہ طور پر کلام مجید ہدیہ ہوا کریں۔ تاکہ اصلی ہدیہ سے کوئی زیادہ نہ دینے پائے۔ غالباً ہندوستان کے تمام راجوں مہاراجوں اور بادشاہوں میں یہی ایک ایسا بادشاہ ہوا ہے جس کی صرف ایک ہی منکوحہ عورت تھی۔ کسی خادمہ، لونڈی یا باندی یا خواص کو اس نے اپنے پاس نہیں رکھا۔ بلکہ انتہا یہ ہے کہ بادشاہ کا خاصہ بھی بیگم ہی کو تیار کرنا پڑتا تھا۔ ایک دن ملکہ نے شکایت کی۔ کہ روٹی پکاتے پکاتے تھک گئی ہوں کوئی خادمہ عنایت ہو۔ سلطان نے کہا خزانہ رعایا کا مال ہے۔ صرف امانتاً میرے پاس جمع ہے۔ جوں جوں رعایا کو ضرورت ہوگی وہ اپنی رقم واپس لیتی رہے گی کتابت سے اسقدر بچت نہیں کہ کوئی لونڈی خرید سکوں۔ صبر کر حق تعالیٰ آخرت میں جزائے خیر دیگا۔ ذکر ہے کہ بادشاہ کے ایک مصاحب کا نام محمد تھا۔ اور ہمیشہ اُسے اسی نام سے پکارا کرتا تھا۔ ایک دن اس کو اشارہ سے بلایا۔ اور اس کا نام نہ لیا۔ مصاحب حاضر ہوا۔ اور جو حکم ملا اس کی تعمیل کی لیکن تعمیل ارشاد کے بعد تین چار دن تک جب دربار میں نہ آیا۔ تو بادشاہ نے بلوا بھیجا۔ اور سبب غیر حاضری کا دریافت کیا۔ مصاحب نے عرض کی حضور ہمیشہ میرا نام لیکر پکارا کرتے تھے معلوم نہیں۔ اس دن مجھ سے کیا خطا ہوئی۔ کہ مجھ کو بیگانہ وار مخاطب کیا گیا۔ بادشاہ نے کہا ہمارا دل تمہاری طرف سے بالکل صاف ہے۔ حقیقت یہ ہے۔ کہ اس وقت میں بے وضو تھا مجھے شرم آئی۔ کہ بے وضو اسم مبارک حضرت محمد صلعم کا زبان پر لاؤں۔ یہ بادشاہ موت کی یاد اور عاقبت کی فکر سے کبھی غافل نہ رہتا تھا۔ بادشاہی غرور کو اس نے کبھی نزدیک بھی نہیں آنے دیا کسی کی خاطر شکنی بہت بُری خیال کرتا تھا۔ فقراء نوازی اس کا شعار تھا۔ اور شریعت پر نثار تھا۔

سلطان غیاث الدین بلبن (جو سنہ ۶۶۴ھجری سے سنہ ۶۸۵ھ تک ہندوستان کا بادشاہ رہا ہے) سلطان ناصر الدین محمود کا اصلی اور سچا قائم مقام تھا۔ رعایا اس کے زمانہ میں نہایت خوشحال تھی کسی امیر کی طاقت نہ تھی۔ کہ غریب کی طرف آنکھ اُٹھا کر بھی دیکھ سکتا۔ اور اگر گزند پہنچاتا تو کیفر کردار کو پہنچ جاتا۔ جیسا کہ ملک نعین جاگیر دار بدایوں اور ہیبت خاں جاگیر دار اودھ کے واقعات مشہور ہیں۔ کہ اول الذکر کو تو ایک بے گناہ کے درّے لگوانے کی پاداش میں جو آخر میں مر گیا تھا۔ اسقدر درّے لگوائے کہ وہ بھی ہلاک ہو گیا۔ اور موخر الذکر کو ایک بے گناہ کے قتل کے جرم میں پہلے قتل کا حکم دیا۔ پھر اس کی تضرع و زاری پر مقتول کی بیوہ کو ایک لاکھ روپیہ معاوضہ میں دلایا اور اس کی جان بخشی کی۔ ذکر ہے کہ جب بلبن کسی دریا کے پُل پر یا کشتی پر سے گذرتا۔ تو امراء وزراء کو حکم دیتا کہ پہلے ضعیفوں، مریضوں، عورتوں اور بچوں اور لاغر چار پاؤں کو گذر جانے دو۔ اس کے بعد شاہی سواری گذاری جائے۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ بلبن جب تخت پر بیٹھا تو اس نے شراب اور فسق و فجور کی ممانعت کے احکام سختی سے جاری کئے۔ حکم دیا۔ کہ ہر مسلمان سوائے مجبوری کی حالت کے نماز روزہ کا پابند رہے۔ بادشاہ کی اپنی یہ حالت تھی۔ کہ روزہ نماز کے علاوہ تہجد اور اشراق کی نمازوں میں بھی مشغول رہتا۔ وعظوں میں جاتا۔ اور علماء و صلحا کی خدمت کرتا ہمیشہ باوضو رہتا۔ اور جمعہ کے دن علماء یان شہر کے مکانوں پر جاتا اور ان سے بہ تعظیم پیش آتا۔ قبروں کی زیارت کرتا۔ اور موت سے ایک لمحہ غافل نہ رہتا۔ غریبوں کے کفن دفن میں وافر امداد دیتا۔ بلکہ صلحا کے جنازوں میں بھی شامل ہوتا۔ لیکن باوجود اس کے وقار و ہیبت کے [illegible] تخت پر بیٹھتا۔ [illegible] جنگ میں جاتا بادشاہانہ جلوہ کے ساتھ نکلتا۔ تو امیر وزیر کسی کی طاقت نہ تھی کہ آنکھ سے آنکھ

ملا سکے بلبن نے اپنے فرزندوں کو ظلم و تعدّی سے باز رہنے اور عاجزوں پر رحم کرنے اور نیک بادشاہ بننے کیلئے مندرجہ ذیل چار نصیحتیں کیں۔

(۱) بادشاہ کو لازم ہے کہ اپنی سطوت و شوکت کو بجائے اپنے ذاتی کرّ و فر ظاہر کرنے کے اس مقصد میں صرف کرے۔ کہ اس سے رعب داب سلطنت کا اور ہیبت خلق کی ہو۔ (۲) جہاں تک ممکن ہو فسق و فجور کے دفع کرنے میں سعی بلیغ کرے۔ اور فاسقوں اور رزیلوں اور اسی قبیل کے دوسرے آدمیوں کو عبرتناک سزائیں دے۔ (۳) کار و بار سلطنت ان لوگوں کے سپرد کرے۔ جو دانا شائستہ خداترس اور متدیّن ہوں۔ (۴) عدالت اور دادرسی میں وہ کمال حاصل کرے۔ کہ اس کے ملک میں ظلم و تعدّی اور تعصّب طرفداری کا نام تک نہ رہے۔

جلال الدین[1] فیروز شاہ خلجی کو جب یاوریٔ طالع سے تخت و تاج نصیب ہوا۔ تو سب سے پہلے دو رکعت نماز شکرانہ ادا کی۔ اور پھر با آواز بلند ارکین دربار سے فرمایا یہ وہ تخت ہے جس کے آگے برسوں سر جھکایا جاتا رہا ہے۔ اور آج اس ذوالجلال کے احسان عظیم سے اس پر قدم رکھا جاتا ہے۔ وہ لوگ جو مجھ سے بہتر و افضل تھے میرے سامنے دست بستہ استادہ ہیں۔ اے حاضرین مجلس یہ باتیں فخر و غرور نہیں بلکہ عجز و انکساری کے اظہار کیلئے کہی گئی ہیں۔ ان سے عبرت اور سبق سیکھو۔ اور خداتعالیٰ کے قہر و غضب اور لطف و کرم سے کبھی غافل اور ناامید نہ ہو۔ تکبر اور بیجا خوشی کا کوئی محل نہیں جب یہ سلطنت سلطان غیاث الدین بلبن اور اس کے فرزندوں اور ان سے بھی پہلے لوگوں کے پاس نہیں رہی تو میں اور میری اولاد کس شمار میں ہے۔ پس اس نعمت خداداد کا جائز استعمال اصلی خوشی اور ابدی زندگی ہے۔ تاریخ فرشتہ میں لکھا ہے کہ اُمرائے حاضرین بادشاہ کے کلمات سے اسقدر متاثر ہوئے۔ کہ ان میں سے اکثر زار زار روتے تھے۔ جلال الدین خلجی نہایت حلیم بادشاہ تھا۔ ایک دفعہ جب امیروں وزیروں نے اس کو ایک مشہور باغی کے قتل پر سخت مجبور کیا۔ تو ان کو بہت سی صوفیانہ اور دردمندانہ باتوں کے بعد فرمایا جو کچھ تم کہتے ہو سچ ہے۔ لیکن کیا کروں ستّر برس کی عمر ہو گئی ہے۔ آج تک خون سے ہاتھ نہیں رنگے۔ اب عمر کے آخری حصہ میں کیوں میرا نامۂ اعمال سیاہ کراتے ہو۔ غرض وہ باغی قیدخانہ میں بھیج دیا گیا۔ چوروں اور رہزنوں اور ڈاکوؤں کو جب اس کی عدالت میں آتے تھے۔ تو بجائے سزا دینے کے پند و نصیحت کرتا تھا۔ اور بدرجہ مجبوری سزا دیتا تھا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ جمیع علماء اور قاضیوں نے خطبہ میں بادشاہ کے نام کے ساتھ المجاہد فی سبیل اللہ کے الفاظ بڑھا دیئے۔ بادشاہ کو خبر ہوئی۔ پہلے تو بہت رویا۔ پھر قاضیوں اور مفتیوں کو جمع کرکے فرمایا۔ کہ میں نے جسقدر لڑائیاں کی ہیں۔ اُن سے نہ خدمت دین نہ رضائے خدا اور نہ طمع شہادت مقصود تھا۔ صرف نام و نمود اعتبار و عزت اور ذاتی افتخار کی غرض سے کیا۔ جو کچھ کیا۔ میں اس خطاب کے قابل نہیں ہوں۔ بلکہ نہایت پشیمان اور شرمندہ ہوں۔

ہمایوں[2] بادشاہ کی رحمدلی اور فیاضی اور عفو و عیب پوشی کی داستانوں سے تاریخ ہند کے صفحے بھرے ہوئے ہیں۔ یہ بادشاہ سخاوت اور مروّت میں بےنظیر تھا۔ علماء و صلحا سے صحبت رکھتا تھا۔ اس نے اپنی عمر میں بہت مصیبتیں جھیلیں۔ اور علاوہ اور لوگوں کے اپنے بھائیوں سے بھی بہت دکھ اٹھایا۔ ہمایوں ہمیشہ باوضو رہتا تھا۔ اور بغیر وضو کے خدا کا نام کبھی زبان پر نہ لاتا تھا۔ ذکر ہے کہ ایک

---

[1] تخت نشینی ۶۸۹ھ مدت حکومت سات سال چند مہینے۔

[2] تخت نشینی دوبارہ ۹۶۲ھ [illegible] ۹۶۳ھ۔

دن میر عبدالحی صدر کو کسی کام کے لئے بلوایا اور عبدل کے نام سے پکارا وضو کرنے کے بعد اس نے معذرت کی اور کہا چونکہ حی خدا کا نام ہے اور میں بے وضو تھا۔ اس لئے تم کو تمہارے نام سے نہیں پکار سکا۔

یہ وہ لوگ تھے جو بادشاہی میں فقیری اور فقیری میں بادشاہی کرتے تھے۔ یہ لوگ نمونہ تھے ان بدانجام لوگوں کے لئے جو چار دن کی چاندنی میں اندھیری رات کو بھول جاتے ہیں۔ جو دولت اور جاہ و جلال میں مست و مدہوش ہو کر بات کرتے ہیں۔ تو ایسی باتیں سے تکبر اور غرور ظاہر ہو چال چلتے ہیں تو ایسی سبھی سے رعونت و خودروی نمایاں ہو مکمل انسان وہی ہے اور وہی انسان فرشتہ صفت کہلانے کا مستحق ہے۔ جو اپنے عروج کے زمانہ میں بھی زوال کو فراموش نہ کرے۔ اور خدا کی عبادت اس کے قہر و غضب اور مخلوق خدا کی فیض رسانی سے غافل نہ رہے۔

دُعا

(از علامہ ڈاکٹر سر اقبال)

یارب دلِ مسلم کو وہ زندہ تمنا دے
جو قلب کو گرما دے، جو روح کو تڑپا دے

پھر وادیٔ فاراں کے ہر ذرے کو چمکا دے
پھر شوقِ تماشا دے، پھر ذوقِ تقاضا دے

محرومِ تماشا کو پھر دیدۂ بینا دے
دیکھا ہے جو کچھ میں نے اوروں کو بھی دکھلا دے

بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل،
اس شہر کے خوگر کو۔ پھر وسعتِ صحرا دے

پیدا دلِ ویراں میں پھر شورشِ محشر کر،
اس محملِ خالی کو پھر شاہدِ لیلا دے

اس دور کی ظلمت میں ہر قلبِ پریشاں کو
وہ داغِ محبت دے جو چاند کو شرما دے

رفعت میں مقاصد کو ہمدوشِ ثریا کر
خودداریِ ساحل دے آزادیِ دریا دے

بے لوث محبت ہو، بے باک صداقت ہو
سینوں میں اجالا کر دل صورتِ مینا دے

احساس عنایت کر، آثارِ مصیبت کا،
امروز کی شورش میں، اندیشۂ فردا دے

میں بلبلِ نالاں ہوں اک اجڑے گلستاں کا
تاثیر کا سائل ہوں محتاج کو داتا دے

بس نامور بزیر زمیں دفن کردہ اند

(از جناب ابوالمعالی مولانا سید عبدالعزیز صاحب گیلانی)

گذرے بہت سے لوگ زمانہ میں سربلند شاہانِ کامگار و سلاطین خود پسند

آہ ان کا حال کیا ہوا عالی سے سن یہ بند بس نامور بزیرِ زمیں دفن کردہ اند

کز ہستیش بروئے زمیں یک نشاں نماند

دارا ہو یا کہ جم ہو فریدوں ہو یا ضحاک سب موت ہی کے ہاتھ سے آخر ہوئے ہلاک

دیکھا ہے سب نے آنکھ سے یہ حال ہولناک آں پیرلاشہ را کہ سپردند زیرِ خاک

خاکش چناں بخورد کزو استخواں نماند

ہوتا ہے استوار نظام جہاں بعدل رہتا ہے ہر دیار میں امن و اماں بعدل

باقی جہاں میں رہتا ہی نام و نشاں بعدل زندہ است نام فرخِ نوشیرواں بعدل

گرچہ بسے گذشت کہ نوشیرواں نماند

پایا ہے جبکہ تونے دُرِ شاہوارِ عمر انصاف عدل و داد و دہش میں گذار عمر

جینے کا کیا بھروسہ ہے کیا اعتبارِ عمر خیرے کُن اے فلاں و غنیمت شمار عمر

زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نماند

شہیدِ تفاخر

(۱)

آسودگی اور اطمینانِ قلب کی تمام وہ منزلیں جن پر بقاءِ انسانی کا دار و مدار ہے۔ شیخ الٰہی بخش صاحب کو حاصل تھیں۔ چھوٹے سے قصبے میں تہ عرصہ نفس کیلئے عام اس کے کہ اس کا تعلق کسی طبقہ اور کسی مذہب سے ہو شیخ صاحب کی رائے قانون کا حکم رکھتی تھی۔ شیخ صاحب کی زندگی دینی اور دنیاوی غرض ہر پہلو سے مکمل اور کامیاب تھی۔ اُن کی عزت اور اُن کا وقار مسلمہ تھا۔ ان صفات کے باوجود شیخ صاحب دولتمند بھی سمجھے جاتے تھے۔ یہی وہ زعمِ باطل تھا جس کی بنا پر ان کے احباب اور عزیزوں نے "بیٹی کی شادی" کے موقعہ پر ان کو عجیب عجیب مشورے دیئے۔ زیورات کے علاوہ چاندی سونے کے متعدد ظروف، چاندی کا پلنگ، قدآدم آئینے، تمام وہ سامان جسے دہلی کا عظیم الشان بازار بڑی سے بڑی قیمت پر فراہم کر سکتا تھا مہیا کیا گیا۔ دُور دُور سے مہمان بلائے گئے۔ سات گاؤں کی دعوت کی گئی۔ ہر مذہب اور ملت کے لئے جدا سامان کئے گئے۔ سات روز تک محفل رقص و سرود گرم رہی۔ آس پاس کے تمام دیہاتوں میں عموماً اور شیخ صاحب کی برادری میں خصوصاً شیخ صاحب کو ان بیجا اور تباہ کن مراسم کی تکمیل پر بے انتہا داد دی گئی۔ برادری میں نام روشن ہو گیا۔ اور یہ فیصلہ کر دیا گیا۔ کہ ایسی شادی دیکھنے والوں کی آنکھوں نے اس سے پیشتر کبھی نہیں دیکھی۔ خدا خدا کر کے تمام مراسم انجام کو پہنچے۔ اور دُلہن اپنے والدین کے گھر سے رخصت ہو گئی۔ چاندی اور سونے کے پھول برسائے گئے۔ اور طرفین نے دل کھول کر اپنی اپنی دولت کی نمائش کی۔

(۲)

شادی ہو چکی واہ واہ کرنے والے خاموش ہو گئے۔ دیکھنے والے ان مناظر کو بھولنے لگے۔ اسراف بیجا اور نمود و نمائش کے نظارے خواب و خیال ہو گئے مگر شیخ صاحب کے دل سے اس شادی کی اہمیت کسی طرح کم نہ ہوئی۔ تیس ہزار روپے کی رقم جو مہاجن سے سُود پر لیکر خرچ کی گئی تھی۔ اور جو اسوقت ایک ذرّہ بے مقدار معلوم ہوتی تھی۔ اب پہاڑ بن کر سامنے آنے لگی۔ جس کی سر بفلک چوٹی ہر گذرنے والے سال کے ساتھ بلند سے بلند تر ہو رہی تھی۔ شیخ صاحب کیلئے اس نظارے کا جلوہ کچھ کم دل گداز اور روح فرسا نہ تھا۔ کہ فریق ثانی نے اپنا بیس ہزار روپے کا قرض اتارنے کیلئے دلہن کے تمام طلائی اور نقرئی زیورات اور سامان کو فروخت کر دیا۔ شیخ صاحب نے باز پرس کی تو جواب یہی ملا۔ کہ ہم نے تو صرف آپ کے نام و نمود کے قائم رکھنے کیلئے قرض روپیہ لیا تھا۔ ہماری بساط اتنی کہاں تھی کہ ہم آپ کے مقابلہ پر خرچ کر سکتے"۔ اس واقعہ سے شیخ صاحب کو جسقدر صدمہ ہوا۔ وہ ناگفتہ بہ ہے ان کی ہمت ٹوٹ گئی۔ ان کا استقلال پست ہو گیا۔ ادھر ان کی کلفتوں کا یہ حال اُدھر چھوٹا لڑکا جوان ہو گیا۔ اس کا شباب ایک جلیس اور انیس تنہائی کا طالب ہوا۔ شادی کا سوال واقعات کی رو سے ناقابل تسکین تھا۔ ماں باپ کو اس ضرورت کا پورا احساس تھا۔ مگر کرتے تو کیا کرتے۔ بیٹی کی شادی پر جو روپیہ قرض لیا تھا۔ وہ ادا نہ ہو سکا۔ بازار میں جو عزت اور وقار حاصل تھا وہ پامال ہو گیا۔

(۳)

دیکھتے دیکھتے پانچ سال گذر گئے۔ سود در سود کی منزلیں طے کرنے کے بعد شیخ صاحب کا قرض اسی ہزار پر جا پہنچا۔ لالہ جی نے جواب تک گربہ مسکین بنے ہوئے تھے۔ شیخ صاحب کی جائداد کا جائزہ لیا۔ اور یہ دیکھ کر کہ میاں جی میں اب مزید دم نہیں رہا۔ آنکھیں دکھانی شروع کر دیں۔ قرض کا راز طشت از بام ہو گیا۔ اور اب کوئی شیخ صاحب کے پاس بیٹھنے کا بھی روادار نہ رہا۔ ادھر یاران طریقت نے شیخ صاحب کے نوعمر اور ناتجربہ کار صاحبزادہ نبی بخش پر اپنا جادو ڈالا۔ اور بری صحبت کے تمام و کمال تاثرات اس نونہال میں نمایاں ہونے لگے۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ قصبہ کے ہر شخص کو عزت و آبرو و مال و متاع کی حفاظت کیلئے نبی بخش سے کنارہ کش ہونا پڑا۔ شیخ صاحب ان نظاروں کو دیکھتے۔ ان گمراہیوں کا احساس کرتے۔ مگر مجبور تھے بہت چاہتے تھے۔ کہ کسی عزت دار اور شریف خاندان میں لڑکے کا رشتہ کر دیں۔ مگر کچھ تو دولت کے گذشتہ نظاروں نے کچھ سود در سود کی تباہی نے اور کچھ صاحبزادے کے چال چلن نے ان کی امید پوری نہ ہونے دی۔ ادبار کی آغوش میں رات دن کی کاہشوں سے دست و گریبان ہو کر رہنا ایک مصیبت تھی۔ جس سے مفر اور گریز ناقابل عمل تھا۔ ہر ہر قدم پر مراسم پرستی اور سود کی لعنت شیخ صاحب کے دوش بدوش مصروف جدوجہد تھی۔ جب وہ ایک انچ ابھرنے کی کوشش کرتے آٹھ انچ اور دب جاتے۔

(۴)

آخر شیخ صاحب نے ہمت اور استقلال سے کام لیکر اپنی تمام زمین جائداد اور کل اثاثہ کو اس سود کی مصیبت سے بچنے کیلئے قربان کر دیا۔ ڈیڑھ لاکھ روپے کی جائداد اور اثاثہ ستر ہزار روپے میں فروخت ہوا۔ اور شیخ صاحب قصبہ چھوڑ کر دہلی چلے آئے۔ بڑی بڑی حویلیوں کا مالک چھ روپے ماہوار کے مکان میں گذارہ کرنے پر مجبور ہوا۔ سینکڑوں افراد کا حکمران ایک معمولی حیثیت کا انسان رہ گیا۔ دو چار سو روپے کے اثاثہ سے ایک لکڑی کی دوکان شروع کر دی جس پر شیخ صاحب کے ذاتی اخراجات کے علاوہ بقیہ دس ہزار روپے کا سود مبلغ ایک سو روپے ماہوار کا بار ناقابل برداشت تھا۔ نبی بخش کی بری عادتیں یہاں بھی رنگ لائیں۔ اور دکان میں سے دو تین آنے روز سے بڑھ کر دو تین روپے روز بتدریج غائب ہونے لگے۔ آخر شیخ صاحب نے زمانے کے مصائب سے تنگ آ کر اپنی بیوی کو مجبور کیا۔ کہ وہ شریف اور عصمت مآب خاتون اس چھ روپے ماہوار کے مکان کو خیرباد کہکر اس احاطہ کے ایک کونے میں جس میں لکڑیاں فروخت ہوتی تھیں۔ ایک بوسیدہ چھپر کے اردگرد ٹاٹ کے پھٹے پرانے پردے ڈال کر گذارہ کرے۔ اور شیخ صاحب کی غیر حاضری میں جو لکڑیاں فروخت ہوں ان کے پیسے اپنی نگرانی میں رکھے۔ مگر ان تمام احتیاطوں کے باوجود اصل رقم تو ایک طرف لالہ جی کو ماہوار سود بھی پوری طرح ادا نہ ہونے پاتا۔ لالہ جی اچھی طرح جانتے تھے۔ کہ اب تو جو کچھ وصول ہو اسی پر قناعت کرنی چاہیئے۔ اس لئے انہوں نے اپنے ایک دوست یا عزیز کو جو دہلی میں موجود تھے۔ ہدایت کر دی کہ تین چار روپے روزانہ جو وصول ہو وہ وصول کرے اس سخت گیری کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ بعض اوقات شیخ صاحب اور ان کی بیوی کو فاقے سے سونا پڑتا۔

(۵)

شیخ صاحب کی صحت روزانہ مصائب کی وجہ سے بالکل تباہ و برباد ہو چکی۔ مگر وہ اپنی ہمت سے کام لے کر ان مصائب کا مقابلہ کر رہے تھے کہ نوجوان لڑکے کو نمونیا ہو گیا۔ اور دو تین دن بیمار رہکر اپنے والدین کو داغ مفارقت دے گیا۔ جوان بیٹے کی موت نے ماں کی حالت بد سے بدتر کر دی۔ اور دو مہینے کے بعد وہ بھی اس دار فانی سے رخصت ہو گئی۔ اب شیخ صاحب ان مصائب اور آلام کا مقابلہ کرنے کیلئے تن تنہا رہ گئے۔ ا ا

کی بینائی زائل ہوگئی۔ سماعت میں فرق آگیا۔ کمر جھک گئی اور چلنے پھرنے سے معذور ہوگئے۔ لالہ جی اس حالت میں بھی اپنا قرض نہ بھولے اور انہوں نے تحریر پر تحریر بدلوانے کو جاری رکھا۔ سود دس سے بارہ اور بارہ سے پندرہ ہزار کی منزلیں طے کرتا رہا۔ روپیہ وصول نہ ہوتا نہ سہی۔ شیخ صاحب کا انتقال ہوگیا۔ چند غریب محلہ والوں نے چندہ کرکے ان کے کفن دفن کے فرائض انجام دیئے۔ مگر لالہ صاحب کی بہیوں میں اب تک اندراج ہے۔ کہ میاں الٰہی بخش پندرہ ہزار روپے لیکر مرگئے۔ شیخ صاحب مرگئے۔ مگر سود کی ابدی لعنت سے نجات نہ ملی۔

عبرت

تباہ کن مراسم کی پیروی کرنے والو۔ سود در سود کی قیود میں گرفتار ہونے والو۔ ذرا چشم بصیرت سے کام لو۔ شیخ صاحب کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھو۔ اور ان تباہ کن ولولوں اور ارمانوں سے توبہ کرو۔ جن کا لازمی نتیجہ قرض اور تباہی ہے۔ سود کی قلیل سی رقم جسے تم رائی کا دانہ کہتے ہو ایک پہاڑ ہے۔ آنکھوں سے پوشیدہ ایک قطرہ ہے بحر در آغوش۔

اگر شیخ صاحب فضول مراسم کی پابندی میں نمائش کے حوصلوں سے اجتناب کرتے تو قرضدار نہ ہوتے۔ اصل سے زیادہ سود ادا کرکے تباہ و برباد نہ ہوتے۔ نوجوان لڑکے کی بربادی اور قبل از وقت موت کے نظارے نہ دیکھتے۔ غم نصیب بیوی قربانگاہ افلاس پر نثار نہ کی جاتی۔ دو گھڑی کی "واہ"۔ "واہ" کے لئے تمام عمر "آہ" "آہ" نہ کرتے۔

لالہ جی نے تیس ہزار روپے میں ڈیڑھ لاکھ روپے کی جائداد غصب کی۔ آخر وقت تک شیخ صاحب کا خون چوسا۔ اس بُری حالت کو پہنچایا اور آخر وقت میں بھی انہیں آرام سے نہ مرنے دیا۔ مرنے کے بعد بھی پندرہ ہزار روپے کی رقم ان کے ذمے نکال کر قیامت کا دیندار رکھا۔

ضرورت ہے کہ ناعاقبت اندیش مسلمان ان روزانہ مشاہدات سے سبق لیں۔ شیخ صاحب کا واقعہ تو محض "مشتے از خروارے" سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔ اس سے بڑے بڑے واقعات ہر قصبہ، ہر دیہات، ہر شہر۔ یہاں تک کہ مسلمانوں کے ہر خاندان میں آپ کی آنکھوں کے سامنے ہیں۔ ان کو دیکھیئے۔ ان سے سبق لیجیئے۔ اور اپنی ملت اور مذہب کو کمزور کرکے دوسروں کو طاقتور بناکر اپنی تباہی اور بربادی کے سامان نہ پیدا کیجیئے۔ (اکبر حیدری)

برادران قریش سے ایک سوال

اور وہ صرف یہ کہ جب "القریش" آپ کی تمام قومی ضرورتوں کا ضامن ہے۔ تو چار آنہ ماہوار یا تین روپے سالانہ کیلئے آپ کیوں اس کی ضروریات سے بے پرواہ ہیں۔ کشمیری، ارائیں اور راجپوت وغیرہم اقوام جب اپنے قومی جرائد کی مدد کرسکتے ہیں۔ تو آپ میں کونسی کمی ہے۔ جو اپنے قومی جریدہ کی اعانت میں مانع ہے۔ یہ بے حسی و بے پرواہی آخر کیا رنگ لائیگی؟ دل ہے تو اس کا جواب دیں۔

خادم:۔ ڈاکٹر قریشی، خلیل الرحمٰن۔ بی۔ ایچ۔ ڈی ازکراچی

(۲۰)

القریش کے معاون و مربی خریدار نمبر ۳۴۴۶ (اظہار نام کی اجازت نہیں) اپنے ۱۱ر فروری کے گرامی نامہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

" آپ کی قومی ہمدردی کا قوم کو مشکور ہونا چاہیئے۔ اگرچہ میں کسی قابل نہیں لیکن ایک تڑپ اور ایک جذبہ ضرور موجود ہے۔ جی چاہتا ہے۔ کہ ان دردمند دل اور الجھنوں کو قومی خدمات پر نثار اور تنظیم قومی کیلئے جان تک بھی قربان کردوں۔ مگر کیا کروں۔ گردو پیش کے حالات سے مجبور و بے بس ہوں۔ آپ کی کوششیں بے شک قابل تعریف ہیں۔ خداوند کریم آپ کو جزائے خیر دے اور قوم کو قدردان دل عطا کرے۔ اسی روپے کا ایک چک ارسال خدمت ہے۔ القریش کی ضروریات کیلئے یہ حقیر پیشکش امید ہے کہ آپ قبول فرمائیں گے۔"

آپ پہلو میں ایک حساس اور دردمند دل رکھتے ہیں۔ پہلے بھی وقتاً فوقتاً اسی طرح آپ القریش کی اعانت کرتے رہے ہیں۔ اور یہ قدرتی بات ہے کہ جس وقت ضرورت لاحق ہوئی۔ آپ کی اعانت بروئے کار آئی۔ جزاہم اللہ خیر الجزا

افسوس ہے کہ پنجاب کے چھیاسٹھ ہزار قریشی نفوس کے ہزارویں حصہ کو بھی وہ دردمند دل عطا نہیں ہوا۔ جو ہونا چاہیئے تھا۔ اور یہی ایک سبب ہے کہ قوم اور اس کا آرگن دونوں پریشان حال ہیں۔ فاللہ خیر حافظا وھو ارحم الراحمین۔

مکرمی پیر علی اسعد صاحب قریشی فریدی چشتی نہایت تاسف و افسوس کا اظہار کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ کہ " قریش جسے روحی فداہ صلعم کی نسب اطہر سے منسلک ہونے کا فخر تھا اپنی بے پرواہی و غفلت کی وجہ سے مذاق سا بن گئی ہے۔ جس کی کوئی قوم نہ ہو۔ جس کا سلسلہ نسب کہیں نہ ملتا ہو وہ قریشی۔ کنجر، خرادی، ماشکی اور مراسی سب قریشیت کے دعویدار ہیں۔ اور اس وجہ سے صحیح النسب قریشی بھی مشکوک و مشتبہ نظروں سے دیکھے جانے لگے ہیں۔ اگر اس سیلاب کا کوئی معقول انتظام نہ ہوا۔ تو قریشیوں کو قریشی کہلانا ننگ و عار ہو جائیگا"

یہ سب درست لیکن قریش نے اپنا وقار، اپنی عظمت اور اپنی برتری اپنے ہاتھوں برباد کردی۔ دنیا و جہان کی قوموں کی سعی و جہد کو دیکھئے اور قریش کی خاموشی و بے حسی کو ملاحظہ کیجئے۔ جس قوم کا کوئی نظام نہ ہو۔ جس کا کوئی مرکز نہ ہو۔ جس کے دل میں احساس زیاں نہ ہو۔ اس سے جس قسم کا بھی برتاؤ ہو روا ہے۔ قوم آج شیرازہ بندی کی جانب متوجہ ہو کر اقوام عالم کے تتبع میں اپنی حقوق کی حفاظت کیلئے میدان عمل میں جادہ پیما ہو جائے۔ آج ہی ان تمام عوارض کا بھی سدباب ہو جائے گا۔ غفلت کی نیند سونے والے کو گٹھڑی کھوئی جانے کا افسوس کیا ہو۔ بھائی میاں کوشش فرمایئے کہ قوم جاگے۔ اور متاع نسب کی حفاظت کے قابل ہو۔

مکرمی قریشی محمد چراغ صاحب شیخوپورہ کا نور نظر برخوردار محمد اقبال دس سال کی عمر میں دو تین دن بیمار رہکر ۲۷ر فروری کو والدین کو داغ مفارقت دے گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

قریشی صاحب خود دائم المریض ہیں۔ اور اس پر گذشتہ ششماہی سے اس قسم کے پیہم صدمات کا سامنا ہو رہا ہے۔ خدا فضل کرے۔ عزیز مرحوم ذہین اور ہونہار لڑکا تھا۔ افسوس عمر نے وفا نہ کی۔ دعا ہے کہ خدائے برتر والد اکبر الدین کو صبر دے۔ اور نعم البدل عطا کرے۔

جن احباب کا زر چندہ ماہ جنوری میں وصول ہو جانا چاہیئے تھا۔ اور جنہوں نے بذریعہ منی آرڈر بھجوانے کا وعدہ کر رکھا ہے۔ وہ توجہ فرمائیں۔ اور جن احباب کا سال خریداری اس اشاعت کے ساتھ ختم ہوتا ہے۔ وہ بھی متوجہ ہوں۔ جو بھائی کسی وجہ سے آئندہ کیلئے خریداری کا سلسلہ جاری نہ رکھنا چاہیں۔ وہ دفتر کو مطلع کر دیں۔ تاکہ وی پی کی واپسی نقصان کا موجب نہ ہو۔

ریاست کپورتھلہ کی قریشی برادری یہ سنکر خوش ہوگی کہ ریاست میں ایکٹ انتقال اراضی کے نفاذ کے موقعہ پر "سید" اور "قریشی" بھی زراعت پیشہ تسلیم کرلئے گئے ہیں۔ "ندوۃ القریش" اور "القریش" کی طرف سے دربار کپورتھلہ اور ارباب حل وعقد کو تاریں دی گئیں۔ اور مراسلات لکھ کر عرض کیا گیا تھا۔ کہ قریش "پنجاب" کے تمام اضلاع میں زراعت پیشہ قوم ہے۔ حکومت انگریزی نے اسے ہر جگہ زراعتی حقوق عطا کر رکھے ہیں۔ دربار کپورتھلہ کو بھی اس قوم کا خاص خیال رکھنا ضروری ہے۔ خدا کا شکر ہے۔ کہ "ندوۃ القریش" اور "القریش" کی آواز سنی گئی۔ ان کی کوششیں بار آور ہوئیں۔ اور حدود ریاست میں زراعتی حقوق حاصل ہوگئے فللہ الحمد

قریشی اکرام الحق صاحب بی۔ اے تحریر فرماتے ہیں۔ کہ "القریش" کی گذشتہ اشاعت میں "افواج ہند میں سادات و قریش کی حق تلفیاں" کے زیر عنوان مضمون پڑھ کر بے حد رنج و پریشانی ہوئی۔ اس دور میں جبکہ معاش کی حالت ازبس نازک ہے۔ اور مطالبہ حقوق کے شور میں کانوں پڑی آواز سنائی نہیں دیتی۔ سادات و قریش کی فوجی بھرتی بند کر کے اگر ایک طرف وجہ معاش روک دی گئی ہے۔ تو دوسری طرف ان کے اس خاندانی۔ آبائی حق پر دست تطاول دراز کیا گیا ہے۔ جو انہیں وراثتہً حاصل تھا۔ قوم کو صاحب مضمون اور "القریش" دونوں کو شکریہ ادا کرنا چاہیئے کہ انہوں نے بروقت قوم کو مطلع کر دیا ہے۔ اب قوم کا فرض اولین یہ ہے۔ کہ وہ اس حق کیلئے مضطر ہو۔ اور اس وقت تک دم نہ لے۔ جب تک کہ اسے حاصل نہ کرلے۔ مگر اس موقعہ پر بھی قوم نے بے پرواہی کی۔ اور ایسی غفلت وسہل سے کام لیا۔ جس کا کہ وہ خوگر ہو چکی ہے۔ تو اسے ضرب المثل ذلت (گونگا وہبیل) در رسوائی کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔

قریشی صاحب کا مکتوب طویل ہے۔ اور اس کا ایک ایک لفظ خون دل سے لکھا ہوا ہے۔ بے وقت موصول ہوا۔ ورنہ من وعن شائع کر دیا جاتا۔ کیا افراد قوم اپنے حالات کا مطالعہ کر کے اس کی اصلاح پر کچھ توجہ دیں گے؟

Regd L. No. 1474.

Printed at the Wazir-i-Hind Press,
Hal Bazar, Amritsar.
Place of Publication,
Sharif Ganj, Amritsar.

Editor :—

Mohammad Ali Raunaq.

Annual Subscription Rs. 3/- Single Copy Annas 4.

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اپریل سنہ ۱۹۳۳ء ذی الحجہ سنہ ۱۳۵۱ھ

القریش امرتسر

جلد ۱۹ ——— نمبر ۴

قومی تنظیم

کھول کر چشمِ بصیرت دیکھ نیرنگِ جہاں
ذرّے ذرّے میں نہاں ہے زندگی کی داستاں

کارفرما ہے جہانِ آب و گل میں اتحاد
ہیں اسی بنیاد پر قائم زمین و آسماں

قوم کے ہر فرد کو تنظیم کا پیغام دے
ہے اسی مٹی سے تعمیرِ حیاتِ جاوداں

فرقہ بندی کا مرض پھیلا ہے تیری قوم میں
اُٹھ ذرا اپنی خبر لے اے مسیحائے زماں

ہے جو آزادی کی خواہش طائرِ فطرت نوا!
گلستانِ اخوت میں بنا لے آشیاں

دانوں سے خرمن کی، ذرّوں سے ہے صحرا کی نمود
قطرہ قطرہ مل کے بن جاتا ہے بحرِ بیکراں

آہ! تو نے ان کو وقفِ طاقِ نسیاں کر دیا
اتحاد و نظم ہیں اسلام کی روحِ رواں

غیر تو عامل ہوئے اسلام کے احکام پر
اور تو اب تک گرفتارِ طلسمِ این و آں

فرقہ آرائی پیامِ مرگ ہے تیرے لئے
ایک ہو جا چھوڑ بحثِ رنگ و نسل و خانداں

ظلمت آبادِ جہاں تجھ سے ضیا اندوز ہو
آفتابِ ملتِ بیضا! افق افروز ہو

(اختر جالندھری)

عربی الاصل شرفائے ہند سے گذارش

ایک غلط فہمی کا ازالہ

شرافت کا معیار خدائے برتر و اکبر نے اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ قرار دیا ہے۔ اور اس لحاظ سے ہر وہ شخص جو متقی و پرہیزگار ہے شریف ہے۔ لیکن شرافت نسبی کی حیثیت سے حسنی، حسینی، ہاشمی، صدیقی، فاروقی، علوی اور عباسی وغیرہم خاندان قریش کی تمام شاخیں سرتاج اقوام عالم سمجھی گئیں۔ اَلنَّاسُ تَبَعٌ لِقُرَیْشٍ فِی الْخَیْرِ وَالشَّرِّ (بخاری) اور یہی وجہ تھی کہ امامت اور قضاءت کے مناصب جلیلہ قریش ہی کے لئے وقف ہوئے۔ الائمۃ من القریش (صحیح مسلم)

حسنی حسینی سید اور ہاشمی، صدیقی، فاروقی، علوی اور عباسی وغیرہم قریش کہلائے۔ جن کی فضیلت و شرافت اور برتری کی بڑی وجہ یہ ہوئی۔ کہ انہیں آقائے دو جہان فخر عالمیان حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسب اطہر سے نسبت کا فخر حاصل تھا اور ہے۔ اس عظمت کا صحیح اندازہ کچھ وہی لوگ کر سکتے ہیں۔ جو علم حدیث اور تاریخ اسلام سے واقف ہوں۔

بدقسمتی سے عہد حاضر کے سادات اور قریش غفلت و بے پرواہی کا شکار ہوئے۔ انہیں ذوق علم و شوق عمل نہ رہا۔ ان کا شیرازہ منتشر و پراگندہ ہو گیا۔ اور ان کی وہ تمام خوبیاں خاک میں مل گئیں۔ جو علم و عمل کی وجہ سے انہیں حاصل تھیں۔ خیر القرون کے قریشی تحفظ نسب کو حفاظتِ وراثت کے مترادف سمجھتے تھے۔ دور حاضر میں اس سے بھی وہ بیگانہ ہو گئے۔ نتیجہ یہ ہوا۔ کہ ارذل اقوام نے ان کی شرافت نسبی پر یورش کر دی۔ جولاہے۔ دھنئے۔ مراسی اور قصاب سب قرشیت کے مدعی ہوئے۔ اور جمعیتہ القریش کے نام سے اپنے اپنے مراکز قائم کر کے تخلیط نسب کا موجب ہو کر شرافت و نجابت کو ذلیل و رسوا کرنے پر اُتر آئے

لاہور میں اگر مراسیت قرشیت کے منہ آئی۔ تو میرٹھ میں قصابیت نے نسب اطہر کا منہ چڑانا شروع کر دیا۔ ادہر اگر نورباف نے انصاریت کا دعا کیا۔ تو ادہر جلاہے سید بن گئے۔ اور ہر ایک نے غیر باپ ہی کی جانب رجوع کرنا فخر و مباہات سمجھا۔ یہ سب کچھ ہوا۔ اور ہو رہا ہے۔ لیکن شرفائے عرب بحس و حرکت خاموش پڑے ہیں۔ اگر کہیں اس نقصان عظیم کا احساس ہے بھی تو شومئے طالع سے وہاں اس کا چارہ کار یہ سمجھ لیا گیا ہے۔ کہ "قریشی ہی نہ کہلایا جائے" کیونکہ یہ نیچ اب توہین و ہتک آمیز ہے۔ ۲۹ مارچ کی صبح کو حسن اتفاق سے ہمارے دفتر میں مولانا خالد حمیدی صاحب بدایونی تشریف لائے۔ اور دوران گفتگو میں معلوم ہوا۔ کہ یوپی اور راجپوتانہ وغیرہ علاقوں کے قریشی بزرگان قرشیت سے بیحد بیزار ہیں۔ اور "قریشی" کہلانا عار سمجھتے ہیں۔ "القریش" کہیں دیکھنے کا اتفاق ہوتا ہے۔ تو اس خیال سے کہ یہ میرٹھی قصاب بزرگان کی جمعیت کا آرگن ہے۔ نفرت کے ساتھ ٹھکرا دیا جاتا ہے۔ اور امرتسری مرکز کو بھی جمعیتہ القصاب کی ایک شاخ سمجھا جاتا ہے۔

اسی سلسلہ میں آپ نے یہ بھی کہا۔ کہ مجھے ایک دفعہ "بھیا رشید الدین صاحب" (میرٹھی جمعیتہ کے صدر) کے ہاں القریش دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ اور میرے استفسار پر انہوں نے کہا۔ کہ یہ اسی جمعیتہ کا پرچہ ہے۔ اور "ندوۃ القریش" بھی قصابوں کی انجمن ہے۔ لیکن اب وہ ہم سے جدا ہو گئے ہیں۔ کسقدر غلط بیانی دروغگوئی اور دیدہ دلیری ہے۔ اور کسقدر صریح کذب اور کس صفائی کے ساتھ دغا و فریب کیا جا رہا ہے۔

ہوئے تم دوست جس کے اس کا دشمن آسماں کیوں ہو

رسول اکرم روحی فداہ کی نسب اطہر سے دہوکہ۔ فرزندانِ قریش سے فریب اور اس پر فخر و مباہات، اناللہ وانا الیہ راجعون

ہم غیور مشائخ قریش اور شرفائے عرب پر یہ حقیقت واضح کر دینا چاہتے ہیں۔ کہ وہ ان نسب اطہر کے دشمنوں کے دہوکہ میں نہ آئیں۔ اور ان کے فریب میں اپنی نسب و نسل کو تباہ و برباد نہ کریں۔ آپ کی غیرت و حمیت کا تقاضا یہ ہے۔ کہ تحفظ نسب و ناموس کے لئے دامی درمی۔ قدمی۔ سخنی جو بھی قربانی ہو سکے کی جائے۔ ندوۃ القریش ان ابلہ فریبیوں کو جو قصابیت و مراسیت کی طرف سے کی جا رہی ہیں۔ خوب سمجھتا ہے۔ وہ انہیں ان ادعائے باطلہ سے باز رکھنے کے لئے ہر وقت تیار رہا۔ اور رہیگا۔ وہ اغیار کو متاع خاندان پر یوں ہاتھ صاف کرتے دیکھنا کبھی گوارا نہیں کر سکتا۔

عربی نژاد اور صحیح النسب شیوخ (سادات قریش) کا قومی مرکز "ندوۃ القریش" امرتسر میں قائم ہے۔ اور اسی میں سے اخبار "القریش" شائع ہوتا ہے۔ جسے بفضل خدا سلطان العلوم حضور نظام خلد اللہ ملکہ کے شاہانہ تلطفات کا فخر حاصل ہے اور مدارس محروسہ سرکار عالی کے نام جاری ہے۔

آپ اپنے مرکز کی رکنیت قبول کریں۔ اور اپنے اخبار کی اعانت فرما کر اپنی آواز کو بلند اور اپنے عزائم کو مستحکم و استوار بنانے کی سعی کریں۔ اور پھر دیکھیں۔ کہ خدائے تبارک تعالیٰ کس طرح آپ کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور ان رسوا کنندگان کا تار و پود کیونکر بکھرتا ہے

قومی اصلاح و فلاح اور عروج و ارتقاء افراد قوم کی متفقہ سعی و جہد اور متحدہ مساعی پر موقوف ہے۔ کوئی قوم کوئی فرقہ اور کوئی گروہ اپنا وقار قائم رکھنے اور مدارج ترقی طے کرنے میں اسوقت تک کامیاب نہیں ہو سکتا۔ جب تک کہ اس کے افراد من حیث القوم اس کے لئے تیار نہ ہوں۔ اقوام عالم کی ترقی کے اسباب و علل پر غور کیا جائے گا۔ تو معلوم ہوگا۔ کہ جو قومیں منصئہ اقبال پر جلوہ گر ہوئیں۔ وہ سب اسی اصول کی رہین منت ہیں۔ اور جو اس دستور اساسی سے بے پرواہ ہوئیں وہ اوج عروج سے ظلمتکدہ گمنامی میں گریں۔ اور بے نام و نشان ہو کر صفحۂ عالم سے مٹ گئیں۔

کیا ہم امید کر سکتے ہیں۔ کہ مخاطبین شرفاء اپنے قومی وقار کو قائم رکھنے اور حفاظت نسب و ناموس کے لئے متفقہ و متحدہ مساعی سے کام لیں گے؟

القریش کی اعانت کرنا قومی آواز کو بلند اور قومی خادموں کی حوصلہ افزائی کرنا ہے۔

افواج ہند اور سادات و قریش

امسال اجلاس اسمبلی میں حکومت کو واضح طور پر معلوم ہو گیا ہے۔ کہ افواج میں ہندوستانی عہدہ داروں کی اکثریت کا مسئلہ ناقابل گریز ہے۔ اور تمام ارکین نے متفق ہو کر واضح اور بین طور پر ظاہر کر دیا ہے۔ کہ ان کا ایما یہی ہے۔ حقیقتاً ہندوستانی سپاہی اپنی مخلصانہ جاں فروشیوں اور دلیرانہ قربانیوں اور کم خرچی کے باعث دنیا میں بہترین قوم تسلیم کیا جا چکا ہے۔ اگر اس کو معزز عہدوں اور ذمہ داری کے فرائض سے روشناس کرایا جائے۔ تو حب وطن اور خدمات ملت میں یہ وہ شہرہ حاصل کرے گا جس کا صحیح اندازہ مشکل ہے موجودہ تباہی جو زمیندارہ طبقہ کو اپنی اپنی گرفت میں لے رہی ہے جس کا مرض لاعلاج تصور کیا جاتا ہے۔ یقینی طور پر دور ہو جائے گی۔ کیونکہ فوجی اقوام زیادہ تر اسی طبقہ سے تعلق رکھتی ہیں۔

لیکن قابل افسوس ہیں ان حلقوں کے افراد جن کو شومئی قسمت سے افواج ہند میں نہیں لیا جاتا۔ اور اس کی وجہ یہ نہیں ہے۔ کہ وہ جرأت و مردانگی میں پسماندہ اقوام کے مشابہ ہیں۔ یا عقل و فراست میں کم ہیں۔ بلکہ اس لئے کہ وہ زیادہ دلیر اور عقلمند واقع ہوئیں ہیں۔ اس سے آپ کو استعجاب ہوگا۔ لیکن حقائق سے استعجاب کا کیا لگاؤ۔ اس کی دو وجوہ بتائی جاتی ہیں۔ اولاً یہ کہ سید اور قریشی اقوام عام طور پر سازشانہ سرگرمیوں میں حصہ لیتی ہیں۔ اگر اس میں کوئی صحت ہے۔ تو اس کی تائید میں واقعات بھی روپوش ہیں۔ کتنے مقدمات سید یا قریشی افراد پر سازش کے سلسلہ میں قائم کئے گئے اور کتنے پایۂ تکمیل تک پہنچے۔ اگر اس کا جواب نہ بن پڑے تو ایسے دعوٰی بے معنی و بے دلیل سے کیا فائدہ۔ ثانیاً یہ کہا جاتا ہے۔ کہ مسلمان افسران فوج کے لئے احترام مذہبی قریشی سپاہیوں سے کام لینے میں مخل ہوتا ہے۔ اور نظام فوج کا قیام مشکل ہو جاتا ہے۔ میرے خیال میں جس شخص سے بے لوث محبت اور سچی عقیدت ہو۔ اس سے ہر ایک کام زیادہ اچھی طرح سے لیا جا سکتا ہے۔ اگر فوجی حالات میں یہ اصول کارگر نہیں۔ تو برہمنوں کی طرح سادات و قریش کے بھی علیحدہ سیکشن مقرر کئے جا سکتے ہیں۔

سادات و قریش کی رگوں میں بھی خون گردش کر رہا ہے جس نے خواب عالم کی تعبیر دنیا کے سامنے پیش کی تھی۔ سب سے پہلے ایشیا۔ افریقہ اور سپین کی فاتحانہ مہموں کو سر کرنے میں کامیاب ثابت ہوئے۔ سادات و قریش نے اقصائے عالم میں ہمت و شجاعت کے معیار کو بلند تر کر کے دکھایا۔ اور وہ روایات قائم کیں جن کا جواب آج تک نہ بن پڑا۔ ۱۹۲۲ء میں ۱۱۷۶ افراد ملت صرف پنجاب ہی میں فوجی خدمات پر مامور تھے۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے۔ کہ ان اقوام کے افراد معمولی سپاہی بھرتی ہو کر اچھے عہدوں پر جلدی ترقی کر کے پہنچ جاتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے۔ کہ وہ حقیقی طور پر اپنے افسران بالادست کو اپنی خدمات سے خوش رکھتے ہیں۔

ذی اثر حضرات سے اپیل

آخر میں میں سادات و قریش کے ان افراد سے مخاطب ہوتا ہوں۔ جو سیاسیات میں اور اسمبلی میں نمایاں اثر رکھتے ہیں۔ مثلاً نواب سید نواب مہر شاہ صاحب سید حسن امام و دیگر حضرات ان کا تغافل قوم کے لئے سم قاتل ثابت ہو رہا ہے۔ اور ان کی قوم کے نوجوان اگر یہ کہہ دیں۔ کہ قوم کی حقیقی نمائندگی اور اس بہترین اور مسلم ترین فوجی طبقہ کے خلاف غلط بیانیوں کا ازالہ نہیں کر سکتے۔ وہ اپنے مقصد حیات میں ناکام ثابت ہوئے ہیں۔ اور ان کا سکوت قوم کے مستقبل کو تیرہ و تاریک بنا رہا ہے تو بیجا نہ ہوگا

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یاد

(از قلم خاں اصغر حسین خانصاحب نظیر لدھیانہ)

اے خلیل کردگار اے بانئ بیت الحرام
اے کہ تجھ پر ہوگیا آتش کدہ دار السلام

تیرے پرتو سے ایاغ زندگی ہے لالہ گوں
انبیا کی ہر رگ تن میں رواں ہے تیرا خوں

کس قدر ہے دیدۂ ایماں نثار حسن گل!
آتش نمرود کو سمجھا بہار حسن گل!

لا احب الآفلین سے دل ترا آباد ہے
تو طلسم کوکب و خورشید سے آزاد ہے۔

دہر میں ہے عید قرباں سے تری عظمت ہنوز
ملت بیضا میں زندہ ہے تری سنت ہنوز

عرش پر اک حرف سے باب اجابت باز تھا
یہ ترا ورد دعا تھا یا دم اعجاز تھا

خاک بطحا سے بھی باغ دل کشا پیدا ہوا
تیرے گھر میں بھی امام انبیا پیدا ہوا

کر دیا قرباں تری اولاد نے لطف حیات
تا نہال ہاشمی ہو زبدۂ صد کائنات

ایک دنیائے کہن پنہاں ہے تیری نام میں
دیکھتا ہوں جلوۂ ماضی کو ان ایام میں

کھا گئی بابل کے ایوان حکومت کو زمیں
بن گئے تصویر عبرت مصر کے تاج و نگیں

دولت یونان و ایراں بے نشاں سی ہو گئی
روم کی آفاق گیری داستاں سی ہو گئی

رو رہا ہے اک جہاں غرناطہ و بغداد کو
پیس ڈالا دور گردوں نے جہاں آباد کو

خاک کی آغوش میں ہیں لاکھ اقوام جہاں
خون صد امصار سے لبریز ہے جام جہاں

نام ابراہیم لیکن زندۂ جاوید ہے
کوئی گر سمجھے تو اس میں زندگی کا بھید ہے

گردش ایام سے ساز ازل آزاد ہے
ہر زماں اس نغمۂ خاموش سے آباد ہے

دعوتِ اسلام اور خسرو کا انجام

صلح حدیبیہ کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چار سلاطین اور دو رؤسائے عرب کے نام دعوت اسلام کے خطوط ارسال فرمائے ان میں سے بعض نے تو یہ دعوت بطیب خاطر قبول کر لی۔ اور بعض کو تردد ہوا لیکن خسرو پرویز کجکلاہ ایران بڑی شان و شوکت کا بادشاہ تھا۔ اسکی سلطنت میں دربار کو عدیم النظیر عظمت و جلال حاصل تھا۔ چونکہ نامہ مبارک عجم کے طریق کے موافق نہ تھا۔ اسمیں پہلے خدا کا نام اور پھر عرب کے دستور کے موافق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام مبارک درج تھا۔ اس لئے خسرو اسے دیکھ کر بڑا جھنجلایا۔ اور اپنی توہین سمجھ کر گستاخانہ الفاظ منہ سے نکالے۔ اور عجب و غرور سے نامہ مبارک کو چاک کر ڈالا۔ لیکن چند روز کے بعد خود سلطنت عجم کے پرزے اڑ گئے۔ یہ داستان نظامی نے شیریں خسرو میں اسلامی جوش سے تفصیل کے ساتھ لکھی ہے۔ چنانچہ اس کے چند اشعار ہدیہ ناظرین کئے جاتے ہیں۔ وھوہذا۔

درآن دوران گیتی را مراد بود — زمشرق تا بمغرب نام او بود — طلبِ خسرو
رسول ما بہ حجت ہائے قاہر — نبوت در جہاں مے کرد ظاہر
گہے با سنگِ خارا راز مے گفت — گہے رنگش حکایت باز مے گفت
خلائق را ز دعوت جام در داد — بہر کشور صدائے عام در داد
بفرمود از عطاعطرے سرشتند — بنام ہر یکے سطرے نوشتند
چو از نام سنجاشی باز پرداخت — ز بہر نام خسرو نامہ ساخت
بجو قاصد عرض کرد آں نامہ او — بجوشید از غضب اندام خسرو
ز تیزی گشت ہر موش سنانی — ز گرمی ہر رگش آتش فشانی
سوادے دید روشن ہیبت انگیز — نوشتہ از محمد سوے پرویز
چو عنواں گاہے عالم تاب را دید — تو گفتی سگ گزیدہ آب را دید
غرور بادشاہی بردش از راہ — کہ گستاخی کہ یارد ، با چومن شاہ
کرا زہرہ کہ با ایں احترامم — نویسد نام خود بالائے نامم
رخ از گرمی چو آتش گاہِ خود کرد — بجز اندیشۂ بد کرد ، و بد کرد
درید آں نامۂ گردن شکن را — نہ نامہ بلکہ نام خویشتن را
فرستادہ چو دید آں خشمناکی — برجعت پائے خود را کرد خاکی
ازاں آتش کہ آں دودِ تہی داشت — چراغ آگہاں را آگہی داشت — ۵۲ شنبضمیہ
زگرمی آں چراغ گردن افروز — دعا را داد چوں پروانہ پرواز
عجم را زاں دعا کسرے درافتاد — کلاہ از تارک کسریٰ درافتاد

خلیفہ النّاصر کی خفیہ پولیس

آج کی متمدن دنیا کو اپنے ذرائع خبر رسانی پر بڑا ناز ہے۔ اور اکثر ممالک میں اس محکمہ کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے اس لئے کہ سیاست و حکمرانی کی دنیا اپنے قیام و استحکام کے لئے سب سے زیادہ اسی کی محتاج ہے۔ لیکن تاریخ بتلاتی ہے۔ کہ اس سے پہلے اور بھی دُنیا کی سلطنتوں نے اس محکمہ کو بڑی ترقی دی تھی۔ خصوصاً خلفائے عباسیہ کے زمانہ میں تو یہ معراج ترقی پر تھا چنانچہ اس زمانہ کے حیرت انگیز واقعات پیش کئے جاتے ہیں۔ جب نہ تو ریل تھی۔ نہ ہوائی جہاز نہ ٹیلیگراف تھے۔ اور نہ ٹیلیفون۔ لیکن اصل واقعات سے بادشاہوں کو کسقدر باخبر رکھا جاتا تھا۔ ان واقعات کو سنکر آج بمشکل لوگوں کو یقین آئیگا۔ جبکہ آج کل کے جدید آلات خبر رسانی بھی اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہیں۔ علامہ سیوطی نے وہبی کا قول بیان کیا ہے۔ کہ خلفائے عباسیہ بغداد میں الناصر الدین اللہ احمد نہائت زبردست اور باخبر خلیفہ گذرا ہے اس کی مدت خلافت ۴۷ سال ہے۔ یہ شخص مدت العمر عزت و جلال کے ساتھ رہا۔ تمام دشمنوں کا اس نے قلع قمع کر دیا۔ تمام بادشاہوں نے اس کی اطاعت کا اظہار کیا کسی شخص نے اس سے سرکشی نہیں کی۔ نہ کسی نے اس پر خروج کیا۔ اور اگر کسی نے کیا تو فوراً اس کی سرکوبی ہوگئی۔ یہ اپنے دادا المستنجد باللہ ابو المظفر کی طرح مصالح ملک میں شدید الاہتمام تھا۔ اس کا اقبال نہائت زبردست تھا۔ رعایا کے تمام امور خواہ چھوٹے ہوں یا بڑے سب سے خبردار رہتا تھا۔ اس کے اخبار نویس یا پرچہ لگار ہر جگہ موجود تھے جو روزانہ تمام خفیہ اور ظاہر باتوں کو بوضاحت لکھ کر بھیجدیتے تھے۔

جب بادشاہ مازندراں کا ایلچی بغداد میں آیا۔ تو بارگاہ خلافت کا خفیہ نویس اس کے تمام افعال و اعمال کی اطلاع کیلئے ساتھ تھا۔ یہ دیکھ کر ایلچی نے اپنے کاروبار کے متعلق اخفا و پوشیدگی میں خاص اہتمام کیا۔ لیکن وہ جتنی زیادہ اخفا کی کوشش کرتا تھا اتنی ہی الناصر کو زیادہ صحیح اطلاع مل جایا کرتی تھی۔ ایک رات کو ایلچی نے چور دروازہ سے ایک عورت کو بلوایا۔ رات بھر اس کو اپنے پاس رکھا۔ اور صبح دربار خلافت میں مفصل حالات معلوم ہوگئے۔ یہاں تک بھی بتا دیا گیا۔ کہ ان دونوں نے جو لحاف اوڑھا تھا۔ اس پر ہاتھی کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ یہ دیکھ کر ایلچی بہت متحیر ہوا۔ اور بغداد سے چلا گیا۔

خوارزم کا ایلچی ایک خفیہ خط جو سربمہر تھا۔ لایا۔ اور دربار میں حاضر ہوا۔ تو الناصر نے فوراً کہدیا۔ کہ خط کی ضرورت نہیں ہے۔ خط کا جو مضمون ہے وہ مجھے معلوم ہے۔ تم واپس چلے جاؤ۔ اور خط کا جواب وہیں پہنچ جائیگا۔ چنانچہ اس کا جواب خوارزم شاہ کو بھیجدیا گیا۔

ایک شخص الناصر کیلئے ہندوستان سے ایک طوطا لیکر چلا۔ جو قل ہو اللہ احد پڑھتا تھا۔ جب بغداد پہنچ چکا۔ تو رات کو طوطا مرا ہوا پایا۔ صبح ہوئی یہ شخص نہائت پریشان و غمگین تھا۔ اور اپنی اس بدنصیبی پر ملول تھا۔ کہ خلیفہ کا ایک خادم پہنچا۔

اور اس سے وہ طوطا طلب کیا۔ وہ شخص رونے لگا۔ اور اس نے بیان کیا۔ کہ وہ طوطا تو رات کو مر گیا۔ خادم نے کہا ٹھیک ہے مجھے معلوم تھا۔ کہ وہ مر چکا ہے۔ اب مجھے وُہ مرا ہوا طوطا دیدو۔ اور یہ بتلاؤ۔ کہ تم کو خلیفہ سے کتنے انعام کی توقع تھی۔ اس نے کہا کہ پانچسو دینار کی امید کر کے چلا تھا۔ خادم نے پانچسو دینار کھول کر رکھدیئے۔ اور کہا کہ لے۔ یہ خلیفہ نے تجھے عنایت کئے ہیں جس وقت تو اس قصبہ سے ہندوستان سے روانہ ہوا تھا۔ خلیفہ کو اسی وقت سے تیری خبر تھی۔

ایک مرتبہ ایک سوداگر جس کے پاس دیبا کی چادریں تھیں۔ اور جن پر طلائی کام تھا۔ بغداد میں آیا۔ چونگی والوں نے اس سے محصول طلب کیا۔ مگر اس نے انکار کر دیا۔ کہ میرے پاس کوئی چیز ایسی نہیں ہے۔ جس پر محصول عائد ہوتا ہے۔ چونگی والوں نے اس کے سامان کے اعداد اور ان کی رنگتیں اور قسمیں بھی بیان کر دیں۔ مگر وہ انکار ہی کرتا رہا۔ آخر کار خلافت کی ہدایات کے مطابق اس سے کہا گیا۔ کہ کیا تو نے اپنے فلاں ترکی غلام کو دمیاط میں فلاں قصور کی وجہ سے قتل نہیں کیا؟ اور اس کو فلاں جگہ دفن نہیں کیا؟ سوداگر کے یہ سنکر ہوش اڑ گئے۔ کیونکہ اس نے اس راز کو نہایت پوشیدہ رکھا تھا۔ اور وہ جانتا تھا۔ کہ کسی کو اس کی خبر نہیں ہے سوداگر حیران ہو گیا۔ اور اس نے بلا تامل محصول ادا کر دیا۔

جب مفتی صدر جہاں بغداد آئے۔ تو ان کے ہمراہ بہت سے فقہا بھی تھے۔ ان میں سے ایک فقیہہ کے پاس نہایت نفیس گھوڑا تھا۔ جب وہ سمرقند سے چلنے لگے۔ تو اس کی بیوی نے کہا۔ کہ اس گھوڑے کو یہیں چھوڑ جاؤ۔ ایسا نہ ہو بغداد میں کوئی اس کو خوبصورت دیکھ کر چھین لے۔ فقیہہ نے جواب دیا۔ کہ اور تو اور خلیفہ بھی مجھ سے گھوڑا نہیں چھین سکتے۔

ادھر الناصر نے بغداد میں حکم دیا۔ کہ جس دن وہ فقیہہ بغداد پہنچے۔ تو فوراً اس کو پکڑ کر مار دو۔ اور اس سے وہ گھوڑا چھین لو۔ چنانچہ جب فقیہہ بغداد پہنچے۔ تو خلیفہ کے حکم کے مطابق ان کا گھوڑا چھین لیا گیا۔ انہوں نے بہت چیخ پکار کی۔ مگر کون سنتا تھا۔ صدر جہاں حج سے فارغ ہو کر گھر جانے لگے۔ تو ان کو اور ان کے ہمراہیوں کو بارگاہ خلافت سے خلعت وانعام عطا ہوا۔ تو ان فقیہہ صاحب کو بھی خلعت ملا۔ جس میں ان کا وہی گھوڑا اور اس کے ساتھ طوق طلائی بھی شامل تھا۔ دیتے وقت ان سے کہا گیا۔ کہ خلیفہ کو تو آپ کا گھوڑا لینے کی جرأت نہ تھی۔ مگر اس کے ایک ادنیٰ غلام نے اس کو چھین لیا۔ فقیہہ یہ سنکر بہت سٹ پٹایا۔ اور غش کھا کر گر پڑا۔

غرض اسی نگرانی اور تکمیل نظام کا نتیجہ تھا۔ کہ الناصر کا جلال و رعب خلفائے عباسیہ میں ضرب المثل ہو گیا تھا۔ الموفق عبداللطیف کی رائے ہے۔ کہ الناصر نے ہیبت خلافت کو جو معتصم کے بعد مر چکی تھی۔ از سر نو زندہ کر دیا تھا۔ اور بڑے بڑے جلیل القدر بادشاہ۔ جیسے کہ بادشاہ مصر و شام جس وقت الناصر کا ذکر کیا کرتے تھے۔ تو اپنی خلوت گاہوں میں بھی اس کے ہیبت و جلال کی وجہ سے نہایت دھیمی اور پست آواز سے باتیں کیا کرتے تھے۔

غیور مغیرہ اور دربار مامون الرشید

(از مصور غم جناب مولانا راشد الخیری صاحب دہلوی)

زمانہ میں اگر مصروفیت اور زندگی کے جھگڑے اجازت دیں۔ تو مسلمان عورتیں اپنی تاریخ پر نظر ڈالیں۔ اور دیکھیں۔ کہ صداقت نے کیا کیا جوہر دکھائے۔ اور کلمہ توحید کی پڑھنے والیاں کس دل اور گردے کی عورتیں تھیں۔ کہ دنیا کی ہر طاقت ان کی صداقت کے سامنے ہیچ تھی۔ دولت جس کے نشہ نے آج دماغ مست کر دیئے۔ حکومت جس کے زعم نے اس وقت انسانیت ختم کر دی مرنے والی بیویوں نے صداقت کے مقابلہ میں پاؤں سے ٹھکرادی۔ اور دنیا کو دکھا دیا۔ کہ سانچ کو آنچ نہیں ہوتی۔

زندگی میں سر آنکھوں پر رکھنے اور مرنے کے بعد حوروں کی جگہ پانے کے قابل تھیں۔ وہ متبرک ہستیاں جنہوں نے دنیا کی ہر مصیبت کو راحت اور ہر اذیت کو عشرت سمجھا۔ اور صداقت کو ہاتھ سے نہ دیا۔ وقت نے ان کا ساتھ دیا۔ قدرت نے ان کی قدر کی اور انہوں نے اپنی آنکھ سے دیکھ لیا۔ کہ سپہر کے ایک ہی دور میں وہی کائنات جس کا ہر ذرّہ دشمن تھا۔ قدموں میں لوٹ رہی ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ تلوار کی دھار پر برچھی کی انی پر پھانسی کے تختہ پر صداقت کا ہمیشہ بول بالا رہا۔ اس میں وہ مخفی دولت پوشیدہ طاقت ہے جس نے مظلوم کو ظالم پر محکوم کو حاکم پر۔ اور کمزور کو طاقتور پر ترجیح دی۔ دنیا اس قوت کا اندازہ نہ کر سکی۔ مگر واقعات دکھا رہے ہیں۔ کہ حکومت اس کے سامنے ہیچ۔ سلطنت اس کے روبرو ہیچ اور طاقت اس کے مقابلہ میں لغو ہے۔

دولت عباسیہ کا وہ تاجدار مامون الرشید جس نے نوشیرواں کے عدل اور حاتم کی سخاوت کو دنیا کے دل سے فراموش کر دیا۔ سلطنت بغداد پر جلوہ افروز ہے۔ شہزادہ عباس مامون الرشید کا بڑا لڑکا طالقۃ النمل کے قریب سیر و شکار میں مصروف ہے غروب ہونے والے آفتاب کی شعاعیں آب دجلہ کے قدموں میں لوٹ رہی ہیں۔ طائران خوش الحان کے نغمہ میں منہمک جو کنارہ دریا پر وداع روز روشن کا مرثیہ پڑھ رہے تھے۔ کہ ایک حسین عورت پانی کا گھڑا بھر رہی تھی۔ عباس اس کو دیکھ کر آگے بڑھا اور پوچھا تو کون ہے۔ اور کس خاندان سے متعلق۔ کیا ایسے غیر آباد مقامات پر بھی جہاں پہاڑ اور جنگلوں کے سوا کچھ نہیں ہے۔ حسن جنم لے سکتا ہے۔ شہزادہ اپنا فقرہ ختم کر کے جو دیکھتا ہے۔ تو غیور حسینہ کے چہرہ پر بل آ چکا تھا۔ اس کا چہرہ غصہ سے تمتما اٹھا اس نے شہزادہ کا سوال حقارت سے ٹھکرا دیا۔ اور آگے بڑھی۔ باپ کی عظیم الشان حکومت کا جن عباس کے سر پر سوار تھا۔ حکم دیا۔ کہ اس مغرور عورت کا حسب نسب دریافت کرو۔ اور میری طرف سے شادی کا پیغام دو۔ نوکر چاکر اس عورت کے پیچھے روانہ ہوئے شہزادہ نے اپنا شکار ملتوی کیا۔ اور خیمہ میں جا کر خاموش بیٹھ گیا۔ آدھی رات تک اسی الجھن میں گرفتار رہا۔ کبھی خیمہ سے باہر آتا تھا

کبھی اندر ایک خادم نے عرض کیا۔ یہ عورت خاندان برامکہ کی لڑکی مغیرہ بنت ازدار ہے۔ وہ دو بچوں کی ماں اور حسین ابن موسیٰ کی بیوہ ہے۔ اس کے ورثا میں سے کوئی زندہ نہیں۔ صرف دو معصوم بچے ہیں۔ شادی کا پیغام اس کے لئے قیامت سے کم نہ تھا۔ آپے سے باہر ہو گئی۔ اور یہ الفاظ کہے۔ ہارون ہماری جان تباہ کر چکا۔ اب مامون ہماری عزت کے درپے ہے لیکن عباس یاد رکھے۔ کہ اس کی شہزادگی اس ٹوٹی پھوٹی جھونپڑی کی دہلیز پر دونوں ہاتھوں سے مسل دونگی۔

رات کا پردہ دنیا سے اٹھا۔ ادھر صبح آل برامکہ کی بربادی کا نوحہ کرتی ہوئی نمودار ہوئی۔ اور طالُفتہ النمل کے ایک مختصر سے مکان میں مغیرہ نے نماز فجر سے فراغت پائی چھوٹے بچے کو کلیجہ سے لگا کر پیار کیا۔ کچھ کہنا چاہتی تھی۔ کہ عباس شہزادہ کا یہ پیغام ایک قاصد کے ذریعہ سے اس کے کان میں پہنچا۔ شہزادہ عباس کا غصہ تیری جان اور مال خاک میں ملا دیگا۔ یہ مکان ضبط کیا جاتا ہے۔ اور تجھ کو دو گھنٹہ کی اجازت ہے۔ یہ مکان خالی کر دے۔

مغیرہ یہ پیغام سن کر دروازہ پر آئی۔ اور قاصد سے کہا۔ کہ عباس اسوقت کو بھول جائے جب میرے دادا جعفر کا سر اس کے دادا ہارون کے سامنے رکھا گیا۔ اور بے گناہ قتل نے آل برامکہ کو دو دو دانوں سے محتاج کر دیا۔ لیکن برامکی بی بیاں جس تحمل سے مظالم عباسیہ کو برداشت کرتی ہیں۔ تاریخ اس کو فراموش نہیں کر سکتی۔ اتنا کہکر مغیرہ ایک سفید رو اسر پر اوڑھ کر اور دونوں بچوں کو ساتھ لے کر باہر نکل آئی۔

دوسری صدی قریب ختم ہے۔ مامون الرشید کا دربار گرم ہے۔ مغیرہ کے چہرہ پر جو چودہویں رات کے چاند کو شرماتا تھا ضعیفی کے آثار اچھی طرح پیدا ہو گئے۔

مامون کے پہلو میں عباس تخت نشین تھا۔ امراء و وزرا خاموش بیٹھے تھے۔ کہ مظلوم مغیرہ دربار شاہی میں حاضر ہوئی اور کہا۔ کہ ایک بیوہ کا مکان صرف اس لئے۔ کہ وہ اپنی عصمت کی محافظ تھی۔ سلطنت عباسیہ کو مبارک ہو۔ لیکن مامون الرشید کو ایکدن اس بادشاہ کو بھی منہ دکھانا ہے جس کی سلطنت کبھی فنا ہونے والی نہیں ہے۔ شہنشاہ! ظالم کی ستائی تیرے پاس فریاد لائی ہوں۔ انصاف کر۔ اور داد دے۔ دربار عورت کا منہ تکنے لگا۔ مگر کسی کی اتنی ہمت نہ تھی۔ کہ بادشاہ کی موجودگی میں اس سے بات کر سکتا۔ مامون الرشید نے عورت سے کہا۔ اس ظالم کا نام بتا۔ کہ وہ کون ہے۔ عورت ہنسی اور ہنسکر کہا شہزادہ عباس جو تخت شاہی پر تیرے برابر بیٹھا ہے۔ آج مسلمان دنیا بھر کے عیوب کا مخزن ہو جائیں۔ مگر یہ مُردہ قوم کبھی زندہ بھی تھی۔ مامون کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا۔ اس نے چوبدار کو حکم دیا۔ کہ عباس کو اس عورت کے برابر کھڑا کر دے۔ تاکہ مدعی اور مدعا علیہ میں کوئی امتیاز نہ رہے۔ شہزادہ عباس خاموش تھا۔ اور ہر سوال کے جواب میں رک رک کر ایک آدھ بات کہہ دیتا تھا۔

مغیرہ دھڑلے سے اپنی داستان بیان کر رہی تھی۔ اس کے چہرہ سے عصمت کا خون ٹپک رہا تھا۔ یہاں تک کہ اس کی زبان سے یہ لفظ نکلے: عباس! یہ صحیح کہ تو مامون الرشید کا لڑکا اور سلطنت کا مالک ہے۔ لیکن یہ ہاتھ منتظر تھے۔ اس کے اگر تو اپنی دھن میں آکر قریب پہنچتا۔ تو یہ تیری گردن خاک میں ملا دیتے۔ آل برامکہ کی دولت عباسیوں نے پامال کر دی مگر ہماری

عصمت وہ دولت ہے۔ کہ عباسی سلطنت کو اس پر سے قربان کر دیں۔

وزراء مغیرہ کی جرأت پر متعجب ہوئے اور کہا۔ کہ یہ بیباکی آداب شاہی کے خلاف ہے۔ ادب سے گفتگو کر۔ مامول نے کہا۔ اس کو مت روکو۔ یہ حق رکھتی ہے۔ کہ جو کچھ اس کے منہ میں آئے کہے۔ یہ صرف اس کی صداقت ہے۔ جس نے اس کی زبان کو تیز اور اس کے حوصلہ کو بلند کر دیا۔ اور عباس کی کمزوری ہے۔ جس نے اس کو گونگا بنا دیا۔

اس وقت پانچ ہتھیلیاں اشرفیوں سے بھری ہوئی اپنے ہاتھ سے مغیرہ کے قدموں میں ڈالدیں۔ اور نہ صرف اسکا مکان واپس کیا۔ بلکہ قصرِ عباس جو ایک عظیم الشان محل تھا۔ اس کو عطا فرما کر درخواست کی۔ کہ وہ شہزادہ کا قصور معاف کر دے

بقائے قوم

(از قلم حضرت اظہر)

بیگانۂ حیات ہے نا آشنائے قوم
سِرِّ بقا کا روح ہے رازِ بقائے قوم

جس جا پہ سر ہے ہستیِ افراد کا نگوں
اس سرزمیں پہ رکھے ہیں قدرت نے پائے قوم

ہر ذرّہ اس کا بنتا ہے دُنیائے حرّیت
ہوتا ہے راکھ جب دلِ سوزِ آشنائے قوم

ہوتی جہاں ہیں ختم زری خود پرستیاں
غافل! وہی ہے جلوہ گہِ ابتدائے قوم

اس سازِ دل کو آتشِ نغمہ سے پھونک دے
جس میں نہیں ہے گرمیِ کیفِ نوائے قوم

پہلے تو اپنا شیشۂ اغراض توڑ دے
پینا اگر ہے بادۂ راحت فزائے قوم

دل کو شرارِ خدمتِ ملت سے پھونک ڈال
بننا اگر ہے تجھ کو چراغِ سرائے قوم

اظہر مرا کلام ہے تعلیم زندگی
اس درجہ ہوں میں واقفِ رازِ بقائے قوم

ارشاداتِ حضرتِ علی کرم اللہ وجہہٗ

دوستی اور برادرانہ اُلفت کا زمانہ نہ رہا۔ سچائی کم ہوگئی۔ اور لوگوں سے امیدیں منقطع ہوگئیں۔ مجھے زمانے نے اس آشنا کے حوالے کر دیا ہے۔ جو بہت بڑا بدعہد اور عہد شکن ہے۔ اور کچھ بھی مروت نہیں کرتا۔ مجھے بھی خدا بہت جلد بے پروا کر دے گا جس نے اوروں کو مجھ سے بے پروا کر دیا ہے۔ کیونکہ ہمیشہ نہ امیری رہتی ہے نہ فقیری۔ نعمت رہتی ہے نہ راحت۔ اسی طرح مصیبت بھی گذر جاتی ہے۔

جو دوستی اور محبت خدا کیلئے ہے۔ وہ پاک اور پاکیزہ ہے۔ برائیوں سے دل میں میل آجاتا ہے۔ جب میں کسی دوست کی بیوفائی دیکھتا ہوں۔ تو اپنی اولوالعزمی اور حیا کی وجہ سے چشم پوشی کرتا ہوں۔ ہر زخم کے لئے ایک دوا ہے مگر بد خلقی کی کوئی دوا نہیں۔

اکثر بھائیوں سے میں نے محبت کی۔ مگر ان کی الفت میں قیام نہ پایا۔ منہ پر ہمیشہ دوستی کی باتیں اور پس پشت غیبت و دشمنی کی گھاتیں۔ جب تک ملاقات ہے دوستی ہے۔ مگر جب کوئی بلا نازل ہوتی ہے۔ تو وہ بدتر دشمن سے کم نہیں۔ اگر میں کسی کی نگاہ سے اوجھل ہو جاؤں۔ تو اسے کچھ بھی ملال نہ ہوگا۔ بلکہ پیٹھ پیچھے بُرا کہنے کو تیار رہو جائے گا۔ ان کی دوستی کی مثال آج کے جانے والے مسافر کی سی ہے جس طرح یہ نہیں اسیطرح وہ بھی نہیں۔ دنیا کے آدمی زہر کے پتلے ہیں۔ ان کے پاس سوائے زہر اگلنے کے کچھ نہیں۔

میرا علم میرا دوست ہے۔ اور میرے اخلاق میرے سچے ساتھی۔ اگر میں ہزار دشمنی چاہوں۔ تو مل جائیں گے۔ مگر دوست ایک بھی مشکل سے ملیگا۔ اس زمانہ کے سر پر خاک پڑے جس کے عہد میں برائی کے سوائے سچائی نہیں۔ دنیا میں کوئی اپنا رفیق نہیں اور جو ہیں سچائی سے خالی ہیں۔

میں نے سفر کیا۔ کہ جو کوئی ملے۔ اس سے پوچھوں کہ آیا دنیا میں کوئی سچا دوست بھی ہے۔ لوگوں نے کہا یہ دو چیزیں نایاب ہیں۔ کہ وہ نہیں ملتیں۔ ایک دوست صادق اور ایک بیضۂ انوق۔

اے بھائیو! اسلیے یہ زمانہ بھائی نہیں رکھتا۔ اس کے بھائی سب ظالم اور بے مہر ہیں۔ جن کے دو دہن ہیں۔ اور دو زبانیں۔ بتجھے بظاہر کس خندہ پیشانی سے ملتے ہیں۔ مگر ان کے دلوں میں بغض و حسد بھرا پڑا ہے۔ جب تو اُن کی نظروں میں اوجھل ہو جاتا ہے۔ تو وہ تیری غیبتیں کرتے ہیں۔ اور سو سو طرح کی تہمتیں دھرتے ہیں۔ اب ایسا زمانہ اور ایسے لوگ رہ گئے ہیں۔ کہ اس کی محبت پر بھی تجھ سے دو آدمی دوستی نہیں رکھتے۔ اے شخص تنہا رہا کر۔ اور اس زمانہ میں کسی سے الفت اور محبت نہ کر۔

شہباز۔ جودھپور
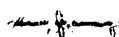
بصائر و عبر

سفرنامہ سعدیؒ کا ایک ورق

جس میں عبرت ہے اہل نظر کے لئے

شیخ سعدی علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں۔ کہ غیاث الدین اور اوزبک پہلوانوں کے سخت حملوں نے جب شیراز کو تباہ و برباد کر دیا تو ہم مسکینوں۔ غریبوں اور خلوت گزینوں کی صحبتیں بھی پریشان اور درہم برہم ہوگئیں۔ چونکہ شہر میں اینٹ سے اینٹ بج گئی تھی۔ وہ نوجوان شہزادے جن کی مجلسیں عیش و عشرت میں سرشار اور گرم رہتی تھیں۔ تلوار کی نذر ہو چکے تھے۔ ان کی عالیشان عمارتیں اکھیڑ کر پھینک دی گئی تھیں۔ محلوں کے محلے سونے اور ویران پڑ گئے تھے۔ وہ خوش قسمت اشخاص جو کسی طرح تلوار سے بچ گئے۔ جنگلوں اور بیابانوں میں پناہ گزیں ہو گئے تھے۔ یہاں تک نفسی نفسی تھی۔ کہ صوفی بھی ھُو حق۔ ھُو حق کی صدائیں بلند کرنا بھول گئے تھے۔ وجہ یہ تھی۔ کہ ہر ایک متنفس اپنی اپنی جگہ مصیبت میں مبتلا تھا۔ باپ بیٹے کی اور بیٹا باپ کی خبر تک نہ لے سکتا تھا۔ عیش و عشرت تو یوں ہی نابود تھی۔ اور حالت تو یہ تھی۔ کہ کوئی کسی کا دردشریک بھی نہ بنتا تھا۔ غرض شہر کی نہایت قابل رحم حالت ہوگئی۔ اس حالت میں مجھے شہر میں رہنا نہایت تکلیف دہ ہوا۔ والدین ملک بقا کو چل بسے تھے اور کوئی والی وارث یا عزیز ایسا نہ تھا۔ کہ جس کی مجبوری کا زیادہ خیال ہوتا۔ اس لئے شہر اور وطن کی محبت سے دل بھر گیا انہیں ایام میں ایک قافلہ بغداد شریف کی طرف روانہ ہونے کو تھا۔ چونکہ بغرض تعلیم پہلے سے بھی میرا ارادہ بغداد شریف کا تھا۔ اب قافلہ کے ساتھ ہی میں نے بھی روانہ ہونا مناسب سمجھا۔ جب میری اس ہجرت کی بابت اِدھر اُدھر چہ میگوئیاں شروع ہوئیں۔ تو عزیزوں دوستوں اور پیارے احباب نے شہر اور وطن کے سبز باغ دکھلا کر اس ارادہ سے پھیرنا چاہا مگر میں ایسی ناقابل برداشت مصیبتوں میں پھنس کر رہنا کب گوارا کر سکتا تھا۔ صاف جواب دیدیا؎

دلم از صحبت شیراز بکلی بگرفت ٭ وقت آنست کہ پرسی خبر از بغدادم

سعدیا حب وطن گرچہ حدیثیست صحیح ٭ نتواں مرد بسختی کہ من اینجا زادم

جو اسباب کہ گھر میں تھا۔ عزیزوں اور رشتہ داروں میں تقسیم کر دیا۔ البتہ ایک پتلی سی تلوار۔ چھوٹی سی کمان ترکش میں پانچ دس تیر۔ چند ضروری ضروری کتابیں اور ایک قرآن شریف جو سنہری حرفوں سے چمڑے پر لکھا ہوا تھا۔ اور چند درہم نقدی جو گھر میں موجود تھے۔ کا ساتھ لینا مناسب سمجھا۔ قصد کر لیا۔ کہ اب اس خانماں برباد شہر کی طرف کبھی رخ نہ کرونگا۔ قافلہ تیار ہو کر روانہ ہوا۔ اور میں بھی چند دوستوں کو روتا چھوڑ کر قافلہ کے ساتھ ہو لیا۔

مگر کرشمۂ قدرت دیکھیئے۔ کہ ابھی ایک منزل کا سفر بھی طے نہ کیا تھا۔ کہ مجھے ایک مہلک مرض نے آدبایا۔ بہت کوشش کی۔ کہ قافلہ کا ساتھ نہ چھوٹے۔ مگر قسمت نے ساتھ نہ دیا۔ ناچار قافلہ کو چھوڑ ایک گاؤں میں ٹھیر گیا۔ اور دل کو ڈھارس بندھائی کہ اگر ان کا ساتھ قسمت میں ہوتا۔ تو مبتلائے آزار ہی نہ ہوتا ؎

مالا یکون فلا یکون بحیلۃ ✧ ابداً وما ھو کائن سیکون
یسعی القوی فلا ینال بسعیہ ✧ حظاً ویحظی عاجز ومھین
(حضرت علیؓ)

یعنے جو کچھ نہ ہونے والا ہو۔ وہ حیلوں سے کبھی نہیں ہو سکتا۔ جو ہونے والا ہو وہ خود بخود ہی وقت مقررہ پر ہو جاتا ہے۔

آخر گیارہ روز کے بعد ایک عورت کے علاج سے شفا پائی۔ گاؤں والوں نے بیماری میں بڑی خدمت کی تھی۔ ان کے اس نیک سلوک سے مجھ کو ان سے اور ان کو مجھ سے بہت کچھ انس اور محبت ہو گئی تھی۔ اب میرے چلنے میں وہ بھی کچھ مانع ہوئے اور مجھے بھی ان کی جدائی ناگوار سی معلوم ہوئی۔ مگر ایک تو میں وطن کی بودوباش سے اکتایا ہوا تھا۔ اور دوسرے تعلیم کا شوق دل میں پوری طرح موجزن تھا۔ یہاں رہنا کسی طرح اچھا نہ تھا۔ گاؤں والوں نے بہت سا شہد۔ پنیر اور کباب کی روٹیاں ساتھ لیجانے کیلئے لادیں۔ میں نے شکریہ ادا کیا۔ اور یہ کہکر کہ میرے پاس جو پہلے سامان ہے وہ بھی نہیں سنبھالا جا سکتا۔ واپس کردیں۔ اس وقت شیراز کی حدود دُور دُور تک غیر امن تھیں۔ قافلوں کے قافلے لوٹے اور مارے جاتے تھے۔ اکا دکا مسافر کا بچکر منزل مقصود تک سلامتی سے پہنچنا تو بالکل ناممکن تھا۔ میں (سعدی) ابھی تین چار فرسنگ تک ہی گیا تھا۔ کہ ایک طرف کے پہاڑوں کی کھوہوں سے چند آدمی دکھائی دیئے۔ جو سیدھے میری طرف آرہے تھے۔ دیکھتے ہی میں نے جان لیا۔ کہ مسافر تو نہیں۔ اگر ہیں تو راہزن اور قزاق ہی ہیں۔ مگر میرے پاس سوائے چند درہموں کے خطرہ کی کوئی چیز تھی نہیں اس لئے دلیر تھا۔ کہ میں ضائع نہ جاؤنگا۔ اور جو کچھ پاس ہے برباد انشاءاللہ کبھی نہ ہوگا۔ اتنے میں مذکورہ اشخاص سر پر آکھڑے ہوئے۔ اور کہنے لگے۔ راہزن جو کچھ پاس ہے رکھدے ورنہ مار دیا جائیگا۔ میں طالب علم ہوں تعلیم کے لئے جارہا ہوں۔ جو بوجھ تم کو نظر آتا ہے۔ صرف کتابیں اور قرآن عظیم ہے۔ باقی بس۔ راہزن کچھ نقدی بھی پاس ہے یا صرف کتابوں کا ہی بستہ لئے پھرتا ہے۔ میں۔ ہاں نقدی میرے پاس بیشک ہے۔ اگر اس پر بھی تمہارا جی للچایا ہے تو لیجئے نذر ہے۔ مگر اتنا کہتا ہوں۔ کہ اس سرمایہ سے میرا تحصیل علم کا ارادہ تھا۔ اب تم بھی ضرور اس مسکین کے سرمایہ کو بچوں کی تعلیم پر ہی خرچ کرنا میں نے اتنا کہنے کے بعد جو کچھ نقدی تھی کوڑی کوڑی ان کے آگے رکھدی۔ میرے دام ودرہم رکھنے اور ان چند کلمات نے ان کے دل پر کچھ اور ہی اثر کیا۔ میں نے اوپر کو دیکھا۔ تو شرم کے مارے ان کی آنکھیں نیچے تھیں۔ اور پانی کی طرح آنسو ٹپ ٹپ نکلے تھے۔ اسباب کو چھونا تو درکنار الٹا معذرت کرنے لگے۔ یا شیخ جو کچھ ہم نے کیا ہے بڑا کیا ہے۔ آپ یہ گستاخی معاف کردیں۔ ہم دل سے اقرار کرتے ہیں۔ کہ آیندہ کبھی یہ کام نہ کریں گے۔ اور اس پیشہ سے توبہ کرتے ہیں۔

شیخ علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں۔ کہ بعد ازیں ایک نے ان میں سے میرا وزنی قرآن شریف اور دیگر سامان جو پشت اور شانے توڑ رہا تھا۔ مجھ سے لیکر کاندھے پر اٹھالیا۔ اور اس کا ایک اور رفیق اس کے ساتھ ہوا۔ اور کہنے لگے۔ یا شیخ آپ نے کہاں جانا ہے۔ ہم آپ کو منزل مقصود تک پہنچا کر واپس ہوں۔ یا وہاں ہی رہیں گے۔ چونکہ ایک تو اس بوجھ سے تکلیف ہے۔ دوسرے مبادا اس بیابان میں آپ کو اور بھی کوئی گزند پہنچے۔ ہم آپ کا سہارا ہوں گے۔ یہاں تک ہی اکتفا نہ کیا گیا۔ بلکہ دوسرے قزاق نے ایک موٹا تازہ اور نہائیت تیز رو گھوڑا لا دیا۔ اور کہا۔ کہ یا شیخ آپ اس پر سوار ہو کر تشریف لے چلئے۔ ان کے اس نیک سلوک سے اور دو رفیقوں کے ساتھ ہونے سے مجھے بہت خوشی ہوئی۔ اور گذشتہ جتنی تکلیفیں اور مصیبتیں تھیں۔ تمام بھول گئیں۔ آئیندہ کیلئے جتنے تفکرات تھے۔ سب جاتے رہے۔ اب ہم تینوں نے خوشی سے قدم بڑھایا۔ اِدھر اُدھر کی نئی نئی باتیں اور دلچسپ حکائتیں بیان کر کر کے اپنے سفر کو کاٹنے لگے۔ ایک دن کا ذکر ہے۔ کہ ایک جنگل میں ہوا کے تند اور تیز تیز جھونکوں نے ہمیں گھیر لیا۔ ہرچند ہم نے کوشش کی۔ کہ کسی بستی میں جا کر پناہ لینی چاہیے۔ مگر ہوا انتہا درجہ پر تیز تھی۔ ہر طرف سے ایک طوفان اٹھا ہوا تھا۔ بڑے بڑے درخت اکھڑ اکھڑ جاتے تھے۔ اس لئے ہم اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہوئے۔ اور ناچار۔ ایک درخت کی کھوہ میں ٹھہرنا پڑا۔ ظہر کا وقت تھا۔ میں نے نماز پڑھی۔ اور قرآن شریف کی تلاوت شروع کر دی۔ میں پڑھ رہا تھا۔ کہ اچانک ایک رفیق دھڑام سے گر پڑا۔ اور نیم بسمل مرغ کی طرح پھڑکنے لگا۔ جھٹ میں نے سورت ختم کی۔ اور دیکھا تو گمان ہوا۔ کہ کسی زہریلی چیز نے کاٹا ہے۔ یہاں اس پُرفتن وقت میں ہم کیا کر سکتے تھے۔ ایسا ہی چند منٹ میں تڑپ تڑپ کر مر گیا۔ تجہیز و تکفین کا ارادہ کیا مگر دیکھتے کیا ہیں۔ کہ اس کا جسم جگہ جگہ سے پھٹنا شروع ہوا۔ اور شگافوں سے نیلا نیلا پانی بہنے لگا۔ میرے دل پر خوف طاری ہوا۔ اور بہت پریشان سا ہو گیا۔ اس کے دوسرے رفیق سے کہا۔ کہ اسے چھیڑنا بالکل اچھا نہیں۔ چونکہ اس کو بہت سخت زہریلی چیز نے کاٹا ہے۔ یہ ابھی تمام پانی پانی ہو کر بہ جائیگا۔ یہ سنتے ہی وہ بھی علیحدہ ہو گیا۔ اور ہم دونوں ایک درخت پر چڑھ کر اس کی المناک کیفیت دیکھنے لگے۔ پیٹ اس کا پھولنا شروع ہوا۔ اور یک لخت پھٹا۔ اور پانی پانی ہو کر زور سے بہنے لگا۔ اس کی اس دل ہلا دینے والی حالت سے میرے دل پر زیادہ خوف چھایا۔ اور تھر تھر کانپنے لگا۔ وہ خوشی جو ان کے ملنے سے ہوئی تھی۔ رنج و آلام سے بدل گئی۔ میں نے اس کے دوسرے رفیق سے پوچھا۔ کہ یہ شخص اصل میں کون اور کیسا تھا۔ اس نے جواب دیا۔ کہ یا شیخ یہ شخص اصل میں اصفہان کے قاضی القضات کا بیٹا تھا۔ مگر بچپن میں ہی اس کی صحبت اچھی نہ رہی تھی علم سے محروم رہ کر ایسا ناخلف و نا سعید ہوا۔ کہ جب جوان ہوا۔ تو چند ایک بدمعاشوں کے بہکانے سے اپنے باپ کو قتل کر ڈالا۔ اور

خاندان نبوتش گم شد　　پسر نوح با بداں بنشست

کے مصداق ہوا۔ باپ کو قتل کرتے ہی گھر کا جتنا مال و متاع تھا۔ لیکر چل دیا۔ کچھ عرصہ تک ایشیائی کوچک اور قسطنطنیہ کی سیر میں سرگرداں رہا۔ جب روپیہ ختم ہو چکا۔ تو پیشہ چوری و قزاقی کو اختیار کر لیا۔ اور پھر ہزاروں لوٹے۔ اور لاکھوں تلوار کے گھاٹ اتارے۔

اِنسان کیسا ہی سعید اور حسب نسب والا ہو۔ جاہلوں اور بُروں کی صحبت میں چار روز ہی میں بروں سے بھی بُرا ہو جائے گا ؎

جو بُروں کے پاس بیٹھیگا برا ہو جائیگا ٭ نیک ہونے کیلئے نیکوں کی صحبت چاہیئے

ہزارہا خاندان ایسی صحبتوں کی بدولت برباد ہو گئے ہیں۔ اور کروڑہا برباد ہو رہے ہیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کیا خوب فرماتے ہیں ؎

وَلَا تَصْحَبْ اَخَا الْجَہْلِ وَاِیَّاکَ وَ اِیَّاہُ ٭ فَکَمْ مِنْ جَاہِلٍ اَرْدٰی حَکِیْمًا حِیْنَ اٰخَاہُ

یعنے جاہلوں کا ہمنشیں کبھی نہ ہو۔ خود ان سے دُور رہ۔ اور ان کو بھی اپنے پاس سے دُور رکھ۔ چونکہ بہت جاہلوں نے عقلمندوں سے بھائی چارہ کیا۔ تو ان کو بھی ساتھ ہی ہلاک کر دیا۔ (حزین ناڑوی)

یا شیخ میں تو حیران ہوں کہ آپ کے چند ایک کلمات پر یہ کسطرح فریفتہ ہو گیا۔ کہ اس نے آپ کو کچھ نہ کہا۔ اور آئندہ اس پیشہ سے باز رہنے کا اقرار کرکے آپ کے ساتھ ہو لیا۔ آپ بڑے ہی خوش قسمت ہیں۔ جو ایسے بگڑوں کو معمولی باتوں سے ہی سیدھا کر لیتے ہیں۔ شیخ علیہ الرحمتہ فرماتے ہیں۔ کہ جب میں نے اس کی یہ بات سنی۔ تو مجھے بھی تعجب ہوا۔ مگر معلوم کیا۔ کہ اب اس کا بداعمالیوں کی سزا پانے کا وقت قریب تھا۔ جس لئے بے بس ہو کر میرے ساتھ ہو گیا تھا۔ چونکہ مجرم ہمیشہ کے لئے کبھی آزاد نہیں رہ سکتا۔ خداوند تعالیٰ منتقم حقیقی ہے۔ اور ضرور آخر کبھی نہ کبھی گناہوں کا مزہ چکھاتا ہے۔ ؎

تو جو بدی کرے نہ سمجھنا کہ یہ بدی ٭ گردوں کرے معاف زمانہ رہا کرے

افعال بد ہیں قرض ترے روزگار پر ٭ جس وقت جس زمانے میں چاہے ادا کرے

شیخؒ فرماتے ہیں۔ کہ خداوند تعالیٰ کے قہر و غضب کا نقشہ میرے دل پر پوری طرح کھچ گیا۔ اور اب جبکہ آنکھوں سے دیکھ لیا۔ کہ گنہگاروں کا یہ انجام ہوتا ہے۔ اپنی لغزشوں کو یاد کرکے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ دل قابو سے بے قابو ہو گیا آنکھوں میں تاریکی سی چھا گئی۔ اور روتے روتے ہچکی بندھ گئی ؎

بسکہ روکا میں نے اور سینے سے ابھریں پے بہ پے
آہیں میری بخیۂ چاکِ گریباں ہو گئیں

مجھے روتا دیکھ کر دوسرا رفیق سخت گھبرایا۔ زار زار رونے اور کانپنے لگا۔ اور خود ہی کہنے لگا۔ یا شیخ گناہ تو مجھ سے بھی بےحد ہوئے ہیں۔ دیکھیئے میرا کیا حشر ہوتا ہے۔ ابھی اس کی یہ گفتگو ختم بھی نہ ہونے پائی تھی۔ کہ جس شاخ پر بیٹھا تھا ہوا کے جھونکے سے ٹوٹ گئی۔ اور وہ لڑکھڑاتا نیچے آگرا۔ علاوہ اور زخموں کے دونوں پنڈلیاں ٹوٹ گئیں۔ یہ نظارہ پہلے سے بھی کئی درجہ ڈراؤنا اور جانگداز تھا۔ چونکہ یہ شخص خداوند تعالیٰ کی بے گناہ مخلوق پر مجھ سے بہت بہت زیادتیاں ہوئی ہیں اور تو اور معمولی باتوں کے لئے عورتوں اور معصوم بچوں کو قتل کرنے سے بھی کبھی دریغ نہ کیا تھا۔ اور نہ کبھی کسی کے رونے

چیخنے پر رحم آیا تھا۔ نہ کسی کے بلبلانے پر ترس کیا تھا۔ شیخ سعدی رح فرماتے ہیں۔ میرے لئے یہ ایک غیبی تعلیم تھی۔ اور سبق دیا جا رہا تھا۔ کہ دنیا میں ہمیشہ خداوند تعالیٰ کی مخلوق پر رحم کھانا چاہیئے۔ ترس کرنا چاہیئے۔ اور بھولے سے بھی کسی پر ظلم روا نہ رکھنا چاہیئے۔ چونکہ ظالموں کا انجام بے رحموں کا مآل ہمیشہ ایسا ہی ہوتا ہے جیسا کہ آج آنکھوں سے دیکھا گیا۔ (۱) سفر (۲) بیابان (۳) طوفان ہوا (۴) رفیق کی ناگہانی اور ڈراؤنی موت (۵) دوسرے رفیق پر یہ دردناک حادثہ۔ (۶) اب بے یار و مددگار۔ یہ بظاہر تو ایک معمولی بات نظر آتی ہوگی۔ مگر میرے لئے تو ایک میدان محشر کا نقشہ تھا۔ اس وقت میرے دل کی جو کیفیت تھی۔ اس کو اچھی طرح خداوند عالم الغیوب جانتا تھا۔ یا میں یا البتہ وہ شخص جان سکتا ہے جس پر ایسی حالت وارد ہوئی ہو۔ میرے پاس سوائے رونے کے اور علاج کیا تھا۔ روتا ہوا درخت سے نیچے آیا۔ اور اس کو دیکھنے لگا۔ اس کی ہر دو پنڈلیاں ٹوٹی ہوئی تھیں۔ اور درد کے مارے موت کی آرزو کر رہا تھا۔ مجھے روتا دیکھ کر کہنے لگا۔ یا شیخ آپ کو رونا ہرگز نہ چاہیئے۔ یہ میری اپنی بداعمالیوں کی سزا ہے۔ یہ وقت اور یہ مصیبت کا آنا مجھ پر عین انصاف ہے۔ اور جو کچھ ہوا ہے۔ خداوند حقیقی کا عین عدل ہے ؎

فَاِنْ یَّکُ عفواً فَھُوَ مِنْہُ تَفَضُّلٌ ٭ وَاِنْ یَّکُ تَعْذِیْباً فَاِنِّیْ لَہٗ اَھْلٌ

یعنے اے شیخ۔ اگر خداوند تعالیٰ اپنی عنایت سے بخش دے۔ تو اس کا فضل و کرم ہے۔ اور اگر نہ بخشے۔ عذاب کرے تو بیشک میں عذاب دیئے جانے کا مستحق ہوں۔ اے شیخ۔ میں آپ سے التجا کرتا ہوں۔ کہ ایک بڑا سا پتھر اٹھا کر میرے بھیجے پر دے مار۔ تاکہ جلدی سے میرا فیصلہ ہو جائے۔ مجھ سے بھلا کب ایسا ہو سکتا تھا۔ اس کے پاس سے اٹھا۔ اور باوجود ہوا کی ویسی ہی تندی کے ایک طرف کسی مددگار کی تلاش میں نکلا۔ ابھی ڈیڑھ دو سو قدم تک ہی گیا تھا۔ کہ پیچھے نظر پڑی تو دیکھا۔ کہ اس کے گرد چند خونخوار بھیڑیئے کھڑے ہیں۔ اور ٹکڑے ٹکڑے کر کے نوچ رہے ہیں۔ اور دیکھتے دیکھتے اٹھا کر لے گئے۔ یہ حادثہ ایسا نہ تھا۔ کہ مجھے خوفزدہ نہ کرتا۔ سر سے پاؤں تک پسینہ پسینہ ہو گیا۔ اور تمام عالم آنکھوں میں سیاہ نظر آنے لگا۔ خداوند تعالیٰ کی قوتوں کا نقشہ پوری طرح میرے دل پر کھچ گیا۔ اور یقین ہو گیا۔ کہ مجرم اور ظالم جو خداوند تعالیٰ کی بے گناہ مخلوق پر رحم کرنے والا نہ ہو۔ کبھی چین نہیں پا سکتا۔ اور اس کا انجام ضرور ایسا ہی ہوتا ہے ؎

اِذَا مَا الظَّلُوْمُ اِسْتَوْطَأَ الْاَرْضَ مَرْکَبًا ٭ وَلَجَّ عُلُوًّا فِیْ قَبِیْحِ اکْتِسَابِہٖ
فَکِلْہُ اِلٰی صَرْفِ الزَّمَانِ فَاِنَّہٗ ٭ سَیُبْدِیْ لَہٗ مَا لَمْ یَکُنْ فِیْ حِسَابِہٖ

یعنے ظالم (جب) اپنے ظلم کے گھوڑے سے زمین کو پامال کر دیتا ہے۔ اور اپنی بداعمالیوں میں حد اعتدال سے بڑھ جاتا ہے۔ تو آخر خود ہی زمانہ کی لپیٹ میں آ جاتا ہے۔ اور پھر اس کو وہ خمیازہ اٹھانا پڑتا ہے۔ جو اس کے خواب و خیال میں بھی نہیں ہوتا۔

شیخ علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں۔ کہ مجھ کو اس خونی واقعہ سے اتنی نصیحت ہوئی۔ کہ جتنی برسوں کے تجربوں اور صحبتوں سے یا کتب بینی سے ہونی چاہیئے تھی۔

شہاب الدین حزین

بزمِ قریش

پنجاب سے مراسیت کے ادعائے قرشیت کا آئینی طور پر اگرچہ قلع قمع ہو چکا۔ لیکن مراسیوں میں ہنوز بعض ضدی طبائع "ہم قریشی ہیں" کی رٹ لگائے جاتے ہیں۔ اگرچہ یہ رٹ ان کے لئے کوئی مفید نتائج مرتب نہیں کر سکی۔ لیکن قرشیت ضرور مشتبہ ہو گئی۔ اسی طرح میرٹھ کے قصاب حضرات ہیں۔ کہ وہ ہر قصائی کو خواہ وہ نسباً کچھ ہو قرشیت کی سند عطا کر رہے ہیں۔ ان کی "جمعیۃ القریش" کو حسب و نسب سے کوئی بحث نہیں۔ ہاں قصائی ہونا شرط ہے۔ قرشیت کی سند عطا ہو جائیگی۔ اس کارروائی کا اثر میرٹھ اور مضافات میرٹھ ہی تک محدود نہیں رہا۔ بلکہ یو۔پی اور راجپوتانہ وغیرہ تک ہو چکا ہے۔ پنجاب کے قریشیوں پر مراسی اور دیگر صوبوں کے قریشیوں پر قصائی یوں ہاتھ بے درماں بن کر نازل ہوئے۔ کہ اللھم احفظ۔

پنجاب میں قریشی تو بدستور "قریشی" کہلا رہے ہیں۔ کیونکہ یہ ان کی اصل ہے۔ لیکن دیگر صوبوں کے قریشی "شیخ" "شرفا" کہلانے لگے ہیں جس سے قوم و نسل میں ایک گونہ افتراق پیدا ہو گیا ہے۔ اور نسلی تمیز اٹھ گئی ہے۔ ضرورت کا شدید اقتضا یہ ہے کہ قریشی حضرات اس مسئلہ پر ٹھنڈے دل سے غور کریں۔ تدبر و تفکر سے کام لیں۔ اور کوئی چارہ کار تلاش کریں۔ اور وہ سوائے اس کے ناممکن ہے۔ کہ مجلس مشاورت قائم ہو۔ اور تبادلہ خیالات سے کوئی لائحہ عمل تجویز کیا جائے۔ تاکہ آئندہ قوم و نسب اس قسم کے حملوں سے محفوظ رہ سکے۔ کیا ناظرین القریش اس کے متعلق اپنی اپنی رائے کا اظہار کرنے کی زحمت گوارا کریں گے؟

افواج ہند میں سادات و قریش کی حق تلفیاں کے عنوان سے ایک مدلل و مبسوط مضمون فروری کی اشاعت میں شائع ہو چکا ہے۔ چونکہ یہ مسئلہ ترقی و تنزل اور حیات و ممات قومی سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لئے قوم کے مقتدر حضرات کا فرض ہے کہ وہ اپنے رسوخ و اثر سے کام لیں۔ اور اس حق کو زائل نہ ہونے دیں۔ اس اشاعت کے شذرات میں "افواج ہند اور سادات و قریش" کے عنوان پر ایک مضمون درج کیا گیا ہے۔ جس میں معززین و مقتدرین قوم سے خواہش کی گئی ہے۔ کہ وہ اس عقدہ کے حل کی جانب فوراً متوجہ ہوں۔ اور ایک ایسا موزوں ڈیپوٹیشن مرتب کریں۔ جو عمال حکومت سے ملاقات کرے۔ اور اس مسئلہ کو بوجہ احسن طے کرنے کیلئے تا بحد امکان کوشاں ہو۔ غفلت و بے پرواہی کی انتہا ہو چکی۔ اگر اب بھی قوم کے اصلاحی امور کی جانب توجہ نہ دیگی۔ تو نکبت و ادبار اور تباہی کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔

مکرمی قریشی عطاء اللہ صاحب علاقہ بلوچستان سے تحریر فرماتے ہیں۔

خدا کی شان ہے۔ جس قوم نے تمام دنیا کو تہذیب سکھائی۔ آج اس کے افراد خود منبع جہالت ہیں۔ اور جس قوم نے دنیا پر حکومت کی۔ وہ آج اسقدر ذلیل ہے۔ کہ ذلت محجوب ہے۔ بظاہر تو اس قوم کی بیداری کے کوئی آثار نہیں۔ روز بروز

مٹ رہی ہے۔ خدا جانے اس کا کیا حشر ہوگا۔ آپ نے جو اسقدر لمبا عرصہ بیدار کرنے کی کوشش کی۔ وہ بیشک قابل قدر ہے۔ مگر اس مردہ قوم پر کوئی اثر نہ ہوا۔ اور باوجود انتہائی کوشش کے بھی قوم کی رگِ حمیت جوش میں آنے کی بجائے سرد سے سرد تر ہوتی گئی۔ خداوندکریم اپنا رحم کریں۔

(خدا کرے آپ کے یہ الفاظ قوم کے دلوں کو گرما دیں۔ اور ان میں اصلاح حال کے لئے ایک ولولہ انگیز ہیجان پیدا کرنے کا موجب ہوں۔ ایڈیٹر)

منشی عبدالرشید صاحب صدیقی ریاست کپورتھلہ لکھتے ہیں۔ کہ آپ کی مساعی مشکور ہوئیں۔ قریشیان ریاست اس کے لئے ہدیہ تشکر پیش کرتے ہیں۔ دربار ریاست کے ارباب حل وعقد نے سادات وقریش کو حقوق زراعت عطا کردیئے ہیں۔ لیکن راجپوت برادری ناراض ہے۔ وہ چاہتی ہے۔ کہ سوائے راجپوتوں کے دوسری کوئی قوم ان مراعات کی مستحق نہیں۔

(ریاست کپورتھلہ کے راجپوت حضرات کو معلوم ہونا چاہیئے۔ کہ سادات وقریش کو حکومت انگریزی نے ان کی جاگیرات واراضیات اور گوناگوں حیثیات کی وجہ سے پنجاب کے ہر ضلع میں حقوق زراعت دے رکھے ہیں۔ ضلع جالندھر کو دیکھئے۔ پھر کوئی وجہ نہیں تھی۔ کہ ریاست میں انہیں ان حقوق سے محروم رکھا جاتا۔ راجپوت برادری کی یہ خواہش بے محل ہے۔ آپ مطمئن رہیں۔ ایڈیٹر)

قریشی برکت علی صاحب۔ القریش آپ کے نام جاری رہے گا۔ زرچندہ جس وقت آپ چاہیں بذریعہ منی آرڈر بھجوادیں۔ اپنے احباب کو بھی اپنے قومی رسالہ کی اعانت کی ترغیب دے کر اپنے ایک قومی فرض سے عہدہ برآ ہوں۔

"**ندوۃ القریش**" کی طرف سے مولانا خالد حمیدی کو جن کا ذکر افتتاحی مضمون میں آچکا ہے۔ پراپیگنڈا کرنے کے لئے کچھ اعزازی خدمات سپرد کی گئی ہیں۔ آپ دورہ کریں گے۔ ممبر بنائیں گے۔ لیکن زرچندہ وصول کرنے کے بجائے بذریعہ منی آرڈر دفتر میں بھجوانے کا مشورہ دیں گے۔ تفصیلی حالات کا انتظار کریں۔

اشاعت ہذا کا افتتاحی مضمون خاص توجہ کا محتاج ہے۔ اسے بغور مطالعہ کریں۔ اور اصلاح حال کیلئے فکر کریں۔ قومی شیرازہ دن بدن منتشر ہورہا ہے۔ اور تنزل وادبار کی گھٹائیں چھارہی ہیں۔ سعی وجہد ہی سے ترقی کی راہیں کھل سکتی ہیں۔ اور محنت ہی کا ثمر ہوسکتا ہے۔ ان اللہ لایغیر ما بقوم حتیٰ یغیروا ما بانفسھم۔

شذرات

امرتسر میں مدت سے اسلامی کالج کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔ مقامی اخبارات نے بارہا اس شدید اور اہم ضرورت کی جانب انجمن اسلامیہ امرتسر کو توجہ دلائی۔ حساس ممبران نے اس خیال کو معرض وجود میں لانے کی تجویزیں بھی کیں۔ لیکن واقعات سد راہ رہے۔ آخر انجمن کے صدر اور تعلیمی کونسل کے ممبران نے عملی قدم اٹھایا۔ اور بعد غور و خوض اور پیہم سعی و جہد کے اعلان کر دیا۔ کہ آئندہ اپریل سے ایم۔ اے۔ او۔ ہائی سکول ایم۔ اے۔ او کالج کر دیا جائے گا۔ خدا کا شکر ہے کہ کارپردازان انجمن کی ساعی مشکور ہوئیں۔ اور اس ماہ سے انٹرمیڈیٹ کالج کھول دیا گیا ہے۔ اب مسلمانان شہر و مضافات کا فرض یہ ہے۔ کہ وہ اپنے بچوں کو ایم۔ اے۔ او کالج امرتسر میں داخل کرائیں۔ اور ہر ممکن طریق سے اس کی مدد کریں۔ تا کہ کارپردازان کے حوصلے بلند و بالا ہوں۔ اور کالج بوجہ احسن کامیاب و فائز المرام ہو۔ خدائے برتر و اکبر سے دعا ہے کہ قادر و توانا ارباب اختیار کے عزائم میں استقلال و برکت عطا کرے۔ آمین۔

صوبہ برار کی طرح شہر حیدرآباد کا ایک بازار جو رزیڈنسی بازار کے نام سے موسوم ہے۔ ایک عرصہ سے حکومت برطانیہ کے قبضہ و تصرف میں ہے۔ اس میں انگریزی فوج و پولیس کا قیام اور برطانوی اداروں کا مرکز ہے۔ چونکہ شہر حیدرآباد کا یہ ایک حصہ ہے۔ اور حضور نظام اس پر آئینی حق رکھتے ہیں۔ اس لئے اعلیٰحضرت کی حکومت کی خواہش تھی۔ کہ اسے بھی حکومت آصفیہ کے قبضہ و اقتدار میں دیدیا جائے۔ برار کی طرح یہ مسئلہ بھی ایک عرصہ سے زیر غور چلا آتا ہے۔ ایک اطلاع مظہر ہے۔ کہ حکومت برطانیہ نے حکومت آصفیہ کے اس مطالبہ کو تسلیم کر لیا ہے۔ اور ۵ اپریل کو رزیڈنسی بازار کا قبضہ دے دیا جائیگا۔ لیکن بعد تک معلوم نہیں ہو سکا۔ کہ ۵ تاریخ کو کیا کارروائی عمل میں آئی۔ امید ہے۔ کہ حکومت برطانیہ کے ارباب حل و عقد ہر دو دارسلطنت برطانیہ کے حقوق و مطالبات کا لحاظ رکھتے ہوئے رزیڈنسی بازار اور صوبہ برار کی واپسی سے انصاف و رواداری کا ثبوت دینے میں تامل نہ کریں گے۔

ہندوستان کی قسمت کا فیصلہ آخر قرطاس ابیض کی شکل میں ہوا۔ کہتے ہیں۔ کہ یہ اسم بامسمیٰ ہے۔ یعنے ہندوستان کے مفاد کی اس میں کوئی چیز نہیں۔ ممکن ہے یہ صحیح ہو۔ اور اسی نسبت سے اس کا نام قرطاس ابیض یا وائٹ پیپر (سفید کاغذ) تجویز کیا گیا ہو۔ مانگنے والے اپنی ضرورت کے موافق مانگتے اور دینے والے اپنی صوابدید کے موافق دینا چاہتے ہیں۔ ہر ایک اپنے اپنے مفاد کو پیش نظر رکھنے پر قدرتاً مجبور ہے۔ حق و انصاف کو ملحوظ رکھا جائے۔ تو

تمام قضیے آج طے ہو جائیں۔ راعی رعایا کی حق رسی اور رعایا راعی کا احترام اپنا فرض قرار دے لیں۔ تو ان ہنگامہ خیزیوں کا سدّباب یقینی ہے۔ مگر قضا یہ نہیں۔ اور یہی ایک سبب ہے۔ جو ناکامیوں اور نامرادیوں کا موجب ہے۔

تاریخ اسلام کی ورق گردانی سے اس عقدہ کی گرہ کشائی ہو سکتی ہے۔ اور معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ راعی و رعایا کی باہمی اُلجھنیں کیونکر سلجھ سکتی ہیں۔ شور وشر ہمیشہ ضد کا موجب ہوا۔ اور کامیابیاں ناکامیوں سے بدلتی رہیں۔ کانگرسی پراپیگنڈا آغاز کار ہی سے غلط بنیاد پر رکھا گیا۔ اس لئے اس کا نتیجہ یہی ہونا چاہیئے تھا۔ جو ہوا۔ ہندو مسلم کشیدگی اسی پراپیگنڈا کی رہین منت ہے۔ اور قرطاس ابیض بھی اسی کا نتیجہ ہے۔ کاش افتراق و انشقاق پسند طبائع کو عواقب و نتائج پر غور کرنے کیلئے عقل سلیم اور طالبان سوراج کو دیدۂ بینا نصیب ہوتا۔ فاعتبروا یا اُولی الابصار۔

بھدراچلم ممالک محروسہ حضور نظام سے ملحق ایک چھوٹا سا گاؤں دریائے گوداوری کے کنارے واقع ہے۔ جہاں ہر سال راجپندر جی کے جنم کے موقعہ پر عظیم الشان تیوہار منایا جاتا ہو۔ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ جب رامچندر جی سیتا جی کو راون کی قید سے نجات دلانے کے لئے لنکا گئے تھے۔ تو اسی مقام پر انہوں نے دریائے گوداوری کو عبور کیا تھا۔ یہاں ایک عظیم الشان مندر ہے۔ اور بھدراچلم ہندوؤں کی ایک بہت بڑی زیارت گاہ ہے۔ اعلیٰ حضرت حضور نظام کی حکومت نے اسی مندر کے لئے تیس ہزار روپے سالانہ کا عطیہ مقرر کر رکھا ہے۔ حکومت نے مقامی افسروں کو بطور خاص حکم دے رکھا ہے۔ کہ وہ "جاترا" کے مراسم ادا ہونے کے موقع پر خود موجود رہیں۔ اور ساری تقریب کے انتظامات میں ضروری امداد بہم پہنچاویں۔ یہ ہندوستان کے سب سے بڑے مسلم تاجدار کی شان حسن سلوک کا صرف ایک منظر ہے۔ کیا ہندو ریاست بھی کسی ایسے بیش بہا اور مستقل عطیّہ کی مثال پیش کر سکتی ہے۔ جو مسلمانوں کی کسی مذہبی تقریب سے متعلق ہو۔ اس پر بھی اگر تعصب مذہبی کی پٹی آنکھوں کو نابینا کر دے۔ تو چشمۂ آفتاب را چہ گناہ۔

۱۴-۱۵- اور ۱۶- اپریل کو ایسٹر کی تعطیلات کے دوران میں لاہور مختلف اور متعدد کانفرنسوں اور جلسوں کا مرکز بنا رہا انجمن حمایت اسلام، آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس، آل انڈیا ایجوکیشنل کانفرنس، ادارۂ معارف اسلامیہ، آل انڈیا راعین کانفرنس اور آل انڈیا مومن انصار کانفرنس کے وجہ سے ہندوستان کی مقتدر و قابل ترین ہستیاں موجود تھیں۔ انجمن حمایت اسلام کے جلسہ میں مسٹر کے۔ ایل گابا نومسلم نے " اچھوتوں کی نجات اسلام قبول کرنے میں ہے" کے موضوع پر ایک مدلل و مبرہن فاضلانہ تقریر کی۔ اور کہا کہ اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جو مساوات و رواداری کی تعلیم دیتا ہے۔ لہٰذا "اچھوتوں کی روحانی اور دنیاوی نجات اسی میں ہے۔ کہ وہ ملت اسلامیہ کی دعوت پر لبیک کہیں۔ وہ صدق اور سچائی میں ڈوبی ہوئی دعوت یہ ہے۔ کہ اچھوت سر آنکھوں پر آئیں۔ اور اس چالیس کروڑ افراد کی برادری میں شامل ہو جائیں۔ جس پر احکم الحاکمین کی

حکومت ہے۔ اور یہاں محمود و ایاز امیر و غریب سب کو مساوی درجہ حاصل ہے " دوران تقریر میں آپ نے یہ بھی کہا۔ کہ یہ پیغام نہ صرف اچھوتوں ہی کو پسند آئیگا بلکہ مسٹر رنگا آئر کو بھی بھلا معلوم ہوگا۔ اور انہیں قانون سازی کی زحمت سے بچائے گا۔ اسی طرح یہ پیغام پنڈت مدن موہن مالویہ کو لمبی سوچ اور دیانتدارانہ خوف و ہراس سے بھی نجات دلائیگا۔ اور جہاں تک مہاتما گاندھی کا تعلق ہے۔ انہیں ایسی الجھنوں سے مخلصی دلا کر ان کا قیمتی وقت وائیٹ پیپر یا دیگر اسی قسم کے اہم امور کے متعلق بھوک ہڑتال کرنے کیلئے محفوظ کر دے گا "

خدا کرے۔ کہ مسٹر گابا کے اس نیک مشورہ پر اچھوت قوم کے علاوہ مسٹر رنگا آئر، مدن موہن مالویہ اور مہاتما گاندھی کو ٹھنڈے دل سے غور کرنے کا موقعہ ملے۔

دربار بہاولپور نے ریاست کے رقبہ کی آبپاشی کے لئے نہریں جاری کرنے کیلئے حکومت ہند سے اسوقت قرضہ لیا تھا جب موجودہ فرمانروائے ریاست نابالغ تھے۔ چونکہ نہروں کا اہتمام حکومت ہند کے ہاتھ میں تھا۔ اور آبپاشی کا معقول انتظام نہیں ہوسکا۔ لیکن قرضہ کی تعداد ۱۲ کروڑ سے متجاوز ہو گئی ہے۔ اس لئے معلوم ہوا ہے۔ کہ حکومت ہند نے اس میں سے آٹھ کروڑ روپیہ معاف کر دینے کا فیصلہ کیا ہے۔ جس کا عنقریب اعلان ہو جائے گا۔ حکومت ہند کا یہ فیصلہ بہر نوع قابل ستائش ہے۔

رہتک سے "انجمن اصلاح شیخاں کا دوسرا سالانہ جلسہ" کے عنوان سے ہمیں ایک اشتہار موصول ہوا ہے انعقاد جلسہ کی تواریخ ۱۶-۱۷-۱۸ اپریل مقرر ہیں۔ قوم سے شرکت اجلاس کی درخواست کی گئی ہے۔ اور قیمتی آرائے کا مطالبہ بھی کیا گیا ہے۔ لیکن اس اشتہار کے مطالعہ سے اس بات کا قطعی پتہ نہیں چلتا۔ کہ انجمن نسبی حیثیت سے کن "شیوخ" سے متعلق ہے۔ شیخ یعنی بزرگ۔ لہذا ہر بزرگ شیخ ہے۔ علاوہ ازیں نومسلم حضرات کو بھی "شیخ" کہا جاتا ہے۔ عرف عام میں ڈھول بجانے والوں کو بھی شیخ کہتے ہیں۔ ککے زئی اور خوجہ اقوام بھی شیخ کہلاتی ہیں۔ بعض مقامات پر قاضی اور قریشی بھی شیخ کے خطاب سے مخاطب کئے جاتے ہیں۔ بایں حالات تخصیص کی ضرورت لاحق تھی۔ جو اس اشتہار میں موجود نہیں اور داعیان اور کارپردازان انجمن ہذا نے اس بات کا قطعی خیال نہیں کیا۔ یہ انجمن اگر ان خصوصیات سے بالاتر ہے۔ یعنی نسب و نسل کی تمیز سے بے نیاز حضرات سے متعلق ہے۔ تو بھی اس اشتہار میں اس کی تصریح ہو جانی چاہیئے تھی۔ تاکہ غلط فہمی دور ہو جاتی۔ کسی نکتہ چینی کے خیال سے نہیں۔ بلکہ اس خیال سے کہ شبہ نہ رہے اور انجمن ایک معمہ ہی نہ بنی رہے ہم کارپردازان انجمن کو توجہ دلاتے ہیں۔ کہ وہ حقیقت حال سے واضح اور کھلے طور پر عوام کو مطلع کر دیں۔ تاکہ متعلقہ حضرات کو انجمن کی رکنیت قبول کرنے میں کوئی امر مانع نہ رہے۔

حیاتِ مسلم

(از حضرت ہادی مچھلی شہری)

رات ہادی بسترِ راحت پہ میں لیٹا ہوا
کر رہا تھا دیدۂ بیدار کا دل سے گلا!

دفعتہً آیا مسلمانوں کی حالت کا خیال
اپنے محسوسات کی تغیر کا نقشہ کھنچا!

ہو گیا اک خوف سا طاری دلِ مایوس پر
منہ سے نکلی آہ، دل بگڑا، کلیجہ کانپ اٹھا

سچ یہ ہے دنیا میں ہمت پر ہے مقصد کا مدار
غیر ممکن ہے یہ جب دل ہو گیا بے مدعا

زندگی کا پہلے مقصد تھا فقط علم و عمل
جانتے ہی کچھ نہ تھے دنیا میں ہم اسکے سوا

کچھ خبر ہم کو نہیں ہم کیا تھے اور کیا ہو گئے
حال اپنا اسقدر ماضی سے ہے ناآشنا

دل کے بدلے سینے میں اب برف کی اک قاش ہے
جانتے تک ہم نہیں کیا شئے ہے جوشِ مدعا

غافلِ تدبیر ہو کر شاکیِ تقدیر ہیں!
ہمتیں ہیں پست اور دل میں نہیں کچھ حوصلا

اب کہاں قصرِ ترقی کی وہ سر افرازیاں
اب تو ہے چھوٹا سا اک پامالِ صرصر جھونپڑا

جس طرف سے بادِ تند آئی اڑا کر لے گئی
رہ گیا جوشِ تحفظ دیکھتا کا دیکھتا

باغ مقصد کا ہمارے ہو گیا ہے اب یہ حال
ہر شجر سوکھا ہوا ہر پھول مرجھایا ہوا

کیا پھلے نخلِ تمنّا کیا گُلِ مقصد کھلے
جب نہ باقی ہو ذرا بھی قوّتِ نشو و نما

دِل ہے پہلو میں مگر مقصد سے کوسوں دُور ہے
مِٹ گئیں ہیں ہمتیں اور ولولہ کافور ہے

کیا یہ ممکن ہے کہ دُھلجائے یہ رنگ بیکسی
کیا یہ ممکن ہے کہ ہو جائے وہی پھر زندگی

ہستئ موہوم کی ہونے لگے ہم کو خبر!
بادۂ غم کی فنا ہو جائے از خود رفتگی

نعرۂ اللہ اکبر سے ہوں پھر لب آشنا
پھر ہمیں معلوم ہو جائے طریقِ رہروی

قوّتِ بازو پر اپنے پھر بھروسا ہو ہمیں
دامنِ تدبیر سے مٹ جائے نقشِ بیکسی

منزلِ مقصد کی جانب پھر اُٹھے پائے طلب
ختم ہو جائے ہمارا قصّۂ اُفتادگی

پھر دلِ مایوس میں بحرِ وفا ہو موجزن
جوشِ ہمت سے بدل جائے غمِ افسردگی

پھر ترنم ریزیاں کرنے لگیں لب ہائے شوق
توڑ دے جوشِ طبیعت بڑھ کے مُہرِ خاموشی

پھر ہمیں جمعیّت و تسکیں کی دولت ہو نصیب
خاطرِ بیتاب کی جاتی رہے آشفتگی

پھر ہمیں ملجائیں وہ کھوئی ہوئی خودداریاں
پھر دکھادیں ہم وہی پہلی سی شانِ برتری

ہاں یہ کچھ مشکل نہیں راسخ اگر ایمان ہو
لب پہ ہو اللہ اکبر سینے میں قرآن ہو

(ہادی مچھلی شہری)

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَامُ

اَلنَّجَات

تیسرا باب

نجات ـــــــ میں

(گذشتہ سے پیوستہ)

نجات کے معنے عذاب سے بچنا ہے۔ مگر اصطلاح اسلام نے اس سے مراد وہ خلاصی لی ہے۔ جو کسی شخص نے دنیا میں رہکر اچھے اعمال کئے۔ اور مرنے کے بعد قیامت کے دن اُن اچھے اعمال کا جو نتیجہ نکلے۔ اس کے صلے میں خدا کی طرف سے جو جو انعامات اور اکرام و عطیات مبنی براحت ملیں۔

ہمیشہ آرام وہی اچھا ہوتا ہے۔ جس میں راحت بھی ہو۔ ورنہ آرام کے درجات مختلف ہیں۔ مثلاً ایک عاشق جانباز کے پاس کبھی موقعہ پاکر اس کا پیارا معشوق تو آگیا جس سے اس کے خاطر تپیدہ کو گونہ آرام پہنچ گیا۔ الّا وہ معشوق کہہ رہا ہے۔ کہ مجھے گھر والوں اور رقیبوں سے تھوڑی ہی فرصت ملی ہے۔ میں ابھی واپس ہو جاؤں۔ آپ اطمینان سے میرے ساتھ دو چار باتیں محبت بھری کر کے دل خوش کر لیں ؎

پری رویاں غبار از دل چو بنشینند و بنشانند
سمن بویاں قرار از دل چو بستیزند و بستانند

پس جب بیچارے عاشق جانباز نے اپنے پیارے معشوق کی زبانِ معجز بیان سے ابھی واپس چلے جانے کی خبر وحشت اثر سنی۔ تو حیران رہ گیا۔ اور آرام خاطر تپیدہ کا فور ہو گیا۔ حالانکہ ابھی معشوق اس کے پاس ہی موجود بیٹھا رہا ہے۔ بھلا اب کسے اطمینان سے دو چار باتیں محبت بھری کرنی یاد ہیں۔ یہاں تو واپسی چلے جانا سنتے ہی ہوش اڑ گئے۔ اور چھکے چھوٹ گئے۔ آنا کیا ہوا۔ اور بھی آفت و بلا کا سامنا ہو گیا ؎

دو گونہ رنج و عذاب ست جانِ مجنوں را
بلائے صحبتِ لیلےٰ و فرقتِ لیلےٰ

گویا یہ ہے تو آرام کہ نور بصر زیر نظر ہے۔ مگر اس میں راحت بالکل نہیں۔ اگر یہی معشوق جلدی واپس چلے جانے کی اطلاع اپنے شیدائے منتظر کو نہ دیتا۔ تو پھر کیا تھا ؎

ناقہ چلا ہے نجد کو لیلیٰ کا بے مہار
مجنوں کی بن آئے گی گر ساربان نہ ہو آیا

سراسر وہ آرام تھا۔ کہ جس میں راحت بھی موجود اور سرور بھی قائم۔

پس نجات تو وہ چھٹکارا ہے۔ کہ جو بدوں کسی بازپرس اور عتاب کے نیکے مومنین کو فوراً خدا کے حضور سے عطا کیا جائے گا۔ جیسا کہ ارشاد ہے۔ قولہ تعالیٰ اِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ مَفَازًا حَدَآئِقَ وَاَعْنَابًا وَّکَوَاعِبَ اَتْرَابًا وَّکَاْسًا دِھَاقًا لَا یَسْمَعُوْنَ فِیْھَا لَغْوًا وَّلَا کِذّٰبًا جَزَآءً مِّنْ رَّبِّکَ عَطَآءً حِسَابًا رَّبِّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَیْنَھُمَا الرَّحْمٰنِ لَا یَمْلِکُوْنَ مِنْهُ خِطَابًا یَوْمَ یَقُوْمُ الرُّوْحُ وَالْمَلٰٓئِکَةُ صَفًّا لَّا یَتَکَلَّمُوْنَ اِلَّا مَنْ اَذِنَ لَهُ الرَّحْمٰنُ وَقَالَ صَوَابًا اِنَّآ اَنْذَرْنٰکُمْ عَذَابًا قَرِیْبًا یَّوْمَ یَنْظُرُ الْمَرْءُ مَا قَدَّمَتْ یَدٰهُ وَیَقُوْلُ الْکٰفِرُ یٰلَیْتَنِیْ کُنْتُ تُرٰبًا ؎

دحل المتقون بدار الصدق۔ وعیش ناعم تحت الظلال۔ لھم ما یشتھون وما تمنوا من الافراح فیھا دکمال

یعنے خدا و رسول کے احکام کی پوری پوری تعمیل کرنے والے متقی لوگ قیامت کے دن بخوبی کامیاب ہوں گے۔ ایسے ایسے چار دیواری والے خوشنما باغوں میں ٹھیرینگے۔ کہ جہاں انگوروں کی بیلیں پھل سے لدی ہوئی اور نوجوان ہم عمر جوڑے (بیویاں) موجود ہوں گے۔ اور چھلکتے چھلکتے نہایت ہی ٹھنڈے اور میٹھے پانی کے گلاس بھی مہیا ہوں گے۔ اور وہاں پر کبھی کوئی بیہودہ جھوٹی اور لغو بات نہیں سنی جائے گی۔ اور یہ عطائے بیحساب مولیٰ کریم کی طرف سے سب نیکوکار لوگوں کیلئے مخصوص ہوگی۔ اور مولیٰ کریم بھی وہ مولیٰ کریم کہ جو آسمانوں اور زمینوں کا اور جو کچھ کہ ان کے اندر ہے۔ ان سب کا پروردگار ہے۔ اور اس سے بڑھکر کوئی اور سوائے اس کے اس خطاب کے لائق نہیں۔ وہ بڑا ہی مہربان ہے۔ اور قیامت کا دن بھی وہ دن ہوگا۔ کہ جس دن سارے فرشتے نہائیت ادب اور قرینے سے ہیبت کے مارے سیدھے صف بستہ خدا کے حضور کھڑے ہوں گے۔ اور سوائے اجازت خدا تعالیٰ کے کسی کو عرض و معروض کرنے کا حوصلہ نہ پڑے گا۔ مگر اجازت سے بھی جو کچھ کہ عرض کیا جائیگا۔ نہایت ہی مختصر اور معقول ہوگا۔ پس ہم نے تم کو عذاب آخرت سے جو عنقریب آنیوالا ہے مطلع کر دیا ہے وہ آخرت کا دن ایسا ہوگا۔ کہ ہر ایک شخص وہاں پر اپنی دنیوی کرتوت و اعمال کو بخوبی دیکھ لیگا۔ اور منکرین اسلام تو پکار رہی اُٹھیں گے۔ کہ کاش آج کے دن ہم لوگ مٹی ہوتے۔ تاکہ یہ طرح طرح کے سوز و گداز اور عذاب و ذلتیں نہ اٹھاتے۔ کسی نے کیا اچھا کہا ہے۔ کہ متقی اور نیکوکار لوگ اس دنیا سے مرنے کے بعد قیامت کے دن مقام محمود میں رونق افروز ہونگے اور ٹھنڈے ٹھنڈے سایوں میں خوشگوار زندگی بسر کریں گے۔ جو کچھ کہ ان کی خواہش ہوگی۔ فرحت اور پائداری کا سب سامان ان کے لئے وہاں مہیا ہوگا۔

ایک وہ بھی نجات ہے جو غیر عامل مسلمانوں کو سزائے مقررہ کی اجرا اور تعمیل کے بعد عطا ہو گی۔ اور غیر عامل مسلمان سے وہ مسلمان مراد ہیں۔ کہ جن کے دلمیں ایمان علی الاسلام تو موجود ہے۔ مگر وہ اوامر و نواہی مقررۂ اسلام کے پورے پابند نہیں رہ سکے۔ اور سچے اسلام ہی پر ان کا خاتمہ بالخیر ہوا۔

اس کے سوا اور کوئی نجات ہی نہیں۔ بلکہ غیر مسلمان مسلمانوں کی راحت اور آرام دیکھ دیکھ کر یالیتنی کنت تراباً کو بار بار پڑھیں گے۔

حضرات! ناظرین خود ہی انصاف کرلیں۔ کہ ان میں سے کونسی صورت بہتر اور راحت افزا ہے۔ میں شروع ہی میں لکھ آیا ہوں۔ کہ آگے چلکر معلوم ہو جائیگا۔ کہ نجات دراصل کیا چیز ہے۔ اور وہ کیونکر اور کسکو حاصل ہو سکتی ہے پس اب یہ تو معلوم ہو گیا۔ کہ دنیوی موت کے بعد جو اخروی بے نوش زندگی مومنین کو نصیب ہو گی۔ اسکا ہی نام **نجات** ہے۔ اور یہ دائمی زندگی ہے۔ مگر یاد رہے کہ مومنین کا مرتبہ مسلمین سے اعلیٰ ہے۔

اور جو نجات غیر عامل مسلمانوں کو نصیب ہو گی۔ وہ ویسی نجات نہیں ہو گی جیسی کہ مومنین کی۔ ان ہر دو نجات کے درمیان اتنا فرق سمجھیں۔ کہ جتنا ایک واقعی نمبردار اور ایک جیل کے قیدیوں کے نمبردار میں۔ کیونکہ دونوں نمبردار اپنے اپنے عہدہ نمبرداری کی حقیقت اور ماہیت کو خوب سمجھتے ہیں۔ اور غیر عامل مسلمان جو مومن سے ادنےٰ ہے۔ ان دونوں یعنی مومنین اور مسلمان کے سوا اور کسی کے لئے نجات ہی نہیں۔ اور ان دونوں درجات اعلیٰ و ادنےٰ کے اندر جداگانہ طبقات مختلف بکثرت ہیں جو ہر ایک مومن اور مسلمان کو علیٰ حسب اعتقاد و اعمال نصیب ہوں گے۔ اور وہی طبقہ اس کی استعداد و قابلیت کے مناسب حال ہوگا۔ کہ جس کا وہ اہل ہے۔

اے میرے پیارے مخاطبین اب نجات کی حقیقت تو بہمہ وجوہ آپ پر منکشف ہو گئی۔ کہ دراصل وہ کیا چیز ہے رہا یہ امر کہ وہ کیونکر اور کس کو حاصل ہو سکتی ہے۔

پس عقیدہ علی الاسلام و بجا آوری اعمال صالح سے صرف ان مسلمانوں کو حاصل ہو سکتی ہے۔ جو اعلیٰ درجے کے پکے مسلمان ہیں۔ اور جن کو قرآن مجید میں جا بجا مومنین کے خطاب سے مخاطب کیا گیا ہے۔

میں پہلے مومنین اور عوام مسلمین میں امتیاز بیان کر چکا ہوں۔ اسواسطے اب اعادہ کی ضرورت نہیں۔ ہاں اتنا ضرور ہے کہ مسلمان مومنین ہی نجات کے کیوں مستحق ہیں۔ اس پر میں ایک مثال بیان کرتا ہوں۔ جس سے یہ واضح ہو جائے گا۔ کہ اقوام عالم میں سے صرف ایک ہی قوم راہ راست پر ہے۔ جنہیں مسلمان کہا جاتا ہے۔ اور یہ قوم بوجہ راست روی کے مستحق نجات ابدی ہے۔

جذباتِ شاکی

دِلم بُردی و دِلداری نہ کردی

تجھے جس نے قیامت کی نظر دی | مجھے بھی لذتِ زخمِ جگر دی
مصیبت نت نئی شام و سحر دی | دوا بھی دی تو تُو نے بے اثر دی

دِلم بُردی و دِلداری نہ کردی

نظر آئی مجھے بلبل چمن میں | شمیمِ گل بسی تھی پیرہن میں
لگی تھی آگ اس کے تن بدن میں | یہ رو کر کہتی تھی اپنی جان میں

دِلم بُردی و دِلداری نہ کردی

زلیخا نے قسم کھا کر خدا کی | پکڑ کر دامنِ یوسف ندا کی
نہ تو نے ساتھ میرے کچھ وفا کی | نہ میرے دردِ دل کی کچھ دوا کی

دِلم بُردی و دِلداری نہ کردی

اکیلا قیس جنگل میں ملا تھا | زمیں کے فرش پر بیٹھا ہوا تھا
نظر میں نقشۂ لیلا جما تھا | یہ انگلی سے زمیں پر لکھ رہا تھا

دِلم بُردی و دِلداری نہ کردی

سُنا ہے ہم نے شاکی کی زبانی | بڑھا جب عشق میں سوزِ نہانی
نہ پروانہ کو بھائی زندگانی | تو گر کر شمع پر بولا کہ جانی

دِلم بُردی و دِلداری نہ کردی

(شاکی شاہجہانپوری)

علم دوست بادشاہ

(سید نیاز احمد صاحب ترمذی بی۔اے)

ہسپانیہ کے خلیفہ عبدالرحمٰن ثالث کے نام نامی اور اس کی فتوحات ملکی اور اس کے نظام سلطنت سے کون شخص ناواقف ہے۔ اس کا پایہ ہسپانیہ کے دیگر خلفائے امویہ میں سے سب سے بلند ہے۔ یہ لاثانی حکمران ماہ رمضان سنہ ۳۵۰ھ میں داعی اجل کو لبیک کہتا ہوا اپنا تاج و نگین اپنے بیٹے حکم ثانی المستنصر باللہ کے سپرد کر جاتا ہے۔ عبدالرحمٰن کی وفات بیشک ہسپانیہ کی مجموعی آبادی کیلئے عموماً اور عربی النسل لوگوں کے لئے خصوصاً ایک ناقابل تلافی نقصان تھا۔ لیکن قابل باپ کے قابل بیٹے حکم ثانی نے چند ہی دنوں میں اپنے انصاف اور نظام سلطنت کی وہ دھاک بٹھائی۔ کہ لوگ اسے عبدالرحمٰن ہی کی روح تعبیر کرنے لگے۔ تلوار کا دھنی ہونے کی حیثیت سے اس خلیفہ نے گردونواح کے تمام سرکشوں کی سرکوبی کر کے ایک دور امن قائم کر دیا۔ شارلمین کی قوت کو ہمیشہ کیلئے ناکارہ کر دیا۔ فرڈیننڈ کو پسپا کیا۔ سانشو اور اس کے امرا و وزرا کا قلع قمع کر کے اس سے ایک عہد نامہ بھی تحریر کرا لیا۔ حتیٰ کہ افریقہ کے غداروں کی بھی سرزنش کر دی۔

ہم حکم کے مرد میدان ہونے کو تسلیم کرتے ہوئے اب ذرا اس کے قوائے ذہنیہ پر روشنی ڈالتے ہیں۔ ویسے تو خاندان امویہ اور عباسیہ کے کم و بیش تمام ہی خلفاء کو تحصیل علم سے ایک خاص ذوق تھا۔ لیکن حکم ثانی کا یہ اُنس عشق کی حد تک پہنچ گیا تھا۔ یہ ایک سپاہی تھا۔ مگر طالب علم۔

علامہ ابن خلدون نے اس خلیفہ کے سوانح حیات پر مفصل روشنی ڈالی ہے۔ وہ ایک جگہ فرماتے ہیں۔ کہ حکم کو چونکہ علم ادب اور دیگر علوم سے عشق تھا۔ اس لئے اس کے زمانے میں علماء و فضلا عنایت خسروانہ سے بیحد مستفیض ہوئے یہ خلیفہ اپنے زمانہ کا بڑا زبردست جامع کتب گزرا ہے۔ گو اس کے پیشرو کم و بیش علم پرست اور تعلیم کے دلدادہ تھے۔ اور ان کے کتب خانے اپنے زمانہ کی بہترین تصانیف سے پر نظر آتے تھے۔ تاہم جس ذوق و شوق سے کتب کے فراہم کرنے میں حکم نے کام لیا ہے۔ وہ مستغنی عن التعریف ہے۔ اس لئے اپنے عظیم الشان کتب خانے کا اہتمام ایک خاص مہتمم کے سپرد کر رکھا تھا شاہانہ لائبریری میں ۴۰۰۰۰۰ ضخیم کتب نفیس جن کی فہرست چالیس جلدوں پر مشتمل تھی۔ یہ اعداد و شمار اس زمانہ کے علم و فضل اور حکم ثانی کے علم پر خاص روشنی ڈالتے ہیں۔ اس کے زمانۂ خلافت میں ہسپانیہ میں علم کا وہ بازار گرم تھا۔ جہاں سے ہر قسم کی تحصیل علوم و فنون باآسانی تمام ہو سکتی تھی۔ دارالخلافہ علماء و فضلا کا مسکن بنا ہوا تھا۔ ہر موضوع پر کتب تصنیف ہو کر فروخت ہوتیں۔ خلیفہ نے نہ صرف اسی بات پر اکتفا کیا۔ بلکہ دنیا کے دور دراز کے مختلف ممالک میں فرستادے

اور گماشتے نئی اور پرانی کتب کی تلاش میں ارسال کئے۔ بیت المال کا اکثر حصہ کتب کی خرید و فروخت میں صرف ہوتا
خلیفہ کی طرف سے عام حکم تھا۔ کہ ہر نئی کتاب کا ایک نسخہ شائع ہونے کے بعد شاہی کتب خانے میں بعوض قیمت داخل
کیا جائے۔ ہر ایک کتاب کا کافی معاوضہ دیا جاتا۔ محققین کو ان کی تحقیق کی بناء پر کتب تحریر کرنے پر مالا مال کیا جاتا۔ ایسی کتب
کے کئی کئی نسخے خرید کئے جاکر امراء و وزراء میں انعام و اکرام کے طور پر تقسیم ہوتے۔ ابوالفرج علی بن حسین الاصفہانی نے اپنی لاثانی
کتاب، کتاب الاغانی دربار شاہی میں پیشکش کی۔ ابھی یہ نسخہ عراق میں بھی نہ شائع ہوا تھا۔ دریا دل بادشاہ نے ایک ہزار دینار بطور
معاوضہ مصنّف مذکور کو عنایت کئے۔ شاہی محلات سے بے شمار کمرے چند نایاب کتب کے نقل کرنے کیلئے مخصوص تھے۔ بڑے
بڑے ماہران تعلیم اور خوشنویس اصحاب اس فرض کو سر انجام دیتے۔ نیز محلوں ہی میں جلد بندی کا انتظام تھا۔ جلد سازی میں ید طولیٰ رکھنے
والے کاریگر دور و نزدیک سے معقول مشاہرہ پر بلوائے جاتے۔ حکم محض کتب کے فراہم کرنے ہی کا عاشق نہ تھا۔ بلکہ ایک نہائت ہی نکتہ
سنج اور نقاد طالب علم تھا۔ وہ نہ صرف کتابوں کا سرسری مطالعہ کرتا۔ بلکہ ہر کتاب پر جو بھی اس کی نظر سے گذرتی مفصل نوٹ قلمبند
کر کے ضمیمہ کے طور پر اس کے آخر میں چند ورق چسپاں کر دیتا۔ اس نے اپنی دریا دلی کو عربی نژاد علماء و فضلاء و شعراء کیلئے ہی مخصوص نہ کیا
تھا۔ بلکہ ہسپانوی نسل و دیگر ممالک کے ماہران تعلیم سائنسدان اور فلاسفر بھی اس کی سخاوت سے مستفیض ہوتے۔ فلسفہ دان لوگ
ہمیشہ سے اپنے جدید نظریات کے اظہار سے خائف رہے ہیں۔ کیونکہ علم فلسفہ کو اکثر لوگ گمراہی کا پیش خیمہ سمجھتے ہیں۔ لیکن حکم نے
اپنی وسعت خیالات کو کام میں لاکر ان لوگوں کی خاص طور پر آؤ بھگت کی۔ اور ان کی حفاظت اور مناظرہ و مدارات میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔
چونکہ خلیفہ ممدوح کا دل و دماغ روشنی علم سے مجلاّ تھا۔ اس لئے ہر قسم کا علم و فضل اس کے عہد خلافت میں عروج کمال تک پہنچا۔

حکم کے پیشرو اور خلفاء کی علم دوستی کے طفیل ملک ہسپانیہ کے ہر گوشہ میں ابتدائی مدارس کا اجراء ہو چکا تھا۔ مورخ ڈوزی
(Dozy) بیان کرتا ہے۔ کہ جب تک ہسپانیہ خلافت اموی کے ماتحت رہا۔ یہاں کے امراء بلا امتیاز ذکور و اناث سو فیصدی
تعلیم یافتہ تھے۔ اس کے مقابلہ میں یورپ کے دیگر ممالک میں جو تثلیث کے گرویدہ تھے صرف پادری صاحبان اور دیگر اعلیٰ مراتب
کے لوگ ہی تعلیم حاصل کرتے تھے۔ حکم اس نتیجہ پر پہنچ چکا تھا۔ کہ علم کی اشاعت جسقدر بھی کی جانے کم ہے۔ اس نے ضرورت زمانہ
کو محسوس کرتے ہوئے اور آبائی رسم کو استوار کرتے ہوئے اپنی دریا دلی کے سبب سے صرف دارالخلافہ قرطبہ میں ستائیس درسگاہیں غریب
طبقہ کے بچوں کیلئے جاری کیں۔ ہر گاؤں میں ایک دو مکتب ہوتے تھے۔ جہاں سے فارغ التحصیل ہو کر طلباء قریب کے شہروں میں مزید
تحصیل تعلیم کیلئے چلے آتے تھے۔ تعلیم بالکل مفت اور جبری تھی حتیٰ کہ کتب بھی بلا دام مہیا کی جاتیں۔

دارالعلوم قرطبہ دنیا کی مشہور ترین یونیورسٹی تھی۔ اور اس کا پایہ کسی طرح بھی جامعہ ازہر قاہرہ اور دارالعلوم نظامیہ
بغداد سے کم نہ تھا۔ دنیا کے ہر گوشہ کے طلباء فارغ التحصیل ہونے کی غرض سے قرطبہ میں پہنچتے۔

یہ نیک زاہد، مرد میدان اور علم پرست بادشاہ یکم اکتوبر ۹۷۶ء کو فوت ہوا۔ اور اس کی وفات کے ساتھ ہی سر
زمین ہسپانیہ سے عظمت اموی و شوکت اسلامی کا خاتمہ ہو گیا۔

لطائف لطیفہ

نواب علی مردان خاں ہندوستان میں آنے سے پیشتر شاہ ایران کی طرف سے قندھار کا گورنر تھا۔ اس نے شاہجہان کو لکھا کہ میں قندھار میں حضور کا عمل دخل کرا کے خدمت عالی میں اس شرط پر آنا چاہتا ہوں۔ کہ تمام امیروں پر مجھے سبقت دیجائے بادشاہ نے امرائے دربار سے پوچھا۔ انہوں نے کہا جس امر میں سرکار کا فائدہ ہو۔ اسمیں ہماری عین رضا ہے۔ بادشاہ نے اس کی شرط منظور کی۔ وہ آیا۔ اور آکر تمام امراء کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔ بادشاہ نے سبب پوچھا۔ کہا میں صرف یہ دیکھنا چاہتا تھا۔ کہ حضور کے درباری اپنے اعزاز کا زیادہ خیال رکھتے ہیں۔ یا بادشاہ کے فوائد کا۔ الحمدللہ۔ کہ میں نے سب کو حضور کا ہوا خواہ پایا۔ اور جب تک امراء میں یہ وصف باقی ہے۔ سلطنت کو کوئی زوال نہیں۔ اور میں تو کمترین بندگان عالی ہوں۔

(۲)

ایک دفعہ شاہجہان نے اپنے ایک امیر منور خاں سے پوچھا۔ کہ تم ہم سے عمر میں کسقدر بڑے ہو؟ اس نے عرض کیا کہ خدا نے فدوی کو حضور کی خدمت کیلئے تین برس پہلے پیدا کیا ہے۔ بادشاہ اس مؤدبانہ جواب سے بہت خوش ہوئے

(۳)

محمد بادشاہ کے حضور میں ایک مرتبہ امیر خاں اور برہان الملک حاضر تھے۔ بادشاہ نے کہا۔ پوت، سپوت اور کپوت کی تعریف کیا ہے؟

امیر خاں نے عرض کیا۔ پوت تو حضور ہیں۔ کہ اپنے والد ماجد کی طرح بادشاہ ہیں۔ اور سپوت برہان الملک ہیں۔ کہ جن کے والد کو کوئی جانتا بھی نہ تھا۔ اور اب یہ شہرۂ آفاق ہیں۔ اور کپوت یہ ننگ خاندان ہے۔ کہ اپنے باپ دادا کی دولت و ثروت کو بھی کھو بیٹھا ہے۔

(۴)

جہانگیر کے دربار میں ایک دفعہ شاہ ایران کا سفیر آیا۔ بادشاہ نے اس کو اپنی تمام فوج دکھائی۔ سفیر نے راجپوتوں کی فوج کی بڑی تعریف کی۔ بادشاہ نے کہا۔ یہ احمقوں کی فوج ہے۔ ان میں باہم بڑی عداوت ہے۔ اگر ان میں اتفاق ہوتا۔ تو ہم بادشاہ ہی کا ہے کو ہوتے۔ (ابوظفر)

عربی الاصل شرفائے عرب (سادات قریش) کی نمائندہ جماعت

ندوۃ القریش کے مقاصد

(۱) تبلیغ و اشاعتِ اسلام ٭

(۲) تعلیمی، معاشرتی، اقتصادی اور زراعتی ترقی کے وسائل پر عمل ٭

(۳) انسداد رسوم قبیحہ ٭

(۴) افراد قوم میں اتحاد و یگانگت، اخوت و مروت، صلہ رحمی و ایثار، حسن اخلاق، احسان و ہمدردی اور رواداری کی خو پیدا کرنا ٭

(۵) اعمال حسنہ سے روابط و ضوابط باہمی مستحکم و استوار کرنا ٭

(۶) تحفظ نسب و قومی تنظیم ٭

(۷) غیر مستطیع مستحقین کی مناسب امداد و اعانت۔ چندہ داخلہ ۱۲؍ ۔ چندہ ممبری سالانہ ۱۲؍

قوم کا پیغام فرزندانِ قریش کے نام

دردمندان قوم ذیل کے پیغام کو جو ریزولیوشن کی صورت میں پیش کیا گیا تھا۔ بغور مطالعہ کریں۔ اگر کچھ دل میں درد اور حمیت موجود ہے تو اس پر فراخدلی کے ساتھ عمل کیلئے تیار ہوں۔ کہ فلاح و ارتقائے قومی کا راز اسی میں مضمر ہے۔

صوبہ دہلی۔ یو۔پی۔ اور صوبہ پنجاب کے ۱۲۔ اضلاع کے قریشی نمائندگان کی موجودگی میں ۲۹ جون ۱۹۳۰ء کو ندوۃ القریش کے افتتاحی اجلاس میں ذیل کا ریزولیوشن متفقہ طور پر منظور ہوا۔ اور القریش کی خدمات کے صلہ میں قوم کی طرف سے زرنقد کی تھیلی پیش کی گئی

"ندوۃ القریش کا یہ اجلاس مولانا محمد علی صاحب رونق مدیر القریش کی ۱۴ سالہ مساعی کو عموماً اور گذشتہ اڑھائی سالہ خدمات جلیلہ کو جو انہوں نے مراسیوں کے ادعائے قریشیت کی ابطال و تکذیب سے متعلقہ مواد تاریخی کی اشاعت میں بوجہ احسن انجام دی ہیں۔ خصوصاً قدر و منزلت اور عزت کی نگاہ سے دیکھتا ہوا تجویز کرتا ہے۔ کہ اظہار تشکر کے طور پر آپ کی خدمت میں قوم کی طرف سے کم از کم ایک سو ایک اور زیادہ سے زیادہ پانچسو روپے کی تھیلی پیش کی جائے۔ و نیز یہ اجلاس برادران قریش سے اپیل کرتا ہے کہ وہ "القریش" ایسے مفید ترین قومی آرگن کی امداد و اعانت کے علاوہ اسکی توسیع اشاعت میں پوری سعی و کوشش کیا کریں۔"

زیر ہند پریس واقعہ ہال بازار امرتسر میں محمد علی رونق پرنٹر نے باہتمام چھپا اور محمد علی رونق پبلشر نے دفتر القریش واقع شریف پورہ امرتسر سے شائع کیا۔ (ایڈیٹر محمد علی)

Regd L. No. 1474.

Printed at the Wazir-i-Hind Press,
Hall Bazar Amritsar.
Place of Publication,
Sharif Gu[illegible], Amritsar.

Editor :—

Mohammad Ali Raunaq.

Annual Subscription Rs. 3/- Single Copy Annas 4.

بحضورِ خیرالانام صلعم

(جناب شیخ غلام حسین صاحب شاکر صدیقی کے قلم سے)

کروٹ خدا کیواسطے خیرالانام لیں
بے خانماں غلام کا مولا سلام لیں

اسلام پر ہے یورش اعدا ز شش جہت
قصویٰ کی اپنے ہاتھ میں اُٹھ کر زمام لیں

بُت گھس رہے ہیں زور سے کعبہ میں الغیاث
دستِ علی سے آج بھی پہلا سا کام لیں!

یہ قہر ہے بتوں کی خدائی میں ای حضور
ہے حکم یہ ہمیں کہ نہ اللہ کا نام لیں!

محمود کو پیام ہے یہ سومنات کا!
ہم بُت نہیں جو تم سے نہ بدلے تمام لیں

جب حال ہو یہ اپنا تو جا کر کہاں پناہ
جز آپ کے اے ماہِ گردوں مقام لیں

خورشید پر ہے حملۂ خفاش للعجب
کرنوں کو حکم ہو کہ ذرا انتقام لیں

چکر میں مثل سنگِ فلاخن ہیں دیر سے
اَب تو ذرا حضور غلاموں کا تھام لیں

شاکر کی التماس یہی ہے حضور سے
سرمہ ہر ایک سنگ ہو پھر برقِ طور سے

سعادتِ دارین کا ایک ورق

مولانا غلام حسین صاحب شاکر صدیقی کا نام نامی کسی تعریف و تعارف کا محتاج نہیں۔ آپ کے منظوم و منثور مضامین اپنے مخصوص انداز اور اعلےٰ معیار کی وجہ سے دنیائے ادب میں عزت کی نظروں سے دیکھے جاتے ہیں "سعادت دارین" کے نام سے آپ کا مجموعہ کلام شائع ہونے والا ہے۔ فدایان علم و ادب اسے ضرور خریدیں۔ قیمت غالباً ۱۲ ہوگی +

پاک بینی و طپش آکر جنھیں تعظیم دے
دیدہ و دل وہ ہمیں اے ربِّ ابراہیم دے

گلشنِ توحید میں اِک بار پھر آئے بہار
کافرآئیں مسلموں کو شیوۂ تسلیم دے

ہو رہا ہے گلشنِ ملتِ الٰہی برگ برگ
پتیاں ہوں جس سے گل وہ رشتۂ تنظیم دے

سینۂ مسلم میں ہو گہوارہ برق و رعد کا
اِس گلِ مُردہ کو یعنی سوزِ ہفت اقلیم دے

بہرہ ور کر دولتِ عشقِ محمدؐ سے ہمیں
یاد اسکی ہم کو جامِ کوثر و تسنیم دے

دیکھ لے رُوئے اخوت آپ اپنا جلوہ ریز
محفلِ تخصیص کو آئینۂ تعمیم دے

غرقۂ تذلیل ہیں ہم تیرے وعدے بھول کر
پھر ہمیں یا رب دماغِ مژدۂ تکریم دے

جس سے احساسِ زیاں ہو جائے یا رب سود بخش
دستِ رحمت سے ہمیں وہ فہم اور تفہیم دے

ظلمتِ ایجاد ہے وہ نور دے ایمان کا
جس سے سینہ تاب ہر اک حرف ہو قرآن کا

مئی و جون ۱۹۳۳ء
محرم و صفر ۱۳۵۲ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

القریش امرتسر

جلد ۱۹ ——— نمبر ۵-۶

قصابوں کی قرشیت پر لمحۂ فکریہ

مؤلفین "تاریخ امروہہ" و "تاریخ الشیوخ" کے جنگنامہ پر ایک نظر

الحق مر

ہندوستان میں قومی تفاخر کا مرض اسقدر ہمہ گیر ہو گیا ہے۔ کہ ہر شخص نسبی تفوق کا دیوانہ نظر آتا ہے۔ جلاہا اگر راجپوت بننے میں فلاح دنیوی سمجھتا ہے تو تیلی ملک زادگی میں نجات اُخروی خیال کرتا ہے۔ گھرانوں کے گھرانے خاندان اسی رَو میں بہ گئے۔ کوئی سیدوں میں مخلوط ہوا تو کوئی افغانوں میں جا گھسا۔ کوئی مغل بن گیا ہے تو کوئی جاٹ۔ اور جسے کوئی ٹھکانا نظر نہ آیا وہ قریشی اور قریشی بھی ہاشمی۔ الا ماشاء اللہ

پہلے تھے ہم نیم جولاہے بعد بنے ہم درزی
ہیر پھیر میں سید بن گئے دیکھو خدا کی مرضی

خیر القرون کے مسلمان اتقاء و پرہیزگاری میں بڑائی و برتری سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک اِنَّ اکرمکم عند اللہ اتقٰکم معیار تفوق تھا۔ اور بیسویں صدی عیسوی کے مسلمان ذات پات میں بلندی و برتری دیکھتے ہیں۔ اور نص صریح کا ذرہ بھر لحاظ نہیں اِنَّا للہ وَاِنَّا الیہ راجعون۔

کاش یہ جنون مسلمان بننے کے لئے ہوتا۔ یہ خبط اتقاء و پرہیزگاری کے لیے ہوتا یہ ولولہ عاقبت اور خدا و رسولِ ﷺ کی

خوشنودی کے لئے ہوتا۔ مگر

این سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ہمیں سمجھ نہیں آتی کہ اصل و نسل ترک کرنے میں کونسا مفاد مضمر ہے۔ اور کیا مصیبت ہے جس سے نجات پانے کیلئے یوں جہاد ہو رہا ہے غریب قریش سے کیا خطا ہوئی کہ اسے یوں مخلوط النسل بنانے کیلئے سعی و جہد کا بے پناہ سیلاب اُمڈا آرہا ہے جسے دیکھو قریشی اور پھر اسی پر بس نہیں۔ قریشیت کے مدعی کا فرض اولین یہ ہوجاتا ہے۔ کہ صحیح النسب قریشیوں کو مخلوط النسل ثابت کرنے کیلئے امکانی مساعی عمل میں لائے۔ اور کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ ہونے دے۔ کچھ زیادہ دیر نہیں ہوئی کہ پنجاب کے مراثیوں نے قریشیت کا دعویٰ کیا۔ اور چھوٹتے ہی نسب اطہر پر آوازے کسنے شروع کردیئے۔ اور اعلان کردیا کہ مراثیوں کے سوا دنیا میں جسقدر قریشی ہیں سب کے سب جعلی و نقلی ہیں۔ رسول اکرمؐ، حضرت صدیق اکبرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت علیؓ وغیرہم رضوان اللہ علیہم کا اگر کوئی دنیا میں نشان باقی ہے تو مراثی! باقی سب فرضی اور گردن زدنی ہیں۔ لیکن

حقیقت چھپ نہیں سکتی بناوٹ کے اصولوں سے

ان کی مکاریوں اور حیلہ سازیوں کا دنوں ہی میں تار و پود بکھر گیا۔ نشہ کرکرا ہوگیا۔ اور انکی قریشیت ایک بے تعبیر کی خواب ہو کے رہ گئی۔ جاء الحق زھق الباطل ان الباطل کان زھوقا۔ اس کے بعد یوں تو دھنیے، دھوبی، لوہار، ترکھان معمار، بڑھئی وغیرہم سب ہی کو ہوا لگ گئی۔ اور مرض متعدی کا شکار ہوگئے۔ اور کوئی ایک بھی باقی نہ رہا۔ جو قریشیت کا مدعی نہ ہو لیکن قریشیوں کی سلطنت چھیننے کیلئے جو منظم سازش قصاب برادری کی طرف سے کی گئی وہ عدیم النظیر ہے۔ اس کی اس جرأت بہادری اور شجاعت و بسالت کا تذکرہ تاریخ عالم میں زریں حروف سے کیا جائیگا۔ آئیندہ نسلیں اس سے سبق لینگی۔ ان کے حوصلے بڑھیں گے۔ ان کے دل دلیر ہونگے۔ اور قومی مرد جسر زمیں مشاق و ماہر کامل ثابت ہوں گے۔ نسبی ترقیاں قدم لیں گی بزرگوں کی روحیں خوش ہونگی۔ "آفریں باد بریں ہمت مردانہ تو"

قصاب برادری کا یہ کارنامہ کوئی معمولی کارنامہ نہیں۔ کہ یوں بے اعتنائی سے ٹھکرا دیا جائے۔ دنیا میں یہ بھی ایک کام تھا جو ہزار تگاپوے وہ کر گذرے۔ خدا نے انہیں توفیق دی اور ان کی محنتیں اکارت نہ گئیں۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَاۤءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ

الغرض قصاب برادری نے محمد بن قاسم فاتح سندھ کے زمانہ کی کھوئی ہوئی قریشیت انتہائی سعی و جہد کے بعد سنہ ۱۹۲۹ء میں تلاش کرلی۔ اور قریشیت صحیحہ کا اعلان کرکے "جمعیتہ القریش" قائم کردی۔ ڈیپوٹیشن گھومے۔ وفود نے دورہ کیا۔ اور ہر جگہ اور ہر مقام کے قصاب حضرات کے کان میں کہہ دیا کہ "چونکہ تم گوشت بیچتے ہو قصابیت تمہارے نام سے زندہ ہے۔ لہٰذا تم "قریشی" ہو بس پھر کیا تھا ہندوستان و پنجاب کے تمام قصاب خواہ وہ پیشہ کے لحاظ سے قصاب تھے۔ اور خواہ نسب و نسل کے اعتبار سے تمام

سے تمام قریشی بنگئے۔ کھوئی ہوئی وراثت ہاتھ آئی۔ الحمد للہ علیٰ ذالک۔ مگر یہ معلوم نہ ہو سکا کہ قصاب حضرات کی قریشیت کا فائدہ دین کو کیا پہنچا۔ اور دُنیا کو کیا؟ اس تفصیل و تشریح کے لئے بھی دُنیا کی آنکھیں منتظر ہیں۔ کہ اس تگ و دو اور ہنگامہ خیزی کا صلہ خود قصاب برادری کو کیا اور کس شکل میں ملا۔

ہمیں اس دردسری کی ضرورت لاحق نہ ہوتی اگر "القریش" نامی ٹریکٹ ہماری نظر سے نہ گذرتا۔ یہ صحیفہ ہمیں سید عامر عباس صاحب امروہی کے توسل سے موصول ہوا ہے اور عجب دلچسپ ہے۔ سرورق پر "القریش" مسٹر محمود احمد صاحب کی تاریخ امروہہ کا دندان شکن جواب "مرقوم ہے۔ مؤلف کا اسم گرامی اسی صفحہ پر یوں تحریر ہے۔ "حاجی الحرمین الشریفین حافظ امام الدین امام اکبرآبادی جنرل سکرٹری آل انڈیا جمعیتہ القریش"، یہ ان اعتراضات کا گرماگرم جواب ہے۔ جو مولف تاریخ امروہہ نے قصابوں کے ادعائے قریشیت کے ضمن میں کئے ہونگے۔

تاریخ امروہہ ہماری نظر سے نہیں گذری۔ البتہ اس کے ناظم دراقم مسٹر محمود احمد صاحب کو ایک دفعہ غالباً وسط ۱۹۳۰ء میں امرتسر کے مقام پر دیکھنے کا اتفاق ضرور ہوا۔ چند گھنٹوں کی صحبت میں ہم اس نتیجہ پر پہونچے۔ کہ مسٹر موصوف طبعاً کچھ تیز و تلخ واقع ہوئے ہیں۔ اور لڑائی مول لینے میں انہیں بہرہ وافر حاصل ہے۔ اس لئے یقین ہو سکتا ہے۔ کہ قصابیت کی قریشیت کی بحث میں آپنے اعتدال سے تجاوز کیا ہو اور علمی و تاریخی تحقیق میں متانت و سنجیدگی کو ملحوظ نہ رکھتے ہوئے قصاب حضرات کو کچھ کہے گئے ہوں۔ غالباً وہی کچھ "حاجی الحرمین الشریفین" کی اشتعال طبعی کا موجب ہوا۔ اور آپ عامیانہ رنگ میں سب و شتم کے لئے مجبور ہوئے۔ آپ نے نہ صرف مولف تاریخ امروہہ کو ہی بلکہ تمام قریش اور شرفائے عرب کو ایک ہی لاٹھی ہانک لیا ہے فاضل مورخ نہ اعتدال کو ہاتھ سے دیتے اور نہ قوم کو یہ صلواتیں سننی پڑتیں۔

ہے یہ گنبد کی صدا جیسے کہے ویسے سُنے

رہا اعتراضات اور ان کے جوابات کا مسئلہ اس کے لئے تو بلا خوف لومتہ لائم نہائت آزادانہ طور پر ہم یہ کہنے کیلئے تیار ہیں۔ کہ نہ اعتراضات اعتراضات ہیں اور نہ جوابات جوابات، اگر اعتراضات کو دلائل و براہین سے کوئی نسبت نہیں تو جوابات بھی ان اوصاف سے معرا ہیں۔ نہ معترض ان کے دعوٰی کے کما حقہ تکذیب اور نہ جواب دینے والے کما ینبغی اس کی تصدیق کر سکے۔ تیزی کا جواب تلخی سے اور اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کے مقولہ پر عمل کیا گیا ہے۔ اور مبحث سے دور نکل کر ذاتیات کی الجھنوں میں مقصد و مطلب کو فوت کرنے میں کسر نہیں رکھی۔ اس تو تو میں میں کا نتیجہ تضیع زر اور تضیع وقت کے سوا نہ ہونا تھا۔ اور نہ ہوا۔ کاش "حاجی الحرمین الشریفین" ہی جذبہ انتقام میں اپنا دماغ پریشان کرنے کے بجائے صبر و تحمل اور برداشت و بردباری سے کام لیتے ہوئے کوئی پتے کی بات کہدیتے۔ تو قصہ ہو جاتا۔ اور دنیا کسی نتیجہ پر پہونچ جاتی بدقسمتی سے "تاریخ الشیوخ" جس کا تذکرہ "حاجی الحرمین الشریفین" کے "صحیفہ گرامی" میں کیا گیا ہے بھی ہماری نظر سے نہیں گذری۔ اور جب تک کوئی چیز اپنی آنکھوں دیکھ نہ لی جائے۔ اس کے حسن و قبح کے متعلق کوئی رائے قائم نہیں کی

جا سکتی۔ "حاجی الحرمین الشریفین" ذرا فراخ دلی سے کام لے کر اپنی تاریخ چند اداروں اور اخبارات کے دفاتر میں بھجوانے کا فیصلہ کرتے تو آپ کے دعویٰ کو دلائل کی کسوٹی پر جانچنے پرکھنے کا موقع مل جاتا۔ لیکن دو روپے ہدیہ وصول کئے بغیر آپ اسے ہوا نہیں لگانا چاہتے۔ حالانکہ دنیا کو قائل کرنے کیلئے ایثار و حوصلہ شرط ہے۔ اگر کسی وجہ سے یہ نہیں ہو سکا۔ تو اسی جنگ نامہ میں ہی کوئی خاص حوالہ دیدینا چاہئے تھا۔ مگر افسوس کہ یہ بھی نہیں کیا گیا۔ پھر کسے کیا مصیبت پڑی ہے۔ کہ اس زمانہ میں جبکہ بازار معیشت بے طرح سرد ہے۔ آپ کے دعویٰ کے جواز و عدم جواز کیلئے آپ ہی کی تالیف مول لیتا پھرے۔

رہا قصاب برادری کے دعویٰ قرشیت کے صدق و کذب کا سوال۔ اس مخمصے میں ہم اپنا وقت ضائع نہیں کرنا چاہتے۔ ہر شخص اپنے اعمال کا ذمہ دار ہے اور جزا و سزا کا مستوجب۔ حاجی الحرمین الشریفین "کو قرشیت مبارک رہے اور کفارہ گناہ کا موجب ہو۔ اس مسئلہ میں ہم سوائے اس کے کچھ نہیں کہنا چاہتے۔ کہ آپ سخت غلطی پر ہیں۔ اور بلا تمیز نسب و نسل پنجاب و ہندوستان کے گوشت فروشوں کو قرشیت کی سند عطا کرنے میں آپ کا ایک ایسے گناہ کا ارتکاب ہوا ہے جسکا کوئی کفارہ نہیں ہو سکتا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روحی فداہ کے نسب پاک پر حملہ کوئی معمولی بات نہیں۔ اور یہ جرأت دیدہ دلیری کے مترادف ہے۔ اور وہ اس لئے کہ تمام گوشت بیچنے والے ایک ہی نسب و نسل سے نہیں ہیں۔ یہ قرین قیاس ہو سکتا ہے۔ کہ صحیح النسب قریش میں سے کسی کنبہ و قبیلہ کے افراد نے پیشہ قصاب اختیار کر لیا ہو۔ لیکن یہ ہرگز ہرگز ممکن نہیں۔ کہ ہر قصاب قریشی ہو۔ امرتسر و لاہور میں اس وقت دو صد کے قریب قصاب ہیں۔ جو نسب و نسل کے لحاظ سے کمبو برادری سے تعلق رکھتے ہیں۔ اور اسی برادری سے رشتہ ناطہ اور میل جول کرتے ہیں تحقیق و تجسس کے بعد معلوم ہو سکتا ہے۔ کہ بعض نو مسلم ہندی الاصل بھی گوشت فروشی سے شکم پری کر رہے ہیں۔ پھر کس طرح یہ سمجھا جائے کہ حضرت "حاجی الحرمین الشریفین" کا یہ دعویٰ صحت پر مبنی ہے۔ اور ان سے نسب اطہر سے گستاخانہ سلوک نہیں ہوا؟ اقتضائے انصاف یہ تھا۔ کہ اگر کسی قصاب کو نسبی ٹوہ کے بعد اس بات کا حتمی و قطعی یقین ہو گیا تھا۔ کہ وہ عربی الاصل اور قریشی النسل ہے۔ تو اسے اپنی نسبی برادری کی جانب رجوع کرنا چاہیئے تھا۔ نہ کہ پیشہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے ایک نسب کو یوں رگیدنا شروع کر دیا جاتا۔ یہ باتیں ہیں جو "حاجی الحرمین الشریفین" کے دعویٰ کے خلاف ڈگری دیتی ہیں۔ ورنہ خدا نخواستہ نہ ہمیں آپ کی ذات سے کوئی پرخاش ہے۔ اور نہ مورخ تاریخ امروہہ کو کوئی وجہ عناد ہونی چاہیئے۔

ان حقائق اور صاف صاف باتوں کے بعد بھی اگر "حاجی الحرمین الشریفین" اپنے دعویٰ پر نظر ثانی کی تکلیف گوارا نہ فرماویں۔ تو پھر قریشیوں کو خدائی کے دعویٰ میں باک نہیں ہونا چاہیئے۔

ہمارے خیال میں اس کے بعد اس بحث پر خامہ فرسائی کی ضرورت نہ رہیگی۔ کیونکہ ضد و کد میں صحیح نتائج نہ کبھی مترتب ہوئے اور نہ ہونگے۔ خدا ہمیں صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین!

احساسات

آہنگِ عمل

(قوم)

(از حکیم مسرور احمد صاحب وجد بدایونی)

دُور بینی سے ہے نفرت قوم کو
صنعت و حرفت کو ہیں چھوڑے ہوئے
ان کو نفرت ہوتی ہے تنظیم سے
بلبل و گل کے ہیں افسانے پسند
جوش ان کا ایک وقتی جوش ہے
ان کو احساس غلامی کچھ نہیں،
حس خیر و شر سے ناکارہ ہیں یہ
سامنے اندھوں کے کیوں روتے ہیں یہ
کیوں گذرتی ہے محبت ان پہ شاق
کاش ہوتا ان میں باہم اتفاق
اپنی سستی کے سبب سے رہ گئے
ہاتھ آزادی سے اپنی دھو چکے

کام کی باتوں سے نفرت قوم کو
مہر و الفت سے ہیں منہ موڑے ہوئے
ان کو وحشت ہوتی ہے تعلیم سے
عیش و عشرت پر ہیں دل سے کاربند
ہوش بھی ہے تو تغافل کوش ہے
فکر آزادی کا اپنی کچھ نہیں
ساتھ گمراہوں کے آوارہ ہیں یہ
آنکھیں اپنی کس لئے کھوتے ہیں یہ
دن بدن افزوں ہے انہیں کیوں نفاق
تابکے یہ افتراق و انشقاق!
دُور کوسوں منزل مقصود سے
سارا لطفِ زندگانی کھو چکے

دیکھتے ہیں آس لئے سوئے فلک
رہنمائی کے لئے آئے ملک

تاریخ اسلام کا ایک واقعہ

فرزند رسولؐ کی وفات پر آنحضرت کی صداقت آمیز تبلیغ

(از جناب مولوی عنایت علی صاحب ناظم تبلیغ قرآنی کلکتہ)

اسلام وہم پرستیوں اور خوش اعتقادیوں کے خلاف ایک کاری حربہ ہے۔ وہ نہ تو اوہام پرستیوں کی تعلیم دیتا ہے۔ اور نہ اس میں اس چیز کی گنجائش ہے۔ وہ دلیل ہے برہان ہے ہدایت و نور ہے۔ اور سب سے بڑھ کر افعال قدرت کا مظہر ہے۔ اسلام کے داعی اکبر صلی اللہ علیہ وسلم کو رب العالمین کی طرف سے حکم ہوتا ہے قل انما ادعوا الی اللہ علی بصیرۃ انا ومن اتبعنی ۔ اے نبی! کہ دو کہ میں خدا کی مخلوق کو اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ دلائل و بصیرت کے ساتھ جو میرے پیروکار ہیں۔ ان کا یہی طریقہ ہوگا۔" اسلام عیسائیت کی طرح کسی فرسودہ اور خلاف فطرت تعلیم کا معلم نہیں۔ اس نے جو کچھ کہا وہ انسانی فطرت کی صحیح آواز ہے۔ اور وہی چیز دنیا کے سامنے پیش کی۔ جس کو ہر زمانہ میں بقا کی دولت حاصل ہے۔ غرض اسلام وہم پرستیوں اور زود اعتقادیوں کا نام نہیں۔ بلکہ وہ ایک ایسا لائحہ عمل ہے جس کی بنیاد فطرت سلیمہ پر رکھی گئی ہے۔

فرزند رسولؐ کی وفات کا واقعہ

اس حقیقت کو سمجھانے کیلئے خود داعی اسلام حضور اکرم صلے اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک واقعہ پیش کیا جاتا ہے۔ جو مخالف و موافق ہر دو کیلئے درس عبرت ہے پیغمبر اسلام کے ایک لاڈلے بیٹے ابراہیمؑ تھے۔ جن سے حضور کو بہت ہی محبت تھی۔ آپ جب بیمار ہوئے۔ تو حضور کو سخت روحانی اذیت پہنچی۔ ایک روز معلوم ہوا کہ حضرت ابراہیمؑ مرض الموت میں مبتلا ہیں۔ اور عنقریب وہ اس دنیا کو چھوڑنے والے ہیں۔ حضور انور کے پاس ایک خاتون ابراہیمؑ کو گود میں اٹھا کر لے گئی آپ نے ان کو دیکھا۔ تو معلوم ہوا کہ وہ چند ساعتوں کے مہمان ہیں۔ ابراہیم علیہ السلام کی اس حالت کو دیکھ کر حضور پر نور سے نہ رہا گیا۔ اور آپ کی چشم مبارک سے آنسو جاری ہو گئے۔

آنحضرت کی اس بے تابی کو دیکھ کر صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ تو دوسروں کو رونے سے منع فرمایا کرتے تھے خود آپ کی آنکھیں کیوں پر آب ہیں؟ حضور نے فرمایا۔ کہ آنسوؤں کا نکلنا تو شفقت پدری کا ایک تقاضا ہے۔ اس سے میں نے منع نہیں کیا۔ کیونکہ انسان کا اس پر کوئی اختیار نہیں۔ بلکہ میں نے جس چیز سے منع کیا ہے۔ وہ جاہلیت کا رونا ہے بے شک وہ لوگ خدا کے نزدیک مجرم ہیں۔ جو چیخ چیخ کر گریبان پھاڑ کر روتے اور چہرہ پر تھپڑ مارتے ہیں۔ لیکن

بے اختیار آنسوؤں کا نکل جانا اس میں داخل نہیں ہے۔ پھر آپ نے آنسو پونچھتے ہوئے فرمایا۔ القلب یحزن والعین تدمع ولا نقول الا ما یرضی ربنا وانا بفراقک یا ابراھیم لمحزونون۔ دل رنجیدہ ہے اور آنکھیں اشکبار ہیں۔ اور اے فرزند ابراہیم! میں تیری جدائی سے مغموم ہوں۔ اتنے میں جگر گوشہ رسول کا انتقال ہو جاتا ہے۔ اور آپ صحابہ کرام کے ساتھ اس بچہ کو قبرستان میں لے جاکر سپرد خاک کر دیتے ہیں۔

ابراہیم علیہ السلام کی وفات سے وہ دشمنان اسلام بہت خوش ہوئے۔ جو آپ کے مشن کی تخریب کے درپے اور اسلام کو نیست و نابود کرنے میں پیش پیش تھے۔ انہوں نے کہا۔ کہ یہ خوب ہوا۔ کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا ایک ہی فرزند تھا۔ وہ بھی چل بسا۔ اب آپ مقطوع النسل اور بے اولاد رہ گئے ہیں۔ اس لئے امید ہے کہ آپ کی نسل نہ ہونے سے اسلام کا فتنہ (نعوذ باللہ) زیادہ نہیں بڑھ سکیگا۔ اور آپ کی وفات کے بعد کوئی شخص بھی اس کا نام لیوا نہ رہے گا۔ کفار عرب جو آنحضرت اور اسلام کی ترقی سے جلے بھنے بیٹھے تھے۔ اس واقعہ سے بہت خوش ہوئے۔ اور نعوذ باللہ آپ کو ان کی طرف سے نسل بریدہ کا خطاب دیا گیا۔ لیکن چونکہ اسلام ایک صداقت ہے۔ اس لئے اس کو نہ تو فرزند رسول کی ضرورت تھی۔ اور نہ کسی اور معاون و مددگار کی۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کی ان حرکتوں سے کوفت نہیں ہوئی۔ کیونکہ آپ کو یقین تھا۔ کہ اسلام آفتاب کی مانند آسمان دنیا کے نصف النہار پر پہنچکر زمین کے گوشہ گوشہ کو منور کرے گا۔ اور مخالفین خود بخود مٹ جائیں گے۔ لیکن تاہم وحی تنزیل نے مخالفوں کی اس عارضی خوشی پر یہ کہکر پانی پھیر دیا۔ (انا اعطینٰک الکوثر فصل لربک وانحر ان شانئک ھو الابتر) "اے نبی! ہم نے تم کو خیر کثیر عنایت کیا ہے۔ اور تمام بھلائیوں اور خوبیوں سے تم کو سرفراز کر دیا ہے۔ آپ اپنے رب کی پاکی بیان کرتے رہیئے۔ اور قربانی کیجئے۔ بیشک آپ کے دشمن ہی ناکام نسل بریدہ اور خائب و خاسر رہیں گے"۔ چنانچہ یہی ہوا۔ کہ ابھی عربی صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی جان و مال و عزت و آبرو قربان کرنے والے آج بھی چالیس کروڑ مسلمان زندہ موجود ہیں۔ اور بڑے بڑے سلاطین آپ کی غلامی و اطاعت کو اپنی نجات کا ذریعہ سمجھتے ہیں۔ لیکن وہ مخالفین اسلام جنہوں نے حضور کو نسل بریدہ کا خطاب دیا تھا۔ دنیا سے اسی طرح غارت و غائب ہوئے کہ گویا کبھی اس دنیا میں آئے ہی نہ تھے۔

ابراہیم کی ولادت اور چاند گہن

ادھر تو یہ اشرار تھے۔ جو حضرت ابراہیم کی ولادت پر خوشیاں منا رہے تھے۔ اور دوسری طرف ایسے سلیم الفطرت لوگ تھے۔ جو واقعہ وفات کے بعد اسلام قبول کرنے کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔ بات یہ ہے کہ جس روز حضرت ابراہیمؑ فرزند رسولؐ کا انتقال ہوا۔ اسی شب کو چاند گہن شروع ہو گیا۔ عرب کے بعض کمزور اور وہام پرست لوگوں کے نزدیک یہ واقعہ سخت المناک تھا۔ وہ فوراً دوڑ کر رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں

حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا۔ کہ یا رسول اللہ ہم مسلمان ہونے کے لئے آئے ہیں۔

آنحضرتؐ:۔ تم کیوں مسلمان ہونا چاہتے ہو۔ اسلام میں تم کو کیا خوبی نظر آئی؟

لوگ:۔ یا رسول اللہ اب ہم کو یقین ہو گیا ہے۔ کہ آپ خدا کے سچے رسول ہیں۔ کیونکہ آج ہی حضرت ابراہیمؑ کا انتقال ہوا۔ اور آج ہی چاند گہن میں آ گیا۔ اس سے معلوم ہوا۔ کہ آپ کے فرزند کا ماتم افلاک پر بھی ہوا ہے۔ یہاں تک کہ چاند نے بھی ماتمی لباس پہن لیا۔

غور کرنے کا مقام ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے بڑھ کر اور کونسا موقع تبلیغ اسلام کا ہو سکتا تھا۔ لوگ آپ کے در پر کھڑے ہیں۔ اور استدعا کر رہے ہیں۔ کہ آپ ہم کو مسلمان کر لیجئے۔ لیکن اولوالعزم نبی کی راست گفتاری اور حق گوئی ملاحظہ ہو۔ آپ فرماتے ہیں۔

"تمہارا یہ خیال بالکل غلط ہے۔ کہ ابراہیم کی وفات کی وجہ سے چاند گہن میں آ گیا۔ اور اس نے ابراہیم کے غم میں ماتمی لباس پہن لیا۔ یاد رکھو آفتاب و ماہتاب کو کسی کی موت و زندگی سے کوئی تعلق نہیں" یہ اللہ کی نشانیاں ہیں۔ اور اللہ جس طرح چاہتا ہے۔ اپنی مخلوق میں تصرف کرتا ہے۔ اگر ابراہیم کی آج وفات نہ ہوتی۔ تب بھی چاند گہن ہوتا۔ ارضی وسماوی کارخانے علیحدہ ہیں۔ ان کو کسی کی موت اور زیست سے کوئی تعلق نہیں"

اگر اس موقع پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور کچھ نہیں۔ تو خاموش ہی ہو جاتے۔ اور ان لوگوں کو مسلمان کر کے اپنی قوت میں اضافہ کرتے۔ لیکن نہیں۔ آپ نے ایسا نہیں کیا۔ کیونکہ آپ کو معلوم تھا۔ کہ ان لوگوں کے اسلام قبول کرنے کی بنیاد مستحکم نہیں ہے۔ ان کی ایک غلط بات نے رہنمائی کی ہے۔ جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں ہے۔ چونکہ آنحضرت کی بعثت کی غرض یہ بھی تھی۔ کہ دنیا کو غلط خیالات اور بد اعتقادیوں سے نجات دلائی جائے۔ اس لئے یہ کس طرح ہو سکتا تھا۔ کہ آپ خود ہی اس وہم پرستی کی سرپرستی فرمانے لگیں۔ اور ایک غلط اور کمزور بات کو کسی قوم کی رہنمائی کا ذریعہ تصور فرمائیں؟

اس واقعہ سے معلوم ہوا۔ کہ اسلام میں غلط خیالات کے لئے کوئی گنجائش نہیں۔ وہ بصیرت ہے برہان ہے۔ دلیل ہے اور اگر کوئی اسلام قبول کرنا چاہتا ہے۔ تو وہ دلیل و بصیرت کی روشنی میں قبول کرے نہ کہ تخیل پرستی کی تاریکی میں۔ اس واقعہ سے جہاں داعی اسلام (فداہ ارواحنا) کی راست گفتاری۔ صداقت شعاری اور حق گوئی کا پتہ چلتا ہے۔ وہاں یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے۔ کہ اسلام کی اشاعت کے لئے ایسے اصول پیش کئے جائیں۔ جو اٹل اور انسانی فطرت کا نچوڑ ہوں۔

آہ مولوی محبوب عالم | پیسہ اخبار کے مالک۔ اردو اخبار نویسی میں سب سے پرانے ایڈیٹر۔ مصنف و مؤلف وسط مئی میں انتقال ہوا۔ خدا مغفرت کرے۔

حضرت صدیق اکبرؓ

(ڈاکٹر گسٹوڈیرکس کے قلم سے)

آنحضرت صلعم کی جانشینی کا مسئلہ مشکل تھا بھی اور رہا بھی۔ خلیفہ کی تخت نشینی کی وجہ سے جو دنیاوی حاکم ہونے کے علاوہ روحانی پیشوا بھی تھا۔ بظاہر ایک شاہانہ حکومت کی بنیاد پڑ گئی۔ اور اس صورت کو عربوں کی فطرت سخت ناپسند کرتی تھی۔ اور جس طرح عربوں نے بادشاہ کی ذات میں ساری طاقت مجتمع ہوجانے کے خلاف احتجاج کیا۔ (جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جب تک عربوں کی کثرت رائے رہی بادشاہ کو اقتدار شاہی نصیب نہ ہوا) اسی طرح اس عمل سے بھی اختلاف رائے کیا۔ یہی وجہ ہے کہ خلافت عباسیہ کے زمانہ میں جبکہ اس کی فوجی طاقت اپنے عروج پر تھی اور تہذیب و شائستگی کے لحاظ سے کوئی سلطنت اس کی ہمسر نہ تھی۔ کسی شہر یا صوبہ کے اندرونی معاملات میں خارجی مداخلت کی اجازت نہ تھی۔ اور یہی وہ جذبہ آزادی اور احساس انفرادیت تھی۔ جو ہر اس نظام سلطنت سے شروع ہی سے مخالفت پر کمربستہ تھا جو حکومت ملکی کو اقتدار ملوکانہ کے ماتحت بنا دیتا تھا۔ لیکن یہ سب سے بڑی مشکل نہ تھی۔ کیونکہ خلفاء الراشدین بھی اپنے جذبات و احساسات قومی کے لحاظ سے سراپا عرب ہی تھے۔ جس طرح خود ان کے پیشوا آنحضرت صلعم تھے۔ اور وہ جانتے تھے۔ کہ اگر ملوکیت قائم کی گئی۔ تو عربوں کے جذبات کو ٹھیس لگ جائے گی۔ اور ان کے حقوق کی مساوات کے احساس کو صدمہ پہنچ جائے گا۔ حکومت کا تخیل اور مذہب کا تخیل عرب کے لئے ایک ہی چیز کے دو نام تھے۔ ان کے لحاظ سے حکومت نام تھا۔ ایک جماعت کا اور خلیفہ اس جماعت کا امام یعنی راہنما یا ہادی۔ یہی وجہ ہے کہ انہوں نے خلیفہ کو شاہانہ خطاب سے نہ سرفراز کیا نہ یاد کیا۔ مثلاً شیخ یا ملک کے لقب سے نہیں پکارا۔ اور اگر آگے چلکر لفظ خلیفہ کے ساتھ اقتدار سیاسی بھی وابستہ ہوگیا۔ تو یہ بات سیاسی زندگی کے نشوونما کی وجہ سے ہوئی۔ جو رفتہ رفتہ خلافت الٰہیہ اشتراکیت اور جمہوریت کے منازل ارتقائی طے کرکے دفتری حکومت اور خودمختار سلطنت کے درجہ تک پہنچ گئی۔ عربوں کا مطالبہ یہ تھا۔ کہ انہیں آزادی فیصلہ حاصل ہو۔ اور حفاظت خود اختیاری اس حد تک کہ اگر ضرورت ہو تو وہ خلیفہ کے مقابلہ میں بھی اپنی شخصی آزادی برقرار رکھ سکیں۔ اور یہ بات اس صورت سے حاصل ہوئی۔ کہ انہوں نے جس طرح شیوخ اور قضاۃ کا انتخاب کیا۔ اسی طرح خلفاء کا بھی اور اس معاملہ میں حق وراثت کو تسلیم نہیں کیا۔ اور فاروق اعظمؓ نے تو اس اصول پر اس شدت کے ساتھ عمل کیا۔ کہ اپنے بیٹے کو علانیہ طور پر جانشینی سے محروم قرار دیدیا۔ تاکہ اسلام میں وراثت آباً عن جد کا نقشہ قائم نہ ہوسکے۔ اور اگر انہوں نے خلافت کو قریش سے مختص کیا۔ تو اس کے معنی صرف یہی ہیں۔ کہ نبی کریم کی عزت افزائی کی خاطر ایسا کیا۔ آنحضرت قبیلہ قریش سے

تھے۔ بیشک ایسی جماعتیں بھی موجود تھیں۔ جن کا خیال یہ تھا۔ کہ ہر عرب بلا امتیاز خلیفہ بن سکتا ہے۔ لیکن ان کو کبھی اقتدار نصیب نہیں ہوا۔ ابوبکرؓ سے لیکر مستعصم باللہ تک سب خلفاء قریشی تھے۔

پس خلیفہ وہ حاکم تھا جس کا انتخاب ہوتا تھا۔ اور اسکی بادشاہت بھی انتخابی ہوتی تھی۔ لیکن یہ صورت حال ابتداء ہی سے بادشاہت کے حق میں نہایت مضر ثابت ہوئی۔ کیونکہ قبیلہ قریش جو کسی وقت بہت بڑا تھا۔ اب دور نزدیک پھیلا ہوا تھا۔ اور جیسا کہ انتخابی حکومتوں میں عام طور پر ہوتا ہے منتخب بادشاہ ہمیشہ وزراء اور امرائے دربار کے رحم پر زندگی بسر کرتا ہے۔ اور اس کا اقتدار محض برائے نام ہوتا ہے۔ اور اس کی بادشاہت دراصل ایک میدان جنگ یا بساطِ سیاست کا نمونہ ہوتی ہے۔

خلافت کی تاریخ تدریجی ترقی کے لحاظ سے تین حصوں میں منقسم ہو سکتی ہے۔ پہلا دور ۶۳۲ء سے لیکر ۶۶۱ء تک خلفاء راشدین کا زمانہ کہلاتا ہے۔ مستقر خلافت مدینہ تھا۔ دوسرا دور ۶۶۱ء سے لیکر ۷۵۰ء تک خلفائے بنوامیہ کا زمانہ کہلاتا ہے۔ مستقر خلافت دمشق تھا۔ تیسرا دور ۷۵۰ء سے لیکر ۱۲۵۸ء تک خلفائے عباسیہ کا زمانہ کہلاتا ہے مستقر خلافت بغداد تھا۔ مغلوں نے خلافت کا خاتمہ کر دیا۔

چونکہ پہلا دور اصول و نظام حکومت کی تدوین کے لئے بمنزلہ معیار تھا۔ اور اسی زمانہ میں حکومت عرب کو بیحد وسعت نصیب ہوئی۔ جس کی بنا پر اسلام کو آگے چلکر عالمگیر اقتدار حاصل ہو گیا۔ اس لئے ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کہ پہلے ان اسباب پر نظر ڈالی جائے۔ جن کی بنا پر یہ کامیابی حاصل ہوئی۔

حضرت ابابکر صدیق رضؓ آنحضرت صلعم کے نہایت سچے اور وفادار مرید تھے۔ حضور کے ارشاداتِ عالیہ اُن کی نظر میں مبرا عن الخطا تھے۔ اور وہ ان پر صدق دل سے عمل کرتے تھے۔ پہلا کام انہوں نے یہ کیا۔ کہ قرآن کو ایک کتاب کی شکل میں مرتب کیا[۵۱]۔ اور محض آنحضرت کی عزت اور مرتبہ ہی کی وجہ سے انہوں نے قرآن کی صورتوں کو کسی خاص ترتیب کے ماتحت نہیں رکھا۔ حضرت عثمان رضؓ نے بھی ایسا ہی کیا۔ یعنی "جمع قرآن" میں کسی تنقیدی طریق کو مدنظر نہیں رکھا۔ ؛؛ اگر حضرت علیؓ نے جمع قرآن سے ناپسندیدگی کا اظہار کیا۔ تو اس لئے ان کی رائے میں تحریری الفاظ تحدید فی الاعتقاد کا باعث ہو سکتے تھے۔ اور ایسا ہی ہوا بھی۔ ان کا خیال نہ تھا۔ کہ ہر شخص روح اسلام سے معمور ہو کر اپنے اعمال سے اسکا اظہار کر سکے۔

حضرت ابوبکرؓ ایک سیدھے سادے اور خالص عرب تھے۔ اُن کا مطمح نظر بھی قومی اور قدیم ہی تھا۔ اور وہ بدوی رسم اور روایات پر شدت کے ساتھ کاربند تھے۔ لیکن اسلامی اصولوں کی موافقت ہمیشہ مدنظر تھی۔ اور ان کی عظمت کا

---

۵۱ ناضل مضمون نگار کو مثل دوسرے مستشرقین یورپ کے یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ رسول اللہ کے زمانہ میں قرآن شریف کتابی صورت میں مرتب نہیں ہوا تھا۔ یہ خیال غلط ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ قرآن کریم حضور کی زندگی میں ہی مرتب ہو چکا تھا۔ (ایڈیٹر)

راز بھی اسی بات میں پوشیدہ ہے۔ کہ وہ اپنی قومی زندگی کو اہم سمجھتے تھے۔ اس کے علاوہ خدا نے ان کو نہایت قابل اور ہوشیار سپہ سالار فوج عنایت کیا تھا۔ اس کا نام خالد ابن ولید تھا جس کے زیر قیادت عربوں کی مختصر سی فوج نے فتوحات پر فتوحات حاصل کیں۔ اور روز بروز ہمت جرأت اور ذاتی اعتماد میں ترقی حاصل کی۔ خالد نے ان لوگوں کو مذہبی جوش سے معمور کر دیا جس کی وجہ سے یہ لوگ ناقابل برداشت سختی کے ساتھ فتوحات پر تُل گئے۔ خالد ہی کی زیر قیادت انہوں نے ملک شام عیسائیوں سے چھین لیا۔ اور عیسائی عربوں کی حکومت حزا بھی ان سے چھین لی۔ اور ایرانی سپاہ کو شکست فاش دے کر دریائے فرات تک اپنے قبضہ میں کر لیا۔

حضرت ابوبکرؓ کی خانگی زندگی معمولی بدوی کی سی تھی۔ دوران حج میں خیمہ میں بھی قیام نہ کرتے تھے۔ خود تجارت کرتے تھے۔ اور لباس اور خوراک کے معاملہ میں بھی نہایت سادہ تھے۔ جب دو سال خلافت کرنے کے بعد مرض الموت میں مبتلا ہوئے۔ تو اس خیال سے کہ خلافت کے مقاصد کو نقصان نہ پہنچے۔ انہوں نے حضرت عمرؓ کو اپنا جانشین نامزد کر دیا۔ جنہوں نے ان کی آخری علالت میں نیابت کا فرض بھی انجام دیا تھا۔ پہلے انہوں نے عمرؓ کی جانشینی کے مسئلہ کو طے کر دیا ۔

تجلیات ہاشمی

اب وصل ہو کہ رنج ہمارے نصیب میں　　وحشت تو لے چلی ہے دیارِ حبیب میں

کب تک کریگا چارۂ زخمِ جگر کوئی　　جب اندمال ہی نہیں اس کے نصیب میں

پھر اعتماد دردِ محبت نہیں رہا　　پھر آگیا فریب دوائے طبیب میں

کیا سرفراز کر دیا تیری نگاہ نے　　یعنی سما گیا ہوں میں چشمِ رقیب میں

تعریف سے زبان بھی قاصر ہے ہاشمی

جو وصف ہیں خدا کے رسولِ حبیب میں

(ظفر ہاشمی)

عمل کا نام ہی نہیں فقط ہیں خوش بیانیاں

(از جناب نظامی)

ادھر اُدھر ہیں جلوہ گر عرب کی ضوفشانیاں
کلیم ہیں نہ طور ہیں کہاں وہ لن ترانیاں
نہ علم ہے نہ فضل ہے نہ صدق ہے نہ ہے صفا
برائے نام رہ گئیں سلف کی قصہ خوانیاں
نہ قرطبہ کی شان ہے نہ ہے فضائے اندلس
نگاہ میں ہیں شوکتیں، زبان پر ہیں کہانیاں
طلسم خاک میں ابھی چھپا ہے گنج شائگاں
اُبھارتی ہیں شوق کو مٹی ہوئی نشانیاں
نہ عزم ہے نہ حوصلہ نہ حرّیت کا ولولہ
خیال و خواب ہوگئیں وہ اگلی حکمرانیاں
نہ وعظ کا اثر ہے کچھ نہ دین کی خبر ہے کچھ
عمل کا نام ہی نہیں فقط ہیں خوش بیانیاں
بلا ہے دورِ مفلسی، کہ عام ہے گداگری
کہاں ہیں مہمانیاں، کدھر ہیں میزبانیاں

یہ قول مصطفےٰ کا ہے بچو گداگری سے تم
تمہارے حال پر رہیں خدا کی مہربانیاں

نہ جی چراؤ کام سے یہی ہے اصل زندگی
ہلاؤ اپنے دست و پا تلف نہ ہوں جوانیاں
نبی عرب میں آئے جب رنگ ہی پلٹ گیا
اُجڑ گئیں فنا ہوئیں، بتوں کی راجدھانیاں
وہ نرم نرم گفتگو وہ پیار بات بات میں
وفورِ خُلق سے مٹیں عدو کی بدزبانیاں
لقب امین کا ملا، ازل سے ہوگئیں سپرد
قیامِ امن کے لئے جہاں کی پاسبانیاں
نبی اسد میں دوستی قریشیوں میں یک دلی
گئیں وہ خانہ جنگیاں رہیں نہ سرگرانیاں
وہاں جو بے نوا گیا، مراد اپنی پاگیا
سحابِ جود سے ہوئیں کرم کی درفشانیاں
بشر کی ہے مجال کیا کرے جو مدح شاہِ دیں
خدا سے کوئی پوچھ لے نبی کی رمزدانیاں

ثنائے سرورِ امم، پڑھے نظامیٔ حزیں
یہ گھر ہوا و نعت ہو رہیں درود خوانیاں

فدایانِ اسلام کے سبق آموز حالات

(از جناب مولانا زاہد القادری صاحب ایڈیٹر طاقت)

آج خدا کے فضل وکرم سے روئے زمین پر مسلمانوں کی بہت سی عظیم الشان سلطنتیں موجود ہیں۔ جن کی شان وشوکت اور عظمت وسطوت کا مخالفین کو بھی اعتراف ہے۔ لیکن ایک وقت ایسا بھی تھا۔ کہ ان کے پاس چار گز زمین بھی نہ تھی۔ اور وہ خوف وہراس کی خوفناک کشمکش میں مبتلا تھے۔

سنہ ۶۱۱ء میں جن پاک ہستیوں نے اسلام قبول کیا۔ اور اس کی نشر واشاعت میں سرفروشانہ جد وجہد کی۔ ان کی ایمانی قوت اور اسلامی محبت لائق احترام اور قابل تقلید ہے۔ وہ درحقیقت ایسا نازک وقت تھا۔ کہ دنیا کی ہر طاقتور قوم فرزندان توحید کو نیست ونابود کر دینے کے لئے ہمہ وجوہ آمادہ تھی۔ اور خاک عرب کا ذرہ ذرہ ان کے خون کا پیاسا ہو رہا تھا۔ لیکن یہ اصحاب رسولؐ کا ہی عزم واستقلال تھا۔ کہ وہ کسی بڑی سے بڑی طاقت اور با جبروت ہستی سے بھی مرعوب نہ ہوئے۔ اور تیغوں کے سائے میں اشاعت اسلام کرتے رہے۔ سنہ ۶۳۵ء کا ذکر ہے۔ کہ حضور سرور عالم حضرت کعب بن مالک سے جنگ تبوک میں شریک نہ ہونے کی وجہ سے ناراض ہو گئے تھے۔ اس واقعہ کی اطلاع جب ہرقل اعظم شاہ روم کو پہنچی۔ تو اس نے حضرت کعب بن مالک کو لکھا۔ کہ مجھے معلوم ہوا ہے۔ کہ پیغمبر اسلام نے تم پر ظلم کیا ہے۔ اور تم سے تعلقات منقطع کر لئے ہیں۔ اس لئے میں تم سے کہتا ہوں۔ کہ فوراً تم میرے پاس چلے آؤ۔ اور اطمینان کے ساتھ زندگی بسر کرو۔" حضرت کعب نے جب اس خط کو پڑھا۔ تو فرط غضب سے پیکر آتش بن گئے۔ اور خط کو چاک کر کے کہا۔

"خدا کی قسم! روم کے تاج وتخت سے محمدؐ کی غلامی کروڑ درجے بہتر ہے۔" شاہ روم کو جب اپنے خط کی توہین کا حال معلوم ہوا۔ تو وہ غصے سے بیتاب ہو گیا۔ اس نے سات فدائیوں کو حکم دیا۔ کہ اگر کعب بن مالک عیسائی مذہب قبول نہ کرے۔ تو اس کو پوشیدہ طور پر قتل کر دو۔ اس حکم کو سنکر سات فدائی مدینہ طیبہ کی طرف روانہ ہوئے۔ اور کعب بن مالک کی تلاش میں رہنے لگے۔ مجاہد اسلام کو جب معلوم ہوا۔ کہ سات عیسائی بھیس بدل کر قتل کے ارادے سے آئے ہیں۔ اور "وادی رفا" میں مقیم ہیں۔ تو وہ خود ان کے پاس پہنچ گئے۔ اور کہا "میرا نام کعب بن مالک ہے۔ اگر تم چاہو تو مجھے قتل کر دو۔ لیکن میں عیسائی مذہب قبول نہیں کرونگا۔ مجھے ایک خدا کی عبادت ہی سے فرصت نہیں ملتی۔ پھر میں تین خداؤں کو کس طرح پوج سکتا ہوں۔"

حضرت کعب بن مالک کی اس مجاہدانہ تقریر کا ایسا گہرا اثر ہوا۔ کہ وہ ساتوں آدمی مسلمان ہو گئے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود کے حالات میں لکھا ہے۔ کہ ۶۱۶ء میں جب انہوں نے اسلام قبول کیا۔ اور حرم شریف میں جاکر قرآن شریف کی چند آئیتیں بلند آواز سے پڑھیں تو ان پر کفار ٹوٹ پڑے۔ اور ان کو اسقدر مارا۔ کہ سارا جسم لہولہان ہوگیا۔ اسی حالت میں کافروں نے ان کو تپتی ہوئی زمین پر لٹا دیا۔ اور اوپر سے پتھر پھینکتے رہے۔ ان تکلیفوں سے ان کے ایمان میں ذرہ برابر تزلزل واقع نہیں ہوا۔ وہ نہائت اطمینان کے ساتھ مصیبتیں برداشت کرتے رہے۔ اور مسکراتے رہے ایک شخص نے پوچھا۔ کہ آپ مسکراتے کیوں ہیں۔ فرمایا۔ کیا تم نہیں جانتے۔ کہ جب کوئی شخص بازار میں دو پیسے کا برتن خرید کرتا ہے۔ تو کافی تحقیق و تفتیش کرلیتا ہے۔ میں اس لئے مسکرا رہا ہوں۔ کہ میرا پروردگار مجھے خرید رہا ہے۔ اور میرے عزم و استقلال کا امتحان لے رہا ہے۔

اس صداقت بھری تقریر کا یہ اثر ہوا۔ کہ فوراً سترہ آدمیوں نے اسلام قبول کیا۔

حضرت ابوہریرہ رضؓ فرماتے ہیں۔ کہ جب حضرت ابوذر غفاری رضؓ نے اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ تو ان کے بت پرست عزیزوں نے ان کو اسقدر مارا۔ کہ چہرے پر داغ پڑ گئے۔ اور سر میں خون جاری ہوگیا۔ لیکن انہوں نے صاف لفظوں میں یہ کہا۔ کہ اگر تم میرے جسم کا قیمہ کر دوگے۔ تب بھی میں اسلام سے انحراف نہیں کرونگا۔ خدا کی قسم اسلام ایک ایسا درخشاں اور شائستہ دین ہے۔ کہ اس میں توحید و رسالت اور ذکر آخرت و اصلاح اخلاق کے سوا نہ خلاف عقل باتیں ہیں۔ نہ خلاف تہذیب رسمیں۔ وہ ہر انسان کو سیدھی سادی خدا پرستی کی تعلیم دیتا ہے۔ اور اصلاح اعمال کی ہدائت کرتا ہے۔ پھر یہ کس طرح ممکن ہے۔ کہ میں ایسے پاک مذہب کو چھوڑ کر بت پرستی اختیار کرلوں۔ اور تزکیہ نفس اور طہارت روح سے محروم رہوں۔ اس پر جوش تقریر کو سنکر بت پرست شرمندہ ہوئے۔ اور ان میں سے بعض نے اسلام قبول کرلیا۔

حضرت صہیب رضؓ رومی کے حالات میں لکھا ہے۔ کہ ۶۱۹ء میں جب انہوں نے "خانہ کعبہ" میں اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ تو ہر طرف سے ان پر حملہ ہوا۔ کافروں نے ان کو اسقدر مارا۔ کہ تمام بدن لہولہان ہوگیا۔ اور ان کا دایاں ہاتھ ٹوٹ گیا۔ ظالموں نے اسی پر قناعت نہیں کیا۔ بلکہ ان کے دونوں ہاتھ پاؤں رسی سے باندھ کر ان کو تپتی ہوئی زمین پر گھسیٹا۔ اور لوہا گرم کرکے ان کے جسم پر داغ دیا۔ یہ تمام مصیبتیں ایسی ہولناک ہیں۔ کہ ان کے تصور سے کلیجہ کانپ اٹھتا ہے۔ لیکن حضرت صہیبؓ رومی نے ان تمام اذیتوں کو برداشت کیا۔ اور یہی فرماتے رہے۔ کہ میں اسلام جیسے پاک اور درخشاں مذہب کو چھوڑ نہیں سکتا۔ میرا ایمان ہے۔ کہ اس سے بہتر کوئی مذہب نہیں۔ کیا تم نہیں جانتے۔ کہ اسلام کا آفتاب چمکنے سے پہلے دنیا پر باطل پرستی کی تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ اور خدا کی مخلوق معصیتوں اور سیاہ کاریوں میں مبتلا تھی۔ زمین پر کوئی ایسی جگہ نہ تھی۔ جہاں نیکیوں کا رواج ہو۔ اور کوئی قوم ایسی نہ تھی۔ جو سیدھے رستے پر چلتی ہو جب خدا کی زمین

پر ایسی تاریکی پھیل گئی تھی۔ تو غیرت حق کو حرکت ہوئی۔ آفتاب ہدایت طلوع ہوا۔ اور اس کی روشنی سے تمام دنیا منور ہوگئی۔ اے لوگو! کیا تم سمجھتے ہو کہ اس آفتاب ہدایت کا نام کیا ہے۔ اس کا نام پاک ہے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) یاد رکھو۔ وہ مقدس رسول تکمیل انسانیت کا مظہر اعظم بن کر جلوہ طراز ہوئے۔ دعوے کے ساتھ کہتا ہوں۔ کہ انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں جس میں رسول اعظم کا اسوۂ حسنہ رہنمائی نہ کرتا ہو۔ پھر اس کے مظہر کامل ہونے میں کیا شبہ ہے۔ وہی ہادی اعظم ہیں۔ جن کی تعلیم سے توحید کی روشنی پھیلی۔ اور صراط مستقیم نظر آئی۔ پھر تم کیوں ان کی رسالت کا اقرار نہیں کرتے۔ اور کیوں اپنے پر ظلم کرتے ہو"؟

حضرت صہیبؓ کی اس تقریر کو سنکر تمام بت پرست متاثر ہوئے۔ اور ان میں سے دس آدمیوں نے فوراً اسلام قبول کیا۔

ہزاروں جانباز مجاہدین میں سے یہ صرف چند مشہور بزرگوں کے حالات ہیں۔ اب ذرا ایک سرفروش خاتون کی جان بازی کا حال پڑھ لیجئے۔ حضرت سلمیٰ ایک پر جوش صحابیہ تھیں۔ سنہ ۶۲۰ء میں جب انہوں نے اپنے اسلام کا اعلان کیا۔ تو ان کے شوہر عاصم بن صفوان اور ان کے بھائی عاص بن رافع نے ان کو اسقدر مارا۔ کہ چہرے پر داغ پڑ گئے۔ اور پیشانی سے خون جاری ہوگیا۔ اسی حالت میں ان کے شوہر نے ان کے ہاتھ باندھے اور ان کو تپتی ہوئی زمین پر لٹا دیا۔ لیکن دھوپ کی شدت سے ان کی حرارت اسلام میں کوئی کمی نہیں آئی۔ تقریباً چار گھنٹے کے بعد عاصم نے تیز خنجر نکالا۔ اور بی سلمیٰ کے سینہ پر چڑھ کر کہا۔ بول محمدؐ کی نسبت کیا کہتی ہے؟ اس کنیز اسلام نے جواب دیا۔ "محمد میرے آقا ہیں۔ اللہ کے مقدس رسول ہیں۔ رحم و کرم عصمت و عفت اور حق و صداقت کے پیکر اعظم ہیں۔ میں زندگی کے آخری لمحے تک ان کی صداقت کا اقرار کروں گی۔ اس مجاہدانہ جواب نے سب کو خاموش کر دیا۔ (طاقت)

(بقیہ مضمون ۴۳ سے آگے) اور حکومت پر یہ ثابت ہو جائے۔ کہ ریاست کا نظم و نسق مہاراجہ صاحب ہی چلا سکتے ہیں یہ انگریز افسروں کے بس کا روگ نہیں۔

اس تمام افسوسناک سلسلہ کا نتیجہ یہ نکلا۔ کہ آپ کے سامنے دو متبادل امور پیش کئے گئے۔ اول دو سال کیلئے الوداع دوم۔ ایک مجلس تحقیقات کا تقرر قبول کرو۔ چونکہ آخر الذکر میں بہت ہی زیادہ تذلیل و رسوائی کا سامان نظر آرہا تھا۔ اسلئے معلوم ہوا ہے کہ مہاراجہ صاحب نے دو سال کیلئے الور سے نکل جانا منظور کر لیا ہے۔ اسوقت آپ کوہ آبو پر جا رہے ہیں۔ جہاں کچھ عرصہ ٹھہر کر غالباً یورپ چلے جائیں گے۔

ہمیں ان واقعات پر بے حد افسوس ہے۔ لیکن یہ ظاہر ہے۔ کہ اسکی ذمہ داری خود مہاراجہ صاحب پر عائد ہوتی ہے

شمع رسالت کے پروانے

حضرت بی بی ام عمارہ رضؓ

حضرت ام عمارہ ان صحابیات میں سے ہیں۔ جو مدینہ منورہ کی خواتین میں سب سے اول مشرف باسلام ہوئیں۔ جناب رسالتمآب مکہ کے لوگوں سے تنگ آ گئے تھے۔ اور گیارہ سال کی سرفروشانہ تبلیغی جدوجہد کا کوئی نتیجہ نہ نکلا تھا۔ کہ مدینہ کے ۶ اشخاص آپ کا وعظ سنکر مسلمان ہو گئے۔ اگلے سال چھ کا اور اضافہ ہوا۔ آنحضور نے حضرت مصعب بن عمر کو ان بارہ حق پرستوں کے ساتھ مدینہ منورہ بھیجا۔ ان ہی کے ہاتھ پر حضرت ام عمارہ اور ان کا خاندان مشرف باسلام ہوا۔ لہذا ام عمارہؓ دو قسم کی سعادتوں کی حامل ہیں۔ اول یہ کہ وہ اولین وسابقین میں ہیں۔ اور دوئم یہ کہ وہ انصاریہ ہیں۔ اور ان دو سعادتوں کے بعد جو خاص سعادت کبریٰ ان کے حصہ میں آئی۔ وہ بیعت عقبہ ہے۔ (عقبہ گھاٹی کو کہتے ہیں) اور یہ بیعت بھی پہاڑ کی ایک گھاٹی میں لی گئی تھی۔ لہذا بیعت عقبیٰ کے لقب سے مشہور ہے۔

یہ وہ زمانہ تھا۔ کہ ارتقائے اسلام کا آفتاب بلند ہونے لگا تھا۔ اور مدینہ منورہ کے افق سے اس کی کرنیں دیگر مقامات میں پڑنے والی تھیں۔ کہ ستر آدمیوں کا ایک قافلہ مدینہ منورہ سے مکہ معظمہ آیا۔ حج کے دو تین روز بعد یہ قافلہ اسلام سردار اسلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور آپ نے رات کو پچھلے پہر اس قافلہ سے جان ومال کے ساتھ اسلام کی خدمت کرنے پر بیعت لی۔ ان سابقین میں دو خواتین بھی تھیں۔ جن میں سے ایک یہی حضرت ام عمارہؓ تھیں اور دوسری ام امین۔

حضرت ام عمارہ کے شوہر نے جب ان دونوں خواتین کو بیعت کے لئے پیش کیا۔ تو آنحضور نے ارشاد فرمایا۔ کہ جس امر پر تم سے بیعت لی ہے۔ اسی پر میں ان سے بیعت لیتا ہوں۔ لیکن مصافحہ نہیں کرتا۔ کہ عورتوں سے اسکی ضرورت نہیں سنہ ۳ھ میں جب احد کا معرکہ عظیم ہوا۔ تو اس میں حضرت عمارہ بھی شریک تھیں۔ اس جنگ میں مسلمانوں کی اول فتح ہوئی۔ اور پھر یہ شکست سے بدل گئی۔ اس میں حضرت امیر حمزہ رضؓ شہید ہوئے۔ اور جان نثاران اسلام کے دل ٹوٹ گئے۔ اسی جنگ میں وہ ساعت آئی۔ کہ فوج کفار کے دل سپہ سالار اسلام (روحی فداہ) پر چاروں طرف سے ٹوٹ پڑے

اور تیر و تلوار کی بارش شروع ہو گئی۔ اس وقت شمع نبوت کے پروانے صرف دس صحابہ تھے۔ جنہوں نے چاروں طرف سے آنحضور کو اپنی حفاظت میں لے لیا۔ کہ کہیں یہ مقدس شمع (نعوذ باللہ) گل نہ ہو جائے۔ ان دس جاں نثاروں میں حضرت ام عمارہ اور دو ان کے بیٹے عبداللہ و حبیب تھے۔ (طبقات ابن سعد) اس وقت کی کیفیت خود تاجدار نبوت صلعم نے ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے۔ کہ جب میں کفار کے نرغہ میں گھر گیا۔ تو ایک خاتون کو کبھی دائیں اور کبھی اپنے بائیں لڑتے دیکھتا تھا۔ وہ خاتون یہی ام عمارہؓ تھیں۔"

مسلم خاتون کی تدبیر جنگ

خود حضرت ام عمارہ نے ان صبر آزما ساعتوں کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا ہے۔ کہ میں اپنی ڈھال سے دشمنوں کے حملے روک رہی تھی۔ اور یہ تدبیر اختیار کی تھی کہ جب کوئی سوار حملہ کرتا۔ تو اول اس کا وار روکتی۔ اور پھر اس کے آگے بڑھتے ہی اس زور سے تلوار مارتی۔ کہ اس کے گھوڑے کے پاؤں کٹ جاتے۔ اور وہ سوار زمین پر گر جاتا۔ یہ دیکھ کر رسول کونین میرے بیٹے عبداللہ کو بھیج دیتے۔ اور پھر میں اور میرا بیٹا دونوں اس سوار کا خاتمہ کر دیتے۔ (طبقات ابن سعد) غرض یہ معرکہ جاری تھا۔ اور فوج کے دل آگے بڑھے چلے آتے تھے۔ کہ ایک کافر کے پتھر سے سرور دوعالم کے دندان مبارک شہید ہو گئے۔ ابن قمیہ نے اس زور سے تلوار ماری۔ کہ خود کی کڑیاں ٹوٹ گئیں۔ اور اس کے دو حلقے رخسار مبارک میں گھس گئے چہرہ انور زخموں سے سرخ ہو گیا۔ اور خون ٹپکنے لگا۔ ام عمارہ کے ہوش جاتے رہے۔ اور نہایت بیتابی سے ابن قمیہ پر حملہ کر دیا۔ ابن قمیہ لوہے کی زرہ کی وجہ سے محفوظ رہا۔ مگر جب اس نے لوٹ کر حضرت عمارہ کے تلوار ماری۔ تو ان کے کاندھے میں زخم آیا۔ اور گہرا آیا۔ لیکن خدا کی قدرت کہو یا اس صحابیہ کی جرأت کہ عرب کا یہ مشہور پہلوان ابن قمیہ بھاگ گیا۔ لہذا آپ کا تمام جسم گرم گرم لہو سے خشک ہو گیا۔ آنحضرت کو خبر ہوئی۔ تو باوجودیکہ آپ بھی زخمی تھے۔ لیکن اپنے سامنے کھڑے ہو کر ان کے زخموں پر پٹی بندھوائی۔ اور چند ممتاز صحابہ کا نام لے کر فرمایا۔ کہ ام عمارہ کا کارنامہ فلاں سے افضل ہے۔ ام عمارہ نے کہا۔ کہ یا رسول اللہ میرے لئے دعا فرمائیے۔ کہ میں جنت میں بھی آپ کے ہمراہ رہوں۔ آپ نے دعا کی۔ کہ ما ابالی ما اصابنی من الدنیا۔ اب مجھے دنیا کی کسی مصیبت کی کچھ پرواہ نہیں۔

حضرت ام عمارہ کا جذبہ جاں نثاری

حضرت ام عمارہ کی یہ تو وہ خدمات تھیں۔ جو خدا کا بول بالا کرنے کے لئے انہوں نے انجام دیں۔ اور وہ ہمیشہ اپنے خون پسینہ سے اشاعت و حفاظت اسلام کی خدمات انجام دیتی رہیں حتیٰ کہ شمع نبوت فانوس وفات میں برقعہ پوش ہو گئی اور حضرت صدیق اکبرؓ کا دور شروع ہوا۔ آپ کے عہد میں ارتداد کا طوفان اٹھا۔ اور مسلمہ کذاب تقریباً ۴۰ ہزار جنگجو لوگوں کے ساتھ مرتد ہو گیا۔

یہ وقت مسلمانوں کیلئے نہایت نازک تھا۔ ایک جانب رسولؐ کی وفات نے دل وجگر زخمی کیا۔ دوسری جانب

اس فتنہ ارتداد نے ہوش اڑا دیئے۔ حتیٰ کہ مسلمہ نے نبوت کا بھی دعوٰی کر دیا۔ جبراً لوگوں سے اپنی نبوت کا اقرار کرانے لگا۔ اسی اثناء میں ام عمارہ کے بیٹے حضرت حبیب عمان سے مدینہ آرہے تھے۔ مسلمہ نے گرفتار کر لیا۔ پوچھا کہ تم گواہی دیتے ہو کہ محمد اللہ کے رسول تھے۔

حبیب۔ ہاں اور ضرور۔

مسیلمہ۔ یہ گواہی دو کہ مسیلمہ اللہ کا رسول ہے۔

حبیب۔ میں اس کا منھ سے انکار کرتا ہوں۔ اسپر مسیلمہ نے حبیب کا ایک ہاتھ کاٹ ڈالا۔ اس کے بعد پھر اس سوال کو دہرایا۔ اور حضرت حبیب نے پھر انکار کر دیا۔ اس پر دوسرا ہاتھ بھی کاٹ ڈالا حتیٰ کہ مسیلمہ اپنے دعوٰی پر اصرار کرتا رہا۔ اور حضرت حبیب انکار کرتے رہے۔ یہاں تک کہ بے درد قزاق نے حضرت حبیب کے تمام اعضاء ایک ایک کرکے کٹوا ڈالے۔ آخر اس فدا کار اسلام نے اپنی جان قربان کر دی۔ مگر رہ تسلیم و رضا سے لغزش نہ ہوئی۔ حضرت ام عمارہ نے یہ المناک واقعہ سنا۔ تو دل سینہ میں تڑپ گیا۔ اور اسی وقت یہ عہد کیا۔ کہ اس کذاب پر اسلام کی طرف سے فوج کشی ہوئی۔ تو اس خوفناک ظلم کا انتقام اپنی تلوار سے لونگی۔ یعنی مسیلمہ کی گردن میں خود اپنی تیغ سے جدا کر دونگی۔

عدو اسلام کا قتل

آخر کار ان ستمرانیوں کی اطلاع خلیفہ اولؓ کو ہوئی۔ اور انہی چار ہزار فوج کے ہمراہ حضرت خالد بن ولید کو مسلمہ کے سرکوبی کیلئے روانہ کیا۔ اس لشکر میں ام عمارہ بھی ہمراہ گئیں۔ مسیلمہ بہت استقلال سے لڑا۔ اور بارہ سو صحابہ اس جنگ میں شہید ہوئے۔ لیکن حق کی فتح ہوئی۔ اور مسلمان کامیاب ہوئے۔ مسیلمہ کے ۸۰۔ ۹ ہزار آدمی کام آئے۔ ام عمارہ نے مسیلمہ کو تاک رکھا تھا۔ اور ان کی تلوار اس شقی ازلی کے خون کی پیاسی تھی۔ ایک موقعہ پر ہنگامہ کارزار خوب گرم تھا۔ ام عمارہ تلوار علم کرکے صفیں چیرتی ہوئی مسیلمہ کی طرف بڑھیں۔ اس بڑھنے میں ہاتھ کلائی سے کٹ گیا۔ اور گیارہ زخم آئے۔ لیکن جبین استقلال پر کوئی شکن نہ آئی۔ اور آخر کار مسیلمہ پر تلوار کا وار کر دیا۔ لیکن اسی اثناء میں ایک دوسری تلوار اس پر پڑی۔ تو اس کا تن دو ٹکڑے ہو کر زمین پر آرہا۔ ام عمارہ فوراً ہی گر پڑیں۔ اور سجدہ شکر ادا کیا۔ کہ آج ایک کذاب نبی صفحہ ہستی سے فنا کر دیا گیا۔ حضرت ام عمارہ کا ہاتھ کٹ چکا تھا۔ اور گیارہ زخم کاری لگ چکے تھے۔ لہذا کمزور بہت ہو گئی تھیں۔ حضرت خالد سپہ سالار اسلام کو معلوم ہوا۔ تو انہوں نے نہایت ادب و احترام سے ان کا علاج کرایا۔ اور وہ کچھ عرصہ کے بعد بالکل اچھی ہو گئیں۔

یہ معلوم نہیں۔ کہ اس واقعہ کے کتنی مدت بعد تک زندہ رہیں۔ باوجود پیرانہ سالی و کمزوری کے اسلام کی خدمت برابر انجام دیتی رہیں۔

کیا ہماری بہنوں کے لئے ان واقعات میں کوئی عبرت ہے؟ (الامان)

دولتِ ایمان

(از جناب اظہر امرتسری)

جب انسانوں کی تیرہ باطنی سے دہر رکھتا تھا
جبینِ ہستیٔ روشن پر اک داغ سیہ کاری

لگی ہونے یکایک پردۂ ظلمت سے دُنیا پر
نرالی شان سے مہرِ رسالت کی ضیا باری

کھُلی آنکھیں جہاں کی نور کی بارش کے چھینٹوں سے
مسلّط خوابِ غفلت پر ہوا پیغام بیداری

یہ اسکی اک شعاعِ اضطراب آگیں کا ہے پرتو
دلِ مسلم میں آتا ہے نظر جو جوش دینداری

اسی کی اک تجلّی آ گئی قلبِ مسلماں میں
جسے ایمان کہتے ہیں زبانِ اہلِ ایماں میں

یہ وہ مہتاب ہے، جب مضطرب تھیں اسکی تنویریں
تو سانچہ ان کے پھرا کرتی تھیں سب قوموں کی تقدیریں

نہ ہو جب تک یہ عزم جنگ بنکر قلب مسلم میں
نہ کام آتی ہیں شمشیریں نہ راس آتی ہیں تکبیریں

برنگِ خونِ مسلم اب نظر آئیگا جوش اسکا
اگر ہم خاکِ دہلی کے کسی ذرّہ کا دل چیریں

مقام اس کا ہوا جب غازیوں کے دست و بازو میں
تو دُنیا میں نظر آتی تھیں شمشیریں ہی شمشیریں

اگر اب بھی ہو اسکی آتشِ خاموش سینہ میں
پگھل جائیں لسان موم محکومی کی زنجیریں

کریگا جسقدر لوحِ جہاں کو ظلم فرسودہ
نمایاں اسقدر ہو جائیں گی ایماں کی تحریریں

ترے سر میں اگر باقی ہے سودائے جہانبانی
کر اے مسلم! دلِ مردہ میں پیدا جوشِ ایمانی

کُلُّ مَنْ عَلَیْہَا فَانٍ

ماضی قریب میں موت کے ہاتھوں مسلمانوں کو جو صدمات برداشت کرنے پڑے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ ایک مقتدر ہستی اُٹھ جائے۔ تو مدت دراز تک اسکی جگہ پُر نہیں ہوتی۔ پچھلے چند سالوں میں حکیم اجمل خاں۔ مولانا نور احمد۔ مولانا محمود الحسن۔ سر محمد شفیع سر علی امام۔ سید حسن امام اور مولانا محمد علی ایسے فقید المثال بزرگان رخصت ہو گئے۔ اور ان میں سے ہر شخص کے انتقال سے قوم کو جو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔ وہ کسی شرح و بسط کا محتاج نہیں۔

ابتلا و پریشانی اور قحط الرجال کے اس دور میں ان درمندان ملت کی وفات کچھ کم قومی مصیبت نہ تھی۔ کہ اب اور علماء و فضلائے ملت اور بزرگان و برگزیدگان قوم کے سایہ سے مسلمان محروم ہو گئے۔ ان ناقابل تلافی صدمات سے قوم سوگوار ہے۔ اور خون کے آنسو بہا رہی ہے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ ملت کے سینہ سے یہ زخم ابھی مندمل ہوئے نہ تھے۔ کہ حضرات ذیل نے داغ مفارقت دیا۔

حضرت مفتی غلام مصطفےٰ مرحوم امرتسر کے مشہور بزرگ اجید عالم حضرت مفتی غلام مصطفےٰ صاحب نے ۲۶-۲۷ اپریل ۱۹۳۳ء کو انتقال فرمایا۔ آپ زہد و تقویٰ حسن اخلاق اور علم و فضل کی حیثیت سے مسلمانان خیر القرون کا نمونہ تھے۔ امرتسر آپکے برکات و حسنات سے محروم ہو گیا۔ اور مدتوں یہ کمی پوری ہونے کی امید نہیں۔ خدا فضل کرے۔ اور انہیں اعلیٰ علیین میں جگہ عطا کرے۔ آمین۔

شیخ المحدثین علامہ حضرت سید انور شاہ علماء و فضلائے ہند میں ایک امتیازی حیثیت کے بزرگ تھے۔ دار العلوم دیوبند آپ کی علمی فیاضیوں کا ہمیشہ ہمیشہ کیلئے رہین منت رہیگا۔ ۱۹ مئی ۳۳ء کو بمقام دیوبند آپ کا وصال ہوا۔ آپ کے اخلاق و اعمال کی تعریف سے زبان قلم قاصر ہے۔ یگانہ روزگار بزرگ تھے۔ آپ کی وفات سے مسلمانوں کو من حیث القوم سخت نقصان ہوا۔ آپ کی جگہ پر کرنے کیلئے مسلمانوں میں آج کوئی نظر نہیں آتا۔ افسوس!

مفتی عبد الحکیم صاحب صوبہ سرحد کے مشہور عالم یکم مئی ۳۳ء کو آپ رگرائے عالم جاودانی ہوئے۔ مسلمانان سرحد آپ کے اخلاق حمیدہ اور اوصاف پسندیدہ کے گرویدہ تھے۔ علم و عمل کی نعمت سے مالا مال۔ نیک خصال پاکیزہ خیال بزرگ تھے۔ آپ کی وفات سے مسلمانان سرحد کو سخت صدمہ ہوا۔ خدا مغفرت کرے۔

نظم طبا طبائی نواب حیدر یار جنگ بہادر نظم طباطبائی آپ اعلیٰ پایہ کے شاعر اور شاہی خاندان اودھ کے اتالیق تھے۔ نظام کالج میں پروفیسر رہے۔ ۲۴ مئی کو انتقال ہوا۔ خدا جوار رحمت میں جگہ دے۔

نواب سر ذوالفقار علی خاں مالیر کوٹلہ کے رئیس خاندان کے بزرگ تھے۔ روسا میں آپ پرانے زمانہ کی یادگار رہے۔ تاریخ سے آپ کو خاص شغف تھا۔ علمی و سیاسی امور سے دلچسپی تھی۔ پٹیالہ کی وزارت عظمیٰ۔ کونسل آف سٹیٹ اور اسمبلی میں آپکی نمایاں شخصیت تھی ملنسار نیک سرشت آپ کی وفات سے آپکی معلومات اور مفید خدمات سے مسلمان محروم ہو گئے۔ افسوس آغاز مئی میں فوت ہو گئے۔ خدا مغفرت کرے۔

فرخندہ بنیاد حیدرآباد

تاجدار دکن خلد اللہ ملکہٗ کا فیض اپنی قلمرو ہی کیلئے نہیں۔ دنیا جہان کیلئے آیہ رحمت و کرم ثابت ہو رہے ہیں۔ ہندو و مسلم، یہود و نصاریٰ ہر قوم بلاتمیز مذہب و ملت آپ کے فیض و کرم اور بذل و سخائے شاہانہ سے مستفید و مستفیض ہو رہی ہے۔ اعلیحضرت خلد اللہ ملکہٗ و حشمتہٗ کا ابر کرم غیر ممالک کی کشت امید کو بھی اسی طرح سرسبز و شاداب کر رہا ہے جس طرح حیدرآباد اور نواح ہند کو۔

خدا آپ کے عز و اقبال وجاہ و جلال شاہانہ میں برکت دے۔ اور مسلمانوں کے سروں پر آپ کا سایہ ہماپایہ تا دیر برقرار رکھے۔ اور دیگر حکمرانوں کو آپ کی تقلید کی توفیق عطا کرے ✦ آمین ثم آمین!

اعلیحضرت کا دورہ :- اعلیحضرت میر عثمان علی خان بہادر خسرو دکن نے پچھلے دنوں ناندیڑ جالنہ اور اورنگ آباد کا دورہ فرمایا تھا جس میں حضور کی رعایا نے بلا امتیاز فرقہ و ملت عقیدت و فداکاری کے نہایت ولولہ انگیز مظاہرے کئے۔ اور محبت و وفا کے جذبات سے لبریز سپاسنامے پیش کئے۔ اعلیحضرت نے بھی ہر مقام پر سپاسناموں کے جواب میں تقریریں ارشاد فرمائیں۔ جذبات عقیدت کے ان مظاہروں۔ سپاسناموں اور اعلیحضرت کے جوابی ارشادات سے بقول روزنامہ "صحیفہ" جو حقیقت سب سے زیادہ نمایاں ہے یہ ہے کہ:-

> پادشاہ کے افکار میں سب سے زیادہ مقدم و اہم فکر راحت و آسائش رعایا ہے۔ اور تکالیف و ضروریات رعایا کے ارتفاع میں پادشاہ کے سارے اوقات کا انہماک ہے۔ "صحیفہ" لکھتا ہے :-
>
> ہندوستان کی دوسری ریاستوں میں بھی رئیس و حکمران موجود ہیں۔ بلکہ ان میں سے اکثر ایسے رؤسا ہیں جو یورپ کی ہوائیں کھا کھا کر آتے رہتے ہیں۔ اور دوسرے ممالک کے طرز حکمرانی کو بالذات مشاہدہ کرتے ہیں۔ پھر بھی ان رئیسوں کی حکمرانی کے کارنامے یہ ہیں کہ رعایا علی الاعلان ان سے بغاوت کرتی ہے۔ ہجرت کرتی ہے۔ جتھے بنا کر ان کی نوجوں کو تہس نہس کر ڈالتی ہے۔ رئیس کو ...... انگریزی فوج امداد کے لئے بلانی پڑتی ہے۔ طیارہ جات خریدنے پڑتے ہیں۔ مارشل لا جاری کرنے پڑتے ہیں۔ پھر بھی امن و امان قائم نہیں ہونے پاتا۔ کشمیر اور الور اور چوتول کے مظالم سے ہندوستان کے اخبارات لبریز ہیں۔ ...... جن کی وجہ سے رعایائے ریاست ہائے دیسی محاصل و انتظام برطانوی کو جنت سمجھتی ہے۔ اور ریاستوں کو جہنم بالآخر جب پانی سر سے اونچا ہو جاتا ہے۔ اور رئیس کو حکمرانی کے گھوڑے پر سوار ہونا دشوار معلوم ہوتا ہے

تو چند محاصل کی معافیوں کا اعلان کرکے یہ سمجھا جاتا ہے کہ قرنوں کی لگائی ہوئی آگ پانی کے چند چھینٹوں سے بجھ جائے گی۔ لیکن اس قسم کی معافیاں بے کار ثابت ہوتی ہیں۔

ان مناظر کے مقابلے میں رعایائے دولت آصفیہ کی خوشحالی و خوش نصیبی ملاحظہ فرمائیے۔ "صحیفہ" رقمطراز ہے کہ:۔

ایک ایک روپے کے محاصل کی زمین سے ایک ایک سو روپے کی پیداوار ہات آتی ہے۔ اور ظلم و زیادتی کا کہیں نام و نشان نہیں۔ اگر کسی سال سفاہت ہنگام و آفات سماوی کی بہ دولت رعایا کی خوشحالی کو ذرا سی بھی ٹھیس لگنے کے سامان پیدا ہو جاتے ہیں۔ تو قبل از قبل معافیات و التوائے اقساط کے اعلان کر دیئے جاتے ہیں۔ اور رعایا کی فکر و پریشانی کو گھٹانے کی امکانی کوششیں عمل میں لائی جاتی ہیں۔ کون صاحب وقوف و آگاہی ان حقائق سے انکار کر سکتا ہے؟

اعلحضرت نے ناندیڑ کے سپاسنامے کے جواب میں ارشاد فرمایا:۔

رعایا کی فلاح و بہبود ہمیشہ میرے پیش نظر رہتی ہے۔ ملک کے طول و عرض میں (یعنی دولت آصفیہ میں) جو کچھ ہوا یا ہو رہا ہے۔ اس کے مقابلے میں آیندہ کا پروگرام زیادہ شاندار ہوگا۔ انشاءاللہ

یہ محض الفاظ نہیں ہیں۔ بلکہ دولت آصفیہ کا نظم و نسق شاندار نتائج کے گرانبہا اندوختہ کے ساتھ اس کی تائید کر رہا ہے۔

معلوم ہوتا ہے۔ کہ اعلحضرت اپنی وفادار رعایا کے پے در پے مظاہرہ ہائے عقیدت سے بے حد متاثر ہوئے چنانچہ اورنگ آباد کے سپاسنامے کے جواب میں ارشاد ہوتا ہے۔

جس طرح تمہیں مجھ پر فخر ہے۔ میں بھی اس بات پر فخر کرتا ہوں۔ کہ خدا نے مجھے ایسی وفادار۔ اطاعت کیش اور عقیدت مند رعایا دی ہے۔

دلی دعا ہے۔ کہ ایزد برتر و توانا دولت آصفیہ کے بلند منزلت تاجدار اور وفا کیش رعایا کے باہمی تعلقات کو ہندوستان کے تمام والیان ریاست کیلئے اور خود برطانوی ہند کے حکمرانوں کے لئے ایک نیک مثال بنائے

اخلاق عامہ:۔ اگرچہ آج کل کے تصورات کے مطابق حکمران کو کوئی حق حاصل نہیں۔ کہ رعایا کے پرائیویٹ معاملات میں دخل دے۔ لیکن مسلمان بادشاہ کا فرض ہے کہ قوم کے اُن ممتاز افراد کے چال چلن پر کڑی نگاہ رکھے جن کی زندگیاں کو عوام اپنے لئے نمونہ سمجھنے کے خوگر ہیں۔ تاکہ قوم کے اخلاق خراب نہ ہوں۔ اور اس کا ناگوار اثر نظام ملت کو تباہ نہ کرنے پائے۔ اعلحضرت شہریار دکن نے حال ہی میں ایک فرمان صادر فرمایا ہے۔ جس میں حضور نے حیدرآباد

کے بعض جلیل القدر اور ممتاز خاندانوں کے نوجوانوں کو اُن کی عیاشیوں اور آوارہ مزاجیوں پر زجر و توبیخ کی ہے۔ اور ان کو بتایا ہے۔ کہ ان کی حرکتیں ان کے آباؤ اجداد کی شاندار وفاداری اور خدمتِ ملک و ملت کے دامن پر بہت بڑے داغ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس لئے اعلیٰحضرت مناسب خیال فرماتے ہیں کہ ان خاندانوں کے بزرگوں کی توجہ اس صورت حال کی طرف مبذول کرائی جائے۔ تاکہ وہ نوجوانوں کے اوضاع و اطوار کو درست کر سکیں۔

فی الحقیقت باشندگان حیدر آباد کی یہ بہت ہی بڑی خوش قسمتی ہے۔ کہ ان کو ایک ایسا شفیق تاجدار ملا ہے۔ جو عام حکمرانوں کی طرح محض مفادِ حکومت ہی سے سروکار نہیں رکھتا۔ بلکہ ایک دردمند باپ کی حیثیت سے اپنے بچوں کے اخلاق و اطوار کی درستی میں بھی کوشاں رہتا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ نوجوانانِ حیدر آباد دکن اعلیٰحضرت کے اس فرمان سے متنبہ ہو جائیں گے۔ اور اعلیٰحضرت کو ان کے خلاف کوئی زیادہ شدید تدبیر اختیار نہ کرنی پڑے گی۔

مذہبی رواداری:۔ حیدر آباد دکن (بذریعہ ڈاک) نواب اختر یار جنگ بہادر ناظم شعبہ امور مذہبی کے عہد ملازمت میں توسیع پر ہدیہ مبارکباد پیش کرنے کو شری پنڈ دی ناتھ ٹیمپل کی مجلس انتظامیہ کی طرف سے مندر کی عمارت میں ایک شاندار پارٹی دی گئی۔

مسٹر امبہ داس ٹیمپل کمیٹی کے صدر نے نواب صاحب کی خدمت میں اڈریس پیش کیا۔ جس میں کمیٹی اور شری پنڈدی ناتھ ٹیمپل کے پوجاریوں کی طرف سے اعلیٰحضرت شہریارِ دکن کی ذات اقدس کے ساتھ اظہارِ وفاداری کیا گیا تھا۔ نیز نواب اختر یار جنگ بہادر کمیٹی کی شکایات کو غیر متعصبانہ و ہمدردانہ طریقہ سماعت کرنے اور ان کو دور کرنے کی سعی فرماتے رہتے ہیں اس کے لئے نواب صاحب کا شکریہ ادا کیا گیا۔

حال ہی میں شری گوپال کرشن ٹیمپل بخشی گنج میں جو مورتیاں کسی مجہول نامعلوم شخص نے توڑ دی تھیں . . . . ہر مذہب کی محافظ اور ہر مذہب کے ساتھ رواداری رکھنے والی ریاست ابد مدت حیدر آباد کی حکومت نے مورتیوں کے توڑے جانے سے تین روز کے اندر اندر ان کی جگہ دوسری مورتیاں رکھا دیں۔ در اصل موقع پر مندر کو جو نقصان پہنچا تھا۔ اس کی بھی حکومت کی طرف سے تلافی کر دی گئی۔ حکومت نظام کی طرف سے ہندوؤں کی اس دلداری کا ایڈریس میں ذکر کیا گیا تھا۔

سپاسنامہ کے آخر میں حیدر آباد کے شعبہ امور مذہبی کی اس شاندار رواداری کا اظہار کیا گیا تھا۔ جو وہ ہندوؤں کے مندر اور دوسرے معابد کی خبر گیری میں برتتا ہے۔

نواب اختر یار جنگ کا جواب

سپاسنامہ کے جواب میں نواب اختر یار جنگ بہادر نے محولہ بالا واقعہ کی تفتیش کے سلسلہ میں سربرآوردہ ہندوؤں

پرسٹل کمیشن اور اسکی سفارشات کا ذکر کیا۔ نیز آپ نے اعلیحضرت شہریار دکن کے فرمان سے مندرجہ ذیل عبارت نقل کی۔

"کوئی مہذب حکومت اپنی رعایا کے کسی طبقہ کی مذہبی رسومات میں اس وقت تک ہرگز مداخلت کرنا پسند نہ کرے گی۔ جب تک کہ ان مذہبی رسوم کی ادائیگی سے کسی دوسری جماعت کے مذہبی جذبات کو ٹھیس لگتی ہو۔ یا امن عامہ میں خلل پڑنے کا اندیشہ ہو۔ کیونکہ ایسی مذہبی تقریبات کو روک دینا حکومت کا فرض ہو جاتا ہے"

آخر میں نواب صاحب نے سندر کی مجلس انتظامیہ کی طرف سے پیشکش سپاسنامہ اور اپنے خیر مقدم کا شکریہ ادا کیا۔ اور فرمایا کہ مجھے پوری توقع ہے کہ ہندو رعایا اور میرے محکمہ امور مذہبی کے مابین جو خوشگوار تعلقات قائم ہیں۔ وہ ہمیشہ ایسے ہی خوشگوار رہیں گے۔

اعلیحضرت خلد اللہ ملکہٗ کے ایک تازہ فرمان میں پولیس کو ہدایت کی گئی ہے۔ کہ وہ اس کی تعمیل کے لئے پوری کوشش کرے۔ اور ان کی خلاف ورزی پر قانونی طاقت استعمال کی جائے۔

حضور نظام نے فرمایا۔ کہ بعض مسلمان مذہبی گیتوں کو ریاست میں بہت بے موقع اور بغیر دیگر لوازمات کو پورا کئے گانے کے عادی ہیں۔ ہم ایسے گیتوں کو حکماً منع کرتے ہیں۔ کیونکہ ایسے بے موقع مذہبی گیت بجائے فائدہ کے نقصان دہ ہیں۔ ایسے گیت صحیح موقع پر اور دیگر ضروری رسومات کو پورا کرنے کے بعد گائے جانے کی اجازت ہو سکتی ہے۔

فرمان میں یہ بھی بتایا گیا ہے۔ کہ گذشتہ رمضان مبارک میں ہوٹلوں میں لوگ روزہ کا وقت گذارنے کیلئے گویوں سے گانا سنتے رہے ہیں۔ جو کہ روزہ کی غرض و غائت کے بالکل برعکس ہے۔ اور اکثر لوگ رات کو سنیما اور تھیئٹر دیکھنے کے لئے جاتے رہے ہیں۔ اور اس طرح رات کی نماز (نماز تراویح) کو ترک کرتے رہے ہیں۔ یہ افعال قبیحہ قابل مذمت ہیں۔ میں اپنی رعایا کو متنبہ کر دینا چاہتا ہوں۔ کہ ایسے افعال عبادت کے سراسر منافی ہیں۔ اور ان کا ارتکاب ناقابل برداشت ہے۔ ایسے ماہ مبارک میں جو کہ صرف عبادت کے لئے مقرر کیا گیا ہے۔ اس قسم کا عیش نہیں ہونا چاہیئے۔ البتہ عید کے روز ایسی خوشیوں میں حصہ لیا جا سکتا ہے۔

حکم دیا گیا ہے۔ کہ اس قسم کی عادات کو فوراً بدل دینا چاہیئے۔ اور ریاست کے ہر مسلمان پر لازم ہے۔ کہ وہ احکام شریعت کی پوری پابندی کرے۔ اور اس عظیم الشان اسلامی حکومت کی شان کو برقرار رکھے۔

چھ لاکھ کا شاہانہ عطیہ

قارئین کرام کو معلوم ہے۔ کہ جامع مسجد اقصیٰ یعنی عربی کی مجوزہ عظیم الشان یونیورسٹی کے قیام میں مسلمانوں سے استمداد کے لئے صاحب السعادت محمد علی پاشا سابق وزیر مصر مع جلیل سید

ضیاء الدین صاحب طبا طبائی سابق وزیر اعظم ایران اور حضرت مفتی اعظم فلسطین عنقریب ہندوستان تشریف لانے والے ہیں۔ ہمیں اخبار "عادل" دہلی سے یہ معلوم کرکے بے انتہا مسرت ہوئی کہ سلطان العلوم اعلیٰ حضرت شہر یار دکن نے جامعہ اقصیٰ کے سرمائے میں چھ لاکھ روپے کا عطیہ دینا منظور فرمایا ہے۔ اور یہ رقم وفد مذکور کو ہندوستان ہی میں ادا کردی جائے گی۔

اعلیٰحضرت شہر یار دکن کی علمی و اسلامی فیاضیاں ہندوستان اور دنیائے اسلام سے صدہا دفعہ خراج تحسین وصول کرچکی ہیں۔ اور تمام دنیائے مشرق میں اعلیٰحضرت کی ذات سے مسلمانانِ ہند کی عزت و حرمت قائم ہے ہمیں یقین ہے۔ کہ ہندوستان کے اس "سب سے بڑے مسلمان" نے جامعہ اقصیٰ کی امداد کرنے میں جو عظیم الشان مثال قائم کردی ہے۔ وہ تمام مسلمان والیانِ ریاست مسلمان تجار مسلمان شرفا اور عوام کے لئے چراغ راہ بنے گی۔ اور حضرت مفتی اعظم اس ملک سے یقیناً بامراد واپس جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ اس اولوالعزم اس تاجدار اسلام کو مدت دراز تک مسلمانوں کے سر پر قائم رکھے۔ کیونکہ اسی کے دم سے مسلمانان ہند اسلامی قوموں میں سربلند و ممتاز ہیں ؛

علمی فیاضی:۔ صحائف دکن سے یہ معلوم ہوا ہے۔ کہ اعلیٰ حضرت شہر یار دکن خلد اللہ ملکہٗ و سلطنتہٗ نے ماہ محرم الحرام ۱۳۵۲ھ سے خواجہ حسن نظامی کا دو سو روپیہ ماہوار وظیفہ تاحین حیات مقرر فرمایا ہے۔

ریذیڈنسی اعلیحضرت کے ظل عاطفت میں

پرانے زمانے میں حیدرآباد دکن کے ریذیڈنٹ بلارم میں رہا کرتے تھے۔ جب کبھی تاجدار دکن کی حضور میں باریابی کے لئے حیدرآباد آنا پڑتا۔ انہیں ضرورت محسوس ہوتی کہ کسی خاص مکان میں قیام کریں۔ وہاں ذرا سستا کر لباس تبدیل کریں۔ اور پھر پورے آداب و رسوم کو ملحوظ رکھ کر باڈی گارڈ کے ساتھ آستانہ معلیٰ پر حاضر ہوں۔ اس ضرورت کو محسوس کرکے ایک مکان ریذیڈنٹ کو کرائے پر دیدیا گیا۔ لیکن رفتہ رفتہ وہی ریذیڈنٹوں کا مستقل مستقر بن گیا۔ بس پھر کیا تھا حفاظت کے لئے باڈی گارڈ بھی آگیا۔ دفتر پیشی بھی یہیں منتقل ہوگیا۔ اور آہستہ آہستہ اس مکان کے گرد مختصر سی آبادی ہوگئی۔ یہاں تک کہ اس علاقے کے نظم و نسق کے لئے پولیس اور عدالت کی ضرورت محسوس ہوئی۔ غرض رفتہ رفتہ ریذیڈنسی بازار کا علاقہ ایک مستقل برطانوی علاقہ قرار پاگیا جس میں برطانوی حکومت کے قوانین نافذ تھے۔

اعلیحضرت میر عثمان علی خاں بہادر کے عہد مبارک میں جہاں اور بہت سی ترقیات ہوئیں۔ وہاں سب سے بڑی برکت یہ ہے۔ کہ حکومت دکن کو ریذیڈنسی بازار سکندرآباد چھاؤنی اور صوبہ برار کے استرداد کا خیال پیدا ہوگیا۔ چنانچہ ان کے لئے حکومت برطانیہ سے گفت و شنید کا سلسلہ شروع کردیا گیا۔ جس کا پہلا نتیجہ یہ ہے۔ کہ حکومت برطانیہ نے ریذیڈنسی

بازار کا علاقہ اعلیٰحضرت کو واپس دیدیا۔ اب وہاں برطانوی افسروں کے بجائے حیدرآبادی حکام کا تسلط ہے تمام اہل دکن اس استرداد پر خوشیاں منا رہے ہیں۔ اور خود رزیڈنسی بازار کے رہنے والے اعلیٰ حضرت کے ظل عاطفت میں آجانے پر اپنے گھروں کی چھتوں پر چراغاں کر رہے ہیں۔

خدا کا شکر ہے۔ کہ اعلیحضرت کی سیاست صحیحہ کی وجہ سے یہ داغ دامن حکومت پر سے دُھل گیا۔ ہمیں تفصیل سے معلوم نہیں ہوا۔ کہ استرداد رزیڈنسی کن شرائط پر ہوا ہے۔ اور اعلیحضرت کا قبضہ اس پر مکمل ہے یا نہیں۔ خدا کرے اب کوئی کسر باقی نہ ہو۔ اور رعایائے دکن اور مسلمانان ہند اس پر دل کھول کر اظہار مسرت کر سکیں۔

بہرحال ہم اعلیحضرت شہریار دکن اور ان کی حکومت کو اس کامیابی پر دل سے مبارکباد دیتے ہیں۔ اور ہماری دعا ہے کہ جس طرح رزیڈنسی بازار حضور کو واپس مل گیا ہے۔ اسی طرح سکندرآباد چھاونی اور صوبہ برار کا استرداد بھی جلد سے جلد عمل میں آجائے۔ ۴ مئی کو تقریب مسرت منائی گئی۔ اور یادگار کے طور پر خاص و عام دفاتر میں تعطیل کی گئی۔

۴ مئی کے جریدہ میں اس امر پر کافی بحث کی گئی ہے۔ کہ ریاست میں ایسے سیاسی جلسے منعقد کرنے کے متعلق جن کا قلمرو آصفیہ کی مختلف جماعتوں کے تعلقات اور امن عامہ پر برا اثر پڑتا ہو۔ یا ان میں حکومت نظام یا برطانوی حکومت ہند کے نظم ونسق پر نکتہ چینی کرنی مقصود ہو۔ تو ان کے انعقاد سے پہلے حکومت سے اجازت لینی ضروری ہوگی جریدہ غیر معمولی میں یہ بھی لکھا ہے۔ کہ غیر سیاسی اجتماعی و مذہبی نوعیت کے جلسوں کی ہر وقت اجازت ہے۔ نیز حکام متعلقہ کو حکم دیا گیا ہے۔ کہ اجتماعی، مذہبی و غیر سیاسی جلسوں کے انعقاد کے متعلق جلد سے جلد اجازت دی جائے۔ اور کوئی غیر ضروری رکاوٹ پیدا نہ کی جائے۔ جریدہ میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے۔ کہ اب تک صرف ایک ایسا موقع پیدا ہوا ہے کہ جلسے منعقد کرنے کی اجازت سے انکار کیا گیا ہے۔ اور اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ کہ سرکاری افسر حکومت کے احکام سے روگردانی کر رہے ہیں۔

غربا نوازی: حیدرآباد دکن میں ایک سٹی امپروومنٹ بورڈ قائم ہے۔ جس کا کام یہ ہے۔ کہ شہر کی تحسین و تزئین کی تدابیر پر عمل پیرا رہے۔ اس سے پہلے بورڈ نے غربا کے کثیف و غلیظ مکانات کو ان سے خرید کر منہدم کر دیا۔ اور ان کی جگہ صاف ستھرے مکانات بنکر انہی کو کرایہ پر دے دیئے۔ اب بورڈ نے ایک اور نہایت مفید سکیم پر عمل شروع کیا ہے۔ غریب اور متوسط الحال لوگوں کو مکانات بنوا کر دینا اور اقساط سے ان کی قیمت وصول کرنا مہذب و متمدن ملکوں میں نہایت مقبول ہو رہا ہے۔ بورڈ نے قرار دیا ہے۔ کہ جس شخص کو مکان کی ضرورت ہو۔ وہ ایک درخواست دے جس کی منظوری پر مکان کی لاگت کا دسواں حصہ اس سے وصول کیا جائیگا۔ اور اس کے بعد بورڈ خریدار کی ضرورت کے مطابق مکان اپنے صرف سے بنوا دیگا جب تک مکان مکمل ہو کر خریدار کے سپرد نہ ہو جائیگا۔ اس سے کوئی سود

وصول نہ کیا جائے گا۔

اس کے بعد زمین اور مکان کی پوری لاگت پر پانچ فیصدی سود لگایا جائیگا۔ اور ماہانہ اقساط مقرر کر دی جائینگی ایک قسط کی مقدار لاگت کا تقریباً ایک سو بیسواں حصہ مقرر کی جائے گی۔ اور جوں جوں قسطیں ادا ہوتی جائیں گی۔ اسی حساب سے سود بھی کم ہوتا جائیگا۔ اگر کسی مرحلے پر خریدار یکمشت رقم دے کر مکان کو خرید لینا چاہے۔ تو بورڈ اسکی اجازت دے دیگا۔ اور اگر وہ خریدنے کی استطاعت نہ رکھتا ہو۔ تو اسے اختیار ہے۔ کہ اقساط باقاعدہ ادا کرتا چلا جائے تاآنکہ لاگت مع سود کاملاً ادا ہو جائے۔

اس سکیم میں ایک شرط نہائت اہم ہے۔ کہ کسی ایک شخص کو اس سسٹم کے مطابق ایک مکان سے زیادہ مہیا کر نہ دیئے جائیں گے۔ اگر خریدار یا اس کے ورثا پسماندگان مسلسل تین ماہ تک قسط کی ادائیگی سے غفلت کریں گے۔ تو مکان پر بورڈ کا قبضہ ہو جائیگا۔ جو خریدار کو اس کی ادا کردہ اقساط میں سے پچاس فیصدی رقم واپس کر دیگا۔ اور باقی پچاس فیصدی رقم بورڈ کے سرمائے میں منتقل ہو جائے گی۔

حیدرآباد دکن کی یہ سکیم یقیناً اس قابل ہے۔ کہ ہندوستان بھر کے بڑے شہروں میں اس کی تقلید کی جائے اس سے ایک تو شہروں کے ناصاف اور کثیف حصے غائب ہو جائیں گے۔ دوسرے کم استطاعت افراد کرائے کی گرانباری سے نجات پا جائیں گے ؂

ہدیہ تشکر

وزیر تعلیم بہاولپور کا عطیہ فخر قوم لفٹنٹ کرنل قریشی مقبول حسن صاحب ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی علیگ وزیر تعلیم دولت عباسیہ نے جیب خاص سے مبلغ پچیس روپے کا عطیہ القریش کیلئے ارسال فرما کر اپنی معارف نوازی و علمدوستی کا ثبوت دیا ہے جزاھم اللہ احسن الجزاء۔

ایک اور کرم فرما خریدار نمبر ۲۳۴۱ (اظہار نام کی اجازت نہیں) آپکی امداد و اعانت کا سلسلہ بفضل خدا لامتناہی ہے گذشتہ چند سال سے وقتاً فوقتاً آپ القریش کی زر نقد سے دستگیری کر رہے ہیں۔ امدادی رقوم بیس روپے سے کبھی کم نہیں ہوئیں۔ عموماً پچاس سو اور اسی روپے یکمشت ارسال فرما کر فراخ دلی کے ساتھ قومی حمیت کا عملی ثبوت دیتے رہے ہیں۔ غالباً وسط مارچ میں اسی روپیہ کا چیک آپکی طرف سے موصول ہوا تھا۔ اور کل بیس روپے کی رقم بذریعہ منی آرڈر موصول ہوئی ہے۔ قوم میں اگر آپ ایسے پانچ دس مخیر و فیاض حضرات موجود ہوں اور حسب مقدور ثروت صاحب کو آپکا سا دل عطا ہوا ہو۔ تو القریش کی مالی تکالیف کا سد باب کچھ مشکل نہیں۔

بمصداق من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ ہم ان حضرات کی توجہ فرمائی پر ہدیہ تشکر پیش کرتے ہیں۔ اور دعا ہی ہیں۔ کہ خدائے برتر و توانا انکا حامی و مددگار ہو۔ اور عمر و اقبال میں برکت دے۔ آمین ثم آمین ؂

واقعات و حوادث

زندہ قوموں کے احساسات

ہندؤوں میں ہمیشہ ایسے فیاض اور اولوالعزم اشخاص پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ جو عمر بھر اپنی ذاتی محنت و قابلیت سے لاکھوں کی جائداد پیدا کرتے ہیں۔ اور آخر میں اس جائداد کو اپنی قوم کے مفاد کیلئے وقف کر جاتے ہیں۔ جس سے قوم ہمیشہ فائدہ اٹھاتی ہے۔ سردار دیال سنگھ مجیٹھا نے اپنی بہت بڑی جائداد قوم کو دیدی۔ اور آج "ٹربیون" دیال سنگھ کالج۔ دیال سنگھ ہائی سکول۔ دیال سنگھ لائبریری اس مخیر اور فیاض بزرگ کی یاد کو تازہ کرنے کے علاوہ ہندؤوں کے لئے بے شمار فوائد کا موجب ہیں۔ اور پھر اس وقف کی آمدنی سے نئی جائدادیں پیدا کی جا رہی ہیں۔ اور اسطرح اس خیر جاریہ کا دائرہ روز بروز وسیع تر ہوتا چلا جا رہا ہے۔

چند سال ہوئے سر گنگا رام آنجہانی ایک بہت بڑی جائداد ہندو قوم کیلئے وقف کر گئے۔ جس سے ہندؤوں کے بے شمار تعلیمی اور معاشرتی فائدے وابستہ ہیں۔ شہر میں ایک سر گنگا رام ہسپتال ہے۔ سر گنگا رام گرلز سکول ہے۔ اور اسی قسم کے متعدد ادارات قائم ہیں۔ جن سے ہندو فائدہ اٹھا رہے ہیں۔ حال ہی میں اخبارات نے اعلان کیا ہے۔ کہ انبالہ کے مشہور ساہوکار اور کارخانہ دار رائے بہادر لالہ بنارسی داس نے اپنی لاکھوں کی جائداد جس میں تیل اور روئی اور برف اور آٹے کے کارخانے۔ مکانات۔ گودام اور دکانیں شامل ہیں۔ اور جن کی مالیت تخمیناً سات لاکھ روپیہ کی ہوگی۔ ہندو قوم کے مفاد کیلئے وقف کر دی ہے۔ جس کیلئے عنقریب ایک ٹرسٹ قائم کر دیا جائیگا۔

یہ صرف وہ اوقاف ہیں۔ جو اسوقت موجود ہیں۔ اور جن کا ہم کو علم ہے۔ ان کے علاوہ صوبے بھر میں اور بہت سی جائدادیں بھی ہوں گی۔ جو وقتاً فوقتاً مخیر ہندؤوں نے اپنی قوم کیلئے وقف کی ہیں۔ اور جن کی مجموعی مالیت خدا جانے کتنے کروڑ تک پہنچتی ہوگی۔ جس قوم کے دولت مند افراد کی قومی درد مندی کا یہ حال ہو۔ وہ اگر دنیا میں روز بروز خوشحالی اور سربلندی حاصل کرتی چلی جائے۔ تو اس میں تعجب کی کونسی بات ہے۔ مسلمانوں میں اول تو اتنے بڑے بڑے اہل ثروت ہی نہیں ہیں۔ اور اگر چند افراد موجود بھی ہیں تو وہ پرلے درجے کے نفس پرست۔ خود غرض۔ مسرف اور عیاش ہیں۔ جن کو قوم کے مفاد سے کوئی واسطہ نہیں۔ وہ اپنی جائدادوں کو شاہدان بازاری کے نام منتقل کرا دینے پر تو آمادہ رہتے ہیں۔ لیکن غریب مسلمانوں کی امداد۔ مفلس مسلمان طلباء کے وظائف یا مفید اسلامی ادارات کی اعانت کیلئے ایک روپیہ نکالتے ہوئے بھی انکی جان نکلتی ہے۔ اور پھر تماشا یہ ہے۔ کہ دن رات مسلمانوں کی بے حسی کا ماتم کیا جاتا ہے۔ اور ذی ثروت مسلمانوں کو کوئی نہیں پوچھتا۔ کہ تم جس خزانے پر سانپ بنے بیٹھے ہو۔ اس کا کوئی حصہ قوم کے لئے بھی ہے۔ یا نہیں۔ اگر مسلمانوں میں دیال سنگھ مجیٹھا اور سر گنگا رام جیسے چار آدمی بھی پیدا ہو جائیں تو تعلیمی ادارات کے لئے آئے دن چندے فراہم کرنے کی ضرورت کبھی پیش نہ آئے۔

انتہائے کفایت شعاری و سادگی

گوجرانوالہ میں یکم اپریل کو ایک شادی کی تقریب عمل میں آئی ہے۔ لڑکی والے نے یہ عہد کیا ہوا تھا کہ لڑکی کی شادی وہاں کرونگا۔ جو میری طرح قوم اور ملک کی تنگدستی و بیکاری کا خیال رکھکر تکلفات اور فضول اخراجات سے کنارہ کش رہے۔ چنانچہ ایک ہم خیال اس کو مل گیا۔ گوجرانوالہ گزٹ لکھتا ہے۔ کہ برات میں ہندو مسلمان اور سکھ معززین موجود تھے۔ لڑکی والوں کی طرف سے بھی سب فرقوں کے معززین نے استقبال کیا۔ لیکن برات کو پرتکلف ضیافت دینے کی بجائے صرف ایک ایک پیالی چاء اور ایک ایک کیک پیش کیا گیا۔ جس کو سب نے بخندہ پیشانی قبول کیا۔ ان لوگوں کے لئے جو گھر پھونک تماشہ دیکھ کر ایسی تقریبوں پر ہزار ہا روپے برباد کر دیتے ہیں۔ ایک نیک مثال قائم کر دی چاء پر صرف دو روپے خرچ آئے۔ لڑکی اور لڑکے والے دونوں مسلمان تھے ♦ (کشمیری)

مکافات عمل

پچھلے دنوں کانگڑہ کے قریب ایک گاؤں میں ایک مسافر فوت ہوا۔ اس کے حسن اخلاق اور شرافت نفسی کی وجہ سے وہاں کے لوگوں نے اس کی تجہیز و تکفین کر دی۔ کچھ دنوں بعد متوفی کے ورثا اطلاع پانے پر وہاں گئے اور لاش کو اپنے وطن علاقہ جہلم میں لانے کے لئے قبر کو کھودنا شروع کیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جوں جوں کھدائی ہوتی جاتی۔ قبر سے ایک فرحت افزا عطر بیز خوشبو برآمد ہوتی جاتی۔ حتیٰ کہ اس خوشبو کی مہک سے قرب و جوار کی آبادیاں معطر ہو گئیں۔ لوگ اس واقعہ سے متعجب تھے۔ اور خدائے قدیر کی حمد و ثنا کر رہے تھے۔ لاش اسی طرح تازہ اور عطر میں بسی ہوئی تھی۔ کہ سبحان اللہ اللہ اپنے نیک بندوں پر کیا کیا رحمتیں نازل کرتا ہے۔

انہی ایام میں دہلی میں عبدالغفور نامی ایک شخص فوت ہو گیا۔ بعد نماز جنازہ حسب دستور جب اسے سپرد لحد کر کے قبر بند کر دی گئی اور وہ عازم ہونے لگے تو اچانک قبر سے آگ کے دہشتناک شعلے اٹھنے شروع ہوئے۔ حاضرین نے بچشم خود اس واقعہ کو دیکھا۔ اور سہم گئے۔ بیان کیا جاتا ہے۔ کہ پانچ منٹ تک برابر شعلے اٹھتے رہے۔ جب آگ خود بخود بجھ گئی۔ تو قبر کو اور مٹی ڈال کر درست کر دیا گیا۔ اور لوگ سراسیمہ واپس آگئے۔ خدا کی شان دیکھئے۔ ایک قبر سے خوشبو اور روح افزا خوشبو اٹھتی ہے۔ اور وہ قرب و جوار کو معطر کر جاتی ہے۔ اور دوسری قبر سے آگ کے خونخوار شعلے نکلتے ہیں۔ جو حاضرین کے حواس خطا ہو جاتے ہیں۔ کیا جزا و سزا کے منکرین ان سے کچھ سمجھیں گے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

جنون عریانی

ایک صاحب جن کو اصرار ہے کہ فی الحال ان کا نام صیغہ راز میں رکھا جائے۔ اس تلاش میں ہیں۔ کہ کوئی بڑا باغ بمبئی کے مضافات میں مل جائے۔ جہاں ایک انجمن ننگوں کی قائم کی جائے۔ یہ صاحب (جیسا ظاہر ہے) دس سال جرمنی میں رہے ہیں۔ اور ان کا خیال ہے کہ یہ تحریک اخلاق کیلئے بھی مفید ہے اور صحت کیلئے بھی۔ وہ کہتے ہیں کہ جب لوگ ایک دوسرے کو ننگا دیکھنے کے عادی ہو جاتے ہیں۔ تو ان کے ہیجان میں بالکل کمی آجاتی ہے۔ اور صحت بھی بہت اچھی رہتی ہے۔ انہوں نے ایک مقالہ

روپے کی رقم اس سکیم پر صرف کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس تحریک کا لٹریچر بھی موصوف جرمنی سے ساتھ لائے ہیں جس کا ترجمہ کر کے ممبروں کو دیا جائیگا۔ اس لٹریچر کی ایک کتاب انہوں نے ادارۂ "ہلال" کو دکھلائی جس کے مضامین ادارۂ "ہلال" کے نقطۂ نظر سے بالکل لغو تھے۔ مگر وہ ان مضامین کے مداح تھے۔

جو باغ اس تحریک کیلئے لینے کا ارادہ ہے۔ اسمیں ایک چار دیواری بھی بنائی جائے گی۔ اور بے فکروں کی محفلیں بے شرمی و بے حجابی کی خوب ترویج و اشاعت کرینگی ٭

خود غرضی کے عواقب و نتائج

مہاراجہ صاحب الور کا جو کچھ حشر ہوا۔ وہ ظالم و جابر والیان ریاست کے لئے درس عبرت ہے۔ اگر مہاراج آغاز کار ہی میں خیر خواہوں کا مشورہ سنتے۔ اور خود رائی سے کام نہ لیتے۔ تو ان کو یہ روز بد دیکھنا نہ پڑتا کسی ہندوستانی والی ریاست کا اپنی حکومت سے یوں بے دخل کر دیا جانا اور ریاست پر انگریز افسروں کا مسلط ہو جانا کسی ہندوستانی کیلئے بھی خوشگوار منظر نہیں۔ لیکن "خود کردہ را علاجے نیست" اگر والیان ریاست حکومت انگریزی کو اس قسم کا موقع ہی نہ دیں۔ تو کبھی ایسی صورت پیش نہ آئے۔ مہاراجہ صاحب نے ایک طرف مسلمانان ریاست پر ایسی سختیاں شروع کر دیں جن سے اشتعال پیدا ہونے کے سوا ریاست کو کوئی فائدہ نہ پہنچ سکتا تھا۔ مثلاً مکاتب قرآن کی بندش یا مسجدوں اور مقبروں پر ریاست کا قبضہ مہاراج کے خزانے کو معمور نہیں کر سکتا تھا۔ اور ان کے وقار و اقتدار میں اضافہ کا باعث نہ ہو سکتا تھا۔ انہوں نے خواہ مخواہ مسلمانوں کو پریشان کیا۔ اور جب مسلمانوں نے اس بے جا تشدد کے خلاف آواز بلند کی۔ تو ان کی پکڑ دھکڑ شروع کر دی۔ اور اس دارو گیر کو اس حد تک خوفناک بنا دیا۔ کہ مسلمانوں نے اپنی عافیت کو خطرے میں دیکھ کر ریاست سے ہجرت شروع کر دی جب اس مسئلہ کے متعلق انجمن تبلیغ الاسلام انبالہ اور وزرائے ریاست الور کے درمیان سمجھوتہ ہونے لگا۔ تو مہاراجہ صاحب نے اپنے فیصلوں کو ٹھکرا کر انہیں بھی ذلیل و رسوا کرایا۔ اور اپنے لئے بھی مزید مشکلات کا سامان پیدا کیا ریاست کی کاشتکار آبادی پہلے ہی سے سخت مصائب جھیل رہی تھی۔ موجودہ بدحالی نے زمینداروں کو بالکل ہی مایوس کر دیا۔ وہ ریاست کا مالیہ (جو سرکاری علاقے کے مالیہ سے پانچ گنا ہے) ادا نہ کر سکے۔ اور انہوں نے ریاست میں مظاہرے شروع کر دیئے۔ اس پر بجائے اس کے کہ مہاراجہ صاحب معافی مالیہ یا دوسری رعایات کا اعلان کرتے۔ آپکے حکام نے گوبند گڑھ میں نہایت بیدردانہ و سفاکانہ گولی چلائی اور بہت سے بے گناہ میواتیوں کو خاک و خون میں لٹا دیا۔

حالات یہاں تک خطرناک ہو گئے۔ کہ حکومت انگریزی کو اپنی فوج الور میں بھیجنی پڑی۔ اس کے بعد بعض انگریز حکام کو بھی متعین کرنا پڑا۔ تاکہ وہ غیر جانبدارانہ طریق پر حالات کو درست کرنے کی کوشش کریں۔ اگر اسوقت بھی مہاراجہ صاحب کسی قدر دانی اور ہوشمندی سے کام لیتے تو کچھ مدت کے بعد انگریز افسر واپس بلا لئے جاتے لیکن آپنے اور آپکے سنگھٹنی پٹھوؤں نے ریاست کے اندر ہندو مسلم کشمکش پیدا کرنے کی سازش کی جسکا مقصد ایک تو یہ تھا کہ مسلمانوں کی سرکوبی کی جائے۔ دوسرا مطلب یہ تھا کہ انگریز ہو کر بدنام ہو کر نکل جائیں۔ بقیہ صفحہ

اسلام کی علوم نوازیاں

(نوشتہ ملک غلام فرید صاحب)

یورپ میں حقیقی نشاۃ ثانیہ عربوں اور موروں کی علوم نوازی کے زیر اثر وقوع پذیر ہوئی نہ کہ پندھویں صدی کے ماتحت یورپ ایک طفل نوزاد تھا۔ اور اسکا گہوارہ ہسپانیہ تھا نہ کہ اطالیہ۔ بربریت میں متواتر ڈوبتے ڈوبتے یورپ جہالت و ادبار کی تاریک ترین گہرائیوں تک جا پہنچا تھا۔ بحالیکہ مشرقی دنیا کے بلاد قاہرہ اور بغداد قرطبہ اور طالود تہذیب اور علمی سرگرمی کے مرجع و منبع تھے۔ وہ نئی روح جس نے آئندہ ارتقائے انسانی کے ایک نئے قالب میں جلوہ گر ہونا تھا۔ یہیں سے پھونکی گئی۔ جس دن سے کہ مسلمانوں کا ذوق علمی عالم شہود میں آیا۔ ایک نئی زندگی کے آثار نمودار ہونے لگے۔ (از کتاب تخلیق انسانیت)

مدینۃ الرسول میں علم و عرفان کے چشمے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تحصیل علم کو مسلمانوں کا مقدس فرض قرار دیا تھا۔ آپ نے فرمایا تھا۔ کہ جو طلب علم میں اپنا گھر بار چھوڑتا ہے وہ خدا کی راہ میں چلتا ہے۔" آقا کا یہ فرمانا تھا کہ خدام کے قلوب تمنائے علم سے گرما گئے۔ اور ہم دیکھتے ہیں۔ کہ باوصف ان زلازل کے جو آغاز خلافت میں عرب قوم پر وارد ہوئے۔ اسلام کے دار الحکومت میں ابتدا بھی علوم و فنون کی طرف سے کوئی بے اعتنائی نہیں برتی گئی۔ حضرت علیؓ اور آپ کے بنی عم حضرت ابن عباسؓ علم شعر صرف نحو تاریخ و ریاضی پر مجمع عام میں تقاریر فرمائیں۔ اور دیگر اصحاب فن قرأت و ترتیل کے استاد بنے۔

فلسفہ و طب کی درسگاہیں جو نسطوریوں نے اڈیسہ اور نصیبین میں قائم کی تھی۔ سنین ہجری کی ابتدائی دہائیوں میں ہی ٹوٹ چکیں تھیں۔ پس وہاں کے حکماء متعلمین نے مدینہ کی راہ لی۔ مدینۃ الرسول میں ہر قسم کے دل و دماغ مجتمع تھے۔ جنہوں نے مسلمانوں میں تحصیل سائنس و ادبیات کی ایک لہر پیدا کر دی۔ اور طلب علم کی ایک غیر معمولی رو مدینہ سے جانب دمشق بہ نکلی۔ جہاں صرف نحو اور علم اللسان کا شغف در پیش رہتا۔ فلسفہ یونان و دیگر علوم کی تدریس ہوتی۔ تالیفات ارسطو جالینوس و بطلیموس کے تراجم کئے جاتے۔ اور مشہور مصنف خالد بن یزید نے الکیمیا پر کتابیں لکھیں۔

تاہم دوسری صدی میں جا کر علمی و ادبی سرگرمیاں پورے طور پر مسلمانوں میں شروع ہوئیں۔ اور اسکی خاص وجہ محرک عربوں کا شہروں میں سکونت پذیر ہونا تھا۔

وادیٔ فرات میں علوم و فنون کی شادابی

فرات کی سرسبز و زرخیز وادی جو مغربی ایشیا کے دو بڑے دریاؤں سے سیراب ہوتی ہے۔ قدیم الایام سے فیامگاہ سلطنت اور مرکز علم چلی آتی ہے۔ اسی ملک میں بابلی اور سلجوقی خاندان یکے بعد دیگرے ابھرے۔ یہیں بر لب دجلہ بغداد کی بنا ڈالی گئی۔ جو صدیوں اسلام کا دار الحکومت رہا۔ میسور صاحب کا قول ہے۔ کہ اس شہر میں ہر حسد خیال کے عالم و عقل اگر جمع ہوتے تھے۔ اسی شہر میں عام بلاد شعر، قانون اور نیز طب سائنس، موسیقی اور دیگر فنون کی سلاطین عباسیہ شاہانہ اور مربیانہ قدر دانی فرماتے

تھے۔ اس بستی میں قرآن شریف کے پہلو بہ پہلو فلسفہ قدیم سائنس ریاضی او تصانیف جالینوس ڈائکورائیڈس ارسطاطالین و بطلیموس کا سیر و مطالعہ ہوتا تھا۔ ایسے وقت میں جب عیسوی یورپ جہالت و بربریت کی تاریکی میں سرگرداں تھا اور غالی عیسویت سائنس و فلسفہ کا قلع قمع کر رہی تھی۔

ہندوستان اور چین مدت مدید سے خواب غفلت میں پڑے سو رہے تھے۔ اور شرقیین کے ایک طرف جواں طلب یونان و روما کے بے بہا خزائن تھے۔ اور دوسری طرف ایران کے زر و جواہر۔ پس انہی کے لئے مقدر میں مقرر تھا۔ کہ وہ اپنی ہمہ گیر ذہانت اور مرکزی حالت کے باعث نوع انسانی کے استاد بنیں۔ مشرق میں بغداد اور مغرب میں قرطبہ دو بڑے مرکز تھے جہاں سے انہوں نے دنیا کے دور ترین کناروں کو نور علم سے منور کر دیا۔

عباسیوں کا عہد ایجادات و اختراعات

علماء و فضلا جو عباسیوں کے زمانے میں رونق افروز ہوئے۔ ان کا ذکر کئی مجلدات چاہتا ہے سہل اور احمد بن محمد نہاوندی عرب کے نہائت قدیم منجموں میں سے ہیں۔ انہوں نے منصور کا زمانہ سلطنت پایا احمد نے اپنے ذاتی مشاہدات کی بنا پر نجوم کا ایک نقشہ تیار کیا جس کا نام مستعمل ہے جو یونانیوں اور ہندیوں کی معلومات میں ایک یقینی اضافہ تھا۔ منصور کے زیر سایہ المجسطی مؤلفہ بطلیموس کا دوبارہ ترجمہ ہوا۔ اور مشہور منجموں سند بن علی یحیٰی بن ابی منصور اور خالد بن عبدالملک نے "نقشہ جات آزمودہ" تیار کئے۔ ان کے مشاہدات خط معتدل النہار، کسوف خسوف مظاہر ذو ذنابہ اور دیگر تغیرات سماوی سے متعلق تھے۔ نہائت بیش بہا اور علم انسانی میں معتدبہ اضافہ کرنے والے۔ الکندی نے مختلف مضامین مثل حساب، فلسفہ، مساحت، علم شہاب، ثاقب، علم بصر اور طب پر قریب دو سو کے کتب لکھیں۔ ابو معشر نے تغیرات مادی کے مطالعہ کو اپنے لئے مخصوص کیا۔ اور کتاب زیج ابی معشر ہمیشہ عالم نجوم کا ایک خاص ماخذ رہی ہے۔ موسیٰ ابن شاکر کے بیٹوں کے انکشافات جو سورج اور دیگر سماوی کی اوسط حرکت معلوم کرنے سے متعلق ہیں۔ یورپ کے تازہ ترین انکشافات کے لگ بھگ ٹھیک ہیں۔ ابوالحسن نے دوربین ایجاد کی۔ البطانی کا نجوم دانوں میں بڑا درجہ ہے۔ اسے شرقیین کا بطلیموس کہتے ہیں۔ اس کے نقشہ جات نجوم صدیوں یورپ میں علم نجوم کی بنیادی عمارت رہے ہیں۔ تاریخ علم ریاضی میں وہ حیثیت جیب ستوی اور تمام الجیب کا مخترع ہونے کے نہائت معروف ہے۔

صرف عباسی ہی علم و ہنر کے واحد مربی نہ تھے۔ بلکہ اوروں کے زیر سایہ بھی طبیبوں، ریاضی دانوں اور اہل نجوم کی ایک جماعت نے ترقی پائی۔ الکوہی کے انکشافات زمین البجدی گرمانی و خط معتدل النہار خزانی نے انسانی ذخیرہ علم میں بیش قدر اضافہ کیا۔ نجوم اور علم مثلث میں داخل کیا۔ اور بطلیموس کے نامکمل نظریہ قمری کو ترقی دی۔

بنی فاطمہ کا فیضان علم و حکمت

ادھر مصر میں بنی فاطمہ کے زیر سایہ قاہرہ علم و حکمت کا ایک نیا مرکز بن گیا۔ ابن یونس کے حالات سے اس ذہنی سرگرمی کا پتہ چلتا ہے جو قاہرہ کے اندر شعبہ علم میں برسرکار تھی۔ وہ اپنے زمانے کی ممتاز ترین ہستیوں میں سے تھا شاقول اور اسکی تھرتھراہٹ سے وقت کا اندازہ لگانا اسی کی ایجاد ہے۔ ابن یونس بباعث اپنی کتاب عظیم "زیج الاکبر الحاکمی" کے مشہور

ہے۔ جیسے اہل یونان و ایران اور اہل چین اور منگولوں نے بطور خود شائع کیا۔ ابن یونس کے انکشافات کو ابن النبدی اور نخرین نے جاری رکھا۔ مؤخر الذکر کی شہرت کا باعث اس کا انکشاف "انعکاس فضائی" ہے۔ وہ ایک ممتاز عالم بصر و مہندس تھا۔ بصارت کی اصلیت کے متعلق یونانیوں کے غلط خیالات کا اسی نے ازالہ کیا۔ اور پہلی بار اسی نے ثابت کیا۔ کہ روشنی کی شعاعیں بیرونی اشیاء سے آکر آنکھ پر پڑتی ہیں۔ آنکھ سے نکل کر بیرونی اشیاء سے نہیں ٹکراتیں، پردہ چشم کو اس نے بصارت کا مرکز قرار دیا۔ اور ثابت کیا کہ جو اثرات اس پر پڑتے ہیں۔ وہ براستہ اعصاب چشم دماغ تک لے جائے جاتے ہیں۔

ہسپانیہ کے انوار علمی

بباعث علوم مختلفہ یورپ ہسپانیہ کا شرمندہ احسان ہے۔ غرناطہ سوحل اور طلیطلہ مشہور علمی مرکز رہے ہیں۔ قرطبہ جسے "مطلع الانوار آفاق" کہا جاتا ہے یورپ میں تحصیل علم کا مرجع تھا۔

یورپ کے ہر حصے سے طلبا وہاں کے علماء سے پڑھنے آتے ہر شعبہ علم مثل طب، نجوم، جغرافیہ، کیمیا، تاریخ فطرت کا مطالعہ قرطبہ میں بڑے ذوق سے کیا جاتا۔ مذمین صاحب فرماتے ہیں۔ کہ "دنیا کے اس برگزیدہ گوشے میں ادب و سائنس کے مذاق کی پیروی نے دسویں صدی میں ہی ایک رواداری پیدا کر دی تھی جس کی مثال آج ملنی محال ہے۔ عیسائی، یہودی اور مسلمان ایک ہی بول بولتے ایک ہی گیت گاتے ایک ہی طرح کے علمی و ادبی مشاغل میں شریک ہوتے تھے۔ تمام روکیں۔ جو قوم قوم کے درمیان حائل تھیں مٹا دی گئیں۔ تہذیب اخلاق ایک مشترکہ مقصد تھا جس میں سب مل کر اور ہم نوا ہو کر مصروف کار رہتے تھے۔ حتیٰ کہ قرطبہ کی مساجد سائنس و فلسفہ کی تدریس کیلئے سرگرمیوں کا مرکز بن گئیں۔

یورپ کی سب سے پہلی رصدگاہ عربوں نے تیار کی۔ گیرالڈہ یعنی مینار سوحل بغرض مشاہدہ افلاک جابر بن عافیہ ایسے مشہور مہندس کے زیر اہتمام سنہ ۱۱۹۰ء میں تعمیر ہوئی۔ لیکن موروں کے اخراج کے بعد اسے گھنٹہ گھر بنا دیا گیا۔ ہسپانی اتنا بھی نہ جانتے تھے کہ اسکا مصرف کیا ہے۔ عمر بن خلدون ابن طارق مسلمہ المغربی اور مشہور ابن رشد ابن ماہور طبیبوں کے گروہ سے چند ایک ہیں۔ جو بارھویں صدی میں رونق ہسپانیہ رہی ہیں

محمود غزنوی کی سرپرستی علوم و فنون

مغربی افریقہ میں بھی ہسپانیہ مصر اور بغداد سے کچھ کم سرگرمی کا عالم نہ تھا۔ پھر محمود غزنوی ایسے مشہور بادشاہ کے تحت وسط ایشیاء کی بھی وہی حالت تھی۔ لین پول صاحب کا قول ہے کہ نپولین نے علم و ہنر کی بہترین متعلقین اپنے مفتوحہ ممالک سے لاکر پیرس کی زیب و زینت میں صرف کیں لیکن محمود اس پر گوئے سبقت لے گیا۔ کہ اس نے خود شاعروں اور صناعوں کو اپنے دربار میں زینت افروز کیا۔ اور دریائے جیحوں کے شہروں سے بحیرہ خضر کے کناروں سے ایران و خراسان سے مشرقی علوم کے چشم و چراغ علماء کو اس نے اپنی ملازمت میں کھینچ بلایا۔ اور با صرار لیکن بلا اکراہ انہیں آمادہ کیا۔ کہ محمود کے دربار فلک آثار کا طواف کریں جیسے سیارے سورج کا طواف کرتے ہیں: بیرونی مہندس، فلسفی، ریاضی دان، جغرافیہ دان، زائچہ نویس، محقق زبان سنسکرت اور علم کیمیا اور طبعیات میں صاحب تصنیف سبھی کچھ تھا۔ فارابی الفلسفی، عتبی مورخ اور بادشاہ کا معتمد خصوصی بیہقی یعنی مشرق کا مسٹر پیپے عنصری، فرخی، عسجدی پھر سب سے بڑھ کر فردوسی ایران کا ہیرو جس کے شاہنامے نے قدیم شاہان ایران کے بہادروں کو زندہ جاوید بنا دیا ہے۔ یہ وہ شخصیتیں تھیں جن پر محمود کی نظر تلطف رہتی۔ اور انہوں نے بھی اس کے عوض میں غزنی کو فاتحانہ جنگوں کی شہرت سے کہیں زیادہ نامور بنا دیا۔

ہلاکو کے غارتگر عساکر کے ہاتھوں بغداد کی تباہی نے مسلمانوں کے اس بڑے مرکز میں ان کے تمدن و تعلیم کو ایک جانکاہ صدمہ پہنچایا لیکن دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں جانے کیا جادو بھرا تھا کہ تیس سال سے کم عرصہ میں خود فاتح مفتوح بن گئے چنانچہ ہلاکو کا پوتا حلقہ بگوش اسلام ہوا پھر اس کے جانشین علوم کے بڑے مربی رہے۔ تیمور ایک مخلص مسلمان تھا۔ چودھویں صدی میں اس کے ہاتھوں ایشیا کے اندر ایک بڑی سلطنت وجود پذیر ہوگئی۔ تیمور سائنس اور شعر و سخن کا حامی تھا اپنے زمانہ کے عالموں اور ہنرمندوں کی صحبت کو دوست رکھتا تھا خود بھی صاحب تصنیف تھا۔ اور بحیثیت ایک قانون ساز اس کا رتبہ کچھ کم نہیں ہے۔ اس نے پر شکوہ درسگاہیں عالی شان مساجد وسیع کتب خانے سمرقند اور سلطنت کے دیگر بڑے بڑے شہروں میں قائم کئے۔

مسلمانوں کے کمالات علمی و فنی بخیالات ہمبولٹ طبیعیات کے اصل بانی مبانی عرب ہی ہیں علاوہ دیگر علوم کے علم النباتات اور علم طبقات الارض میں بھی مسلمانوں کے قابل ترین اشخاص مصروف کار رہے ہیں علم کیمیا بحیثیت ایک علم کے لاریب مسلمانوں کی ایجاد ہے نیز علم البدن، طب اور فن جراحی کو انہوں نے کمال تک پہنچا دیا۔ انہوں نے کیمیا دی دوا خانے جاری کئے۔ شفا خانے کھولے، الرازی ابن سینا۔ ابو القاسم خلف ابن عباس، ابن رشد، البیطار نہایت ممتاز طبیب ہو گذرے ہیں۔ جنہوں نے دنیائے تخیل پر ایسے نقش بٹھائے ہیں کہ مٹائے مٹ نہیں سکتے۔ اور ان کے نام یورپ کبھی بھلائے بھول نہیں سکتا۔ ابن سینا یقیناً اپنے زمانے کا قابل ترین شخص تھا۔ قدرت نے اسے ایک عالمگیر ادراک اور ہمہ گیر ملکہ تصنیف عطا کیا تھا۔ وہ فلسفی تھا ریاضی دان تھا۔ مہندس تھا، شاعر اور طبیب تھا۔ آج تک دو براعظموں پر اس کا سکہ جما ہوا ہے۔ اور بجا طور پر وہ مشرق کا ارسطو کہلانے کا مستحق ہے۔ طبعیات اور علم موجودات وغیرہ میں شفا اور طب میں ایک گرانقدر مجمع العلوم قانون اس کی اہم تصانیف ہیں۔

رابرٹ بری فالٹ رقمطراز ہیں کہ "ہمارا سائنس عربوں کی حیرت افزا انکشافات یا انقلاب انگیز قیاسات ہی کا مرہون منت نہیں۔ بلکہ حق یہ ہے کہ وہی اس کی ہستی کا باعث ہوئے ہیں۔

جدید سائنس کے موجد عرب ہی تھے معلوم رہے کہ قدیم زمانہ میں سائنس موجود نہ تھا۔ یہی اور ہند یونانیوں کیلئے ایک غیر ملکی درآمد تھی۔ اور یہ چیزیں یونانیوں کے مشاغل علمیہ میں پورے طور پر داخل بھی نہ تھیں۔ بیشک یونانیوں نے رابطے ضابطے کلئے اور نظریئے قائم کئے لیکن خاص مشیت علم کے حصول میں صابرانہ جدوجہد سائنس کے دقیق قواعد مکمل و مفصل مشاہدات تجربی تحقیق یہ باتیں یونانیوں کے عین خلاف طبعیت واقعہ ہوئی تھیں۔ قدیم شائستہ دنیا میں محض اسکندریہ میں سائنس کی کسی قدر تحقیقات کی گئی لیکن ہم جسے آج سائنس کہتے ہیں وہ یورپ میں ان چیزوں کے نتیجہ میں پیدا ہوئی یعنی تحقیق کی نئی روح تفتیش کے جدید ذرائع طریق تجربہ مشاہدہ پیمائش اور علم ریاضی کی اس حد تک ترقی یونانیوں کو میسر نہ تھی۔ یہ روح اور یہ طریقے عربوں کی بدولت یورپ میں داخل ہوئے کسی نے سچ کہا ہے کہ یورپ کے احیائے ثانی کی تاریخ لکھنی اور ان اثرات کا ذکر نہ کرنا جو تمدن عرب نے یورپ پر ڈالے یہ ایسی ہی عجیب بات ہوگی۔ کہ کوئی شہزادہ ڈنمارک کے سوانح سپرد قلم کرے اور ہملٹ کے ذکر کو حذف کر ڈالے۔

مسلمانوں کا فن تعمیر فن تعمیر میں مسلمانوں کے کمالات کسی بیان کے محتاج نہیں مغرب و مشرق میں انکی باقیات الصالحات قائم ہیں

جو آج تک دنیا سے خراج تحسین و آفرین وصول کر رہی ہیں۔ مشرقی فن تعمیر کس شان و شکوہ اور خوبی و برتری کا نقشہ اس مدعا کے ثبوت میں الحمرا ایک شاہد ناطق ہے۔ وہ یہی فن تھا جس نے غرناطہ کو " زینت عالم " اور قرطبہ کو " حسن آباد " بنا دیا تھا۔

بحالت موجودہ ویران فتح پور سیکری کی نسبت لین پول صاحب فرماتے ہیں۔ کہ ہندوستان کا پایہ ہی آئی ہے اور بلحاظ اپنے لاثانی اور پائندہ منظر کے ایک عجائب گھر جسے لطیف اور نزاکت پسند اوراک نے تعمیر کیا۔

پھر تاج محل کا تو ذکر ہی کیا کہ عظمت و شان میں دنیا کی کوئی عمارت اس کی ہمسر نہیں۔ کسی نے خوب کہا ہے۔ کہ یہ ایک طلسم خواب ہے۔ سنگ مرمر میں منقوش جسے ٹیٹنس نے تجویز کیا۔ اور جوہریوں نے بپایۂ تکمیل تک پہنچایا۔ اور بالفاظ زودفرانی " اس میں فقط ایک شیشے کے غلاف کی کسر باقی ہے۔

تاریخی تحقیق و تجسس بلحاظ تاریخی تحقیقات مسلمان دنیا کی نہایت ترقی یافتہ اقوام کے دوش بدوش ہیں۔ ان کے فن عمارت جغرافیہ اور علم النسل علم تاریخ ہی میں داخل تھے اور ان کے بہترین دماغ اس دلآویز شعبہ علم میں مشغول ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سوانح نگاری سے شروع کر کے انہوں نے تاریخ کو ایک مستقل علم کے درجے تک پہنچا دیا۔ نچلے درجے کے سوانح نویسوں سے قطع نظر مجھے یہاں چند ایک مشہور مورخین کی شاندار تصانیف کا ذکر مقصود ہے۔ مثلاً مسعودی، طبری ابن حبان، بیرونی، ابن البر، ابن کثیر، ابن خلقان، مقریزی اور ابن خلدون یہ لوگ محض مورخ ہی نہ تھے۔ بلکہ فلسفہ ریاضی اور جغرافیہ میں دستگاہ رکھتے تھے۔

مروج المذہب مسعودی کی تصنیف عظیم ہے۔ جس میں مورخانہ جوش تحقیق کی روح تمام واقعات پیش آمدہ یا شنیدہ کا انضباط، معنی خیز تجربے، فراخدلی، زمانہ حال و استقبال پر وسعت نظر مسعودی کے نمایاں جوہر ہیں مسعودی کو عرب کا ہیروڈوٹس کہتے ہیں۔ اور بجا کہتے ہیں۔

طبری جسے عرب کا لوی کہنا چاہیئے۔ تاریخ الرسول والملوک ایسی بزرگ تصنیف کا مصنف ہے۔ الکامل ابن اثیر کی شاندار تصنیف ہے۔ اور حق تو یہ ہے کہ اپنی طرز کی لاجواب کتاب ہے۔ ابن حزم فاضل ترین شخص تھا۔ وہ ہسپانی مسلمانوں میں سب سے زیادہ جدت طراز طبیعت اور اپنی ہمہ گیر ذکاوت اور گہرے علم کے سبب سے ان میں بلحاظ ممتاز اس کی نہایت قابل قدر تصنیف کتاب الملل والنحل ہے۔ بخیال سر ولیم جونس ابن خلکان کی تصنیف وفیات الاعیان بلحاظ ایک عام تذکرہ ہونے کے دنیا کی بہترین کتاب ہے۔ بیرونی کی مشہور تصنیف الآثار الباقیہ ہے لیکن اسلام کے سب سے بڑے محقق علامہ ابن خلدون ہیں۔ انکی عہد آفرین تصنیف کتاب العبر کے آغاز میں ایک مقدمہ ہے جو بجائے خود ایک ذخیرہ ہے۔ علم کا اور فلسفیانہ مباحث کا مقدمہ میں علامہ موصوف آغاز تمدن، ترقی تہذیب اور خاندانوں کے عروج و زوال کے اسباب پر بحث فرماتے ہیں اور علاوہ دیگر امور کے اس موضوع پر بھی آپ نے قلم اٹھایا ہے۔ کہ قومی چلن کی ساخت میں آب و ہوا کو کہاں تک دخل ہے علامہ موصوف یورپ کے وسطی اور موجودہ زمانہ کے بڑے مورخین میکیاولی وکو اور گبن کا پیشوا بجا طور پر سمجھے جاتے ہیں۔

اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَام

اَلنَّجَات

تیسرا باب

نجات ——— میں

(گذشتہ سے پیوستہ)

یہ ایک قاعدہ ہے جسے ایک معمولی سمجھ کا آدمی بھی صحیح کہہ سکتا ہے۔ کہ جب دو نقاط مفروضہ کے درمیان چند خطوط وصل کئے جائیں۔ تو بہرحال ان جملہ خطوط میں سے سیدھا خط ایک ہی ہوگا۔ اور باقی سب خط ٹیڑھے ہونگے۔ پس اگر اُن ٹیڑھے خطوط میں سے کوئی ایک خط یہ جھوٹا دعویٰ کرے۔ کہ میں ہی سیدھا چل رہا ہوں۔ حالانکہ اس کا رُخ شروع ہی سے سیدھا نہیں ہے۔ دوسرے نقطہ کی طرف چل پڑے۔ تو وہ نقطہ بالمقصود سے کوسوں دور جا نکلیگا اور ہرگز نقطہ مطلوبہ تک نہیں پہنچیگا۔ کیونکہ حقیقتاً اس نے اپنے رُخ کو شروع ہی سے دوسرے نقطہ بالمقابل کیطرف سیدھا نہیں کیا ہے۔ بلکہ اپنے غلط زعم کے مطابق ٹیڑھے رُخ کو سیدھا تصوّر کر لیا ہے۔ جو سراسر خلاف واقعہ اور غلط ہے ؎

ترسم نرسی بکعبہ اے اعرابی
کیں رہ کہ تو میروی بہ ترکستانست

اب ہم دو نقاط سے مراد خالق و مخلوق لیتے ہیں۔ ان دونوں نقاط کے اندر خط وصل جسقدر کہ ہیں۔ اور نیز دونوں کے باہمی تعلقات کو جسقدر کہ ظاہر کرتے ہیں۔ وہ اعتقادات و اصول مذاہب مختلفہ ہیں۔ بہرحال ان سب مختلفہ اصول میں سے صرف ایک ہی مذہب کی اصل بالکل راست اور صحیح ہے۔ باقی سب غلط۔

کیونکہ اگر تمام مذاہب کے مقررہ اصول صحیح مان لئے جائیں۔ تو ہرگز دنیا کے اندر مذاہب متعدد نہ ہوتے۔ اس سے صاف ظاہر ہے۔ کہ خدائی مذہب ایک ہی ہے۔ ع

ایک سے جب دو ہوئے تب لطف یکتائی نہیں

یعنے منشائے مبارک الٰہی اور فطرت انسانی کے مطابق صرف ایک ہی مذہب سچا ہے اور بس۔ سو وہ سچا مذہب خدائی اسلام ہی ہے۔ اسی واسطے قرآن مجید میں ارشاد ہے۔ اِنَّ الدِّیْنَ عِنْدَ اللّٰہِ الْاِسْلَام
اس سے یہ نتیجہ نہ اخذ کرلیا جائے۔ کہ اسلام اپنے سے پہلے تمام مذاہب پر ہی تفوق رکھتا ہے۔ بلکہ آئندہ کے مذاہب پر بھی اسے فوقیت و برتری حاصل ہے۔ کیونکہ اس سے بڑھکر کوئی مذہب بھی اپنے اصول تو قائم نہیں کرسکا۔ اور نہ ہی کرسکیگا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ حضرت حق سبحانہٗ تعالیٰ نے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا کے فرمان واجب الاذعان سے مہر اختتام لگادی۔ پس مسلمان لوگ سچائی اصول مذہب کے لحاظ سے جسقدر کہ ناز کرسکیں بجا اور درست ہے۔ واقعی نامسلم لوگ دردناک حسرت سے پکار پکار کر عنقریب چلائیں گے ؎

اینجا غم معیشت و اینجا سزائے عصیاں
آسائش دو گیتی بر ما حرام کردند

اور قرآن مجید کی آبِ زر سے لکھے جانے کے قابل آیۃ۔ رُبَمَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْ کَانُوْا مُسْلِمِیْنَ o کا بار بار تکرار کریں گے۔ یعنی ایک دن وہ ہوگا۔ کہ جو لوگ اسلام سے منکر ہیں بڑے افسوس سے یہ کہیں گے۔ کہ کاش ہم بھی مسلمان ہوتے۔
مگر اس وقت انہیں اپنے ٹیڑھے یا غلط مذہب کی ہٹ دھرمی اور تعصب نے اقرار اسلام سے روک رکھا ہے
میں اسلام کے متعلق تو اصول بیان کرچکا ہوں مگر دیگر مذاہب دنیا کے اصول کو ابھی تک میں نے قلمبند نہیں کیا چنانچہ اب انہیں لکھتا ہوں۔ تاکہ منصف مزاج ناظرین خود ہی موازنہ کرلیں۔ کہ واقعی کونسا مذہب سچا ہے۔ اور کس مذہب کے اصول فطرت انسانی اور منشائے یزدانی کے بالکل موافق واقعہ ہوئے ہیں ؎

سپردم بتو مایۂ خویش را
تو دانی حساب کم و بیش را

اگر کوئی شخص یہ کہے۔ کہ اسلام تو کل پیدا ہوا ہے۔ اس نے جسقدر اصول اختیار کئے ہیں۔ وہ پہلے مذاہب میں سے لئے ہیں۔ تو اس کا یہ کہنا لاحاصل ہے۔ کیونکہ دیکھنا تو یہ ہے۔ کہ بحیثیتِ مجموعی دنیا کے تمام مذاہب میں سے کس مذہب کے اصول حقیقت نما اور امن پسند ہیں۔
نیز مجھے اس اندراج اصول مذاہب دنیا میں منصب ترجمانی سے بڑھ کر زیادہ رتبہ حاصل نہیں ہے۔ اگر کوئی غلطی ہو تو معاف رکھا جائے بلکہ صحت کی اطلاع پانے پر تہ دل سے مشکور ہونگا۔

اصول مذاہبِ دُنیا

تاریخ عجم یہ کہہ رہی ہے۔ کہ اول ہی اول دنیا کے اندر مذہب کی بنیاد حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے وجود با جود کے ساتھ ہی رکھی۔ جو بالکل مطابق اسلام تھی۔

جب دنیا نے ابتدا سے ذرا آگے قدم رکھا۔ اور نفوس انسانی نے قابل لحاظ شمار دکھایا۔ تو مرور مدت نے حضرت آدم کے مذہبی سکہ کا چلن مخدوش و مغشوش ٹھیرا یا۔ اور امن و انتظام میں بھی ایک نمایاں فرق آیا۔ لہذا مشیت ایزدی نے دنیا میں کیومرث کو سب سے پہلا بادشاہ بنایا۔

بعض کہتے ہیں۔ کہ کیومرث مہیائیل کی اولاد میں سے تھا۔ اور بعض کہتے ہیں۔ کہ وہ حضرت نوح علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اولاد میں سے تھا۔ مگر حضرت امام محمد غزالی صاحب رحمتہ اللہ علیہ نے کتاب نصیحت الملوک میں لکھا ہے۔ کہ کیومرث حضرت شیث علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بھائی تھا۔ اور آتش پرست لوگوں ہی نے کیومرث ہی کو آدم علیہ السلام کے نام سے نامزد اور پیغمبر اولین کے خطاب سے مخاطب کیا ہے۔ پس جسطرح سے کیومرث کے شجرہ نسب میں اختلاف ہے۔ اسی طرح سے کیومرث کی عمر میں بھی اختلاف ہے۔

کیومرث کی عمر ایک ہزار سال کی لکھی ہے۔ ہزار کے ہندسہ میں تو کوئی اختلاف نہیں۔ اگر اختلاف ہے تو سال کے لفظ میں ہے۔ بعض کے نزدیک سال سے مراد ہمارا مروجہ بارہ مہینے کا سال ہے۔ اور بعض کہتے ہیں۔ کہ اس زمانہ میں ایک سال ہمارے آج کل کے تیس روزہ ایک مہینے کا نام تھا۔ اور بعض اسکو ہفتہ اور روز سے تعبیر کرتے ہیں۔ مگر اکثر اتفاق اس پر ہے۔ کہ اس زمانہ میں ہمارے ایک مہینہ کو سال کہا جاتا تھا۔ اس حساب اور رائے سے کیومرث کی عمر ایک ہزار ماہ کی ہوئی جس کے تراسی سال اور چار ماہ ہوتے ہیں۔ واللہ اعلم بالصواب۔

کیومرث نے عنانِ حکومت دست اختیار میں لیتے ہی انتظام ملکی کے علاوہ صلاحیت مذہب کی طرف بھی توجہ کی۔ اور سب سے پہلے جو مذہب دنیا میں جاری کیا اس کا نام مذہب سپاس مشہور ہوا۔ اور اس کے پیرو ان سپاسی کہلائے جانے لگے۔ اور آئندہ کے لئے مذہب کا سلسلہ دنیا میں جاری ہو گیا۔

یہ یاد رہے کہ ہر ایک مذہب کے مختصراً اصول ہی بیان ہوں گے۔ کیونکہ جب ایک مذہب کے اصول ہی میں از روئے علم و عمل مرورِ مدت نے کچھ اختلال پیدا کر دیا۔ اور باہم افراط و تفریط شروع ہو گئی۔ تو دوسرا مذہب کسی مصلح قوم اور ریفارمر کی وساطت سے جاری ہوتا گیا۔ اور وہ دوسرا مذہب ایسا ہی جاری ہوتا گیا۔ کہ جیسا اسوقت کی ضروریات متقضی تھیں۔ درحقیقت مصلح قوم کا یہ اجرائے مذہب اپنا من گھڑت ہی نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ منجانب اللہ اسکو یہ توفیق پہلے ہی سے از روئے سرشت و فطرت ودلیعت ہوتی تھی۔ پس جو مذہب منشائے ایزدی کے موافق دنیا میں آیا وہ حق ہے اور جو مذہب کسی شخص کی تحکمانہ اور تفاخرانہ طبعیت کا ایک من گھڑت نتیجہ ہے۔ اس کی وقعت ہندوستان کے مغلیہ خاندان کے بادشاہ اکبر کے جاری کردہ مذہب دین الہٰی سے زیادہ نہیں ہے۔

(باقی دارد)

وزیر ہند پریس (واقع) بازار ... امرتسر میں محمد علی ... پرنٹر کے اہتمام سے چھپا اور محمد علی ... پبلشر نے دفتر الفردوس واقع ... امرتسر سے شائع کیا